

بَلِّغِ الْعُلَى بِكَمَالِهِ



سید محمد رضا بخاری

بَلَّغَ الْعُلَى بِكَمَالِهِ

(حیاتِ طیبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

حصہ اول: مکی دور

حصہ دوم: مدنی دور

حصہ سوم: تکمیل دین

سید حماد رضا بخاری

بَلَّغُ الْعُلَى بِكَمَالِهِ	نام کتاب
سید حماد رضا بخاری	مؤلف
بخاری پبلی کیشنز، فیصل آباد	ناشر
سید حماد رضا بخاری	کمپوزنگ
ڈاکٹر سیدہ شاہین صبا بخاری	پروف ریڈنگ
جنوری ۲۰۱۲ء	طبع اول
۱۰۰۰	تعداد
hrbukhari@hotmail.com	ای میل مؤلف
+923009655650	فون نمبر

نقراظ

جئء الاسلام علامه اظهر حسين بهشتى

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ٠

دُنیا میں کچھ ایسی ہستیاں ہوتی ہیں جو تاریخ کا رُخ موڑ دیتی ہیں، انہیں میں سب سے اعلیٰ وارفع ہستی جس نے مختصر سے عرصے میں دُنیا میں انقلاب برپا کر دیا، پرچم اسلام کو بلند کیا اور اقدارِ انسانی کو اپنی معراج تک پہنچا دیا، حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذاتِ مبارکہ ہے۔ قرآنِ کریم نے آپ ﷺ کے اخلاق کے بارے میں یوں قصیدہ کہا، ”وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ ٠“ (اور بیشک آپ ﷺ خلقِ عظیم کے مالک ہیں۔ سورة القلم آیت ۴) اور آپ ﷺ کی نرم خوئی کے بارے میں کچھ اس طرح بیان فرمایا، ”وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ (اے محبوب! آپ ﷺ) ان کے لئے اتنے نرم دل ہیں اور اگر تند مزاج سخت دل ہوتے تو وہ ضرور آپ ﷺ کے گرد و پیش سے منتشر ہو جاتے۔ سورة آل عمران آیت ۱۵۹) اور آپ ﷺ کے شرح صدر یعنی وسعتِ قلبی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی، ”أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ٠“ (کیا ہم نے آپ ﷺ) کا سینہ کشادہ نہ کیا۔ سورة الشرح آیت ۱) آپ ﷺ کا اخلاق، آپ ﷺ کی نرم خوئی اور آپ ﷺ کا شرح صدر ہی تھا جس کی بدولت آپ ﷺ کی تحریکِ اسلام اور یہ انقلاب کامیاب ہو گیا۔ اسلام کی نشر و اشاعت آپ کے کردار کی بلندی کی وجہ سے تھی نہ کہ تلوار کے ذریعے۔ بعض اوقات دشمنانِ اسلام کی طرف سے یہ اعتراض کر دیا جاتا ہے کہ اسلام تلوار کے زور پر پھیلا تھا اور اس کی طرف داری بعض نام نہاد مسلمانوں نے بھی کر ڈالی جب کہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ اسلام رسول

اکرم ﷺ کے کردار کا پرتو ہے، اگر اسلام میں جنگوں کا جائزہ لیا جائے تو صاف دکھائی دیتا ہے کہ یہ ساری جنگیں دفاعی جنگوں کی حیثیت رکھتی تھیں اور پھر اگر قرآن کو حکم مان کر اس سے فیصلہ لیا جائے تو قرآن مجید واضح طور پر اعلان کرتا ہوا نظر آتا ہے کہ اسلام رسول اکرم ﷺ کے اعلیٰ کردار کے ذریعے دُنیا میں پھیلا ہے نہ کہ تلوار کے بل بوتے پر جیسا کہ مندرجہ بالا آیات آپ کی نظر سے گزریں۔ قرآن مجید نے رسول اکرم ﷺ کی تمام زندگی کو انسانیت کے لئے اُسوة قرار دیا اور فرمایا، ”لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ“ (بیشک تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ) کی ذات میں (پیروی کے لئے) بہترین نمونہ ہے۔ (سورۃ احزاب آیت ۲۱)

بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جو تلوار کے زور پر اسلام پھیلانے اُس کی زندگی کو تمام انسانیت کے لئے اُسوة اور نمونہ قرار دے دیا جائے؟ لہذا اس مقام پر غور و فکر کرنا چاہیے کہ یہ نظریہ کن لوگوں کا ہے؟ آیا حامیانِ اسلام کا ہے یا دشمنانِ اسلام کا؟

قارئین محترم! آپ کے ہاتھوں میں موجود کتاب برادرِ عزیز سید حماد رضا بخاری صاحب کی ایک بہترین کاوش ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے اپنی گزشتہ کاوش، ”صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا“ کی طرح اہل اسلام کے مختلف مکاتبِ فکر کی روایات کو یکجا کیا ہے اور رسول اکرم ﷺ کے خلاف جو توہین آمیز روایات نقل کی جاتی ہیں اُن کا بہترین اسلوب میں جواب بھی دیا ہے۔ بخاری صاحب ایک سچے عاشقِ رسول ہیں، اس کا اندازہ آپ کو کتاب کے مطالعے کے دوران خود بخود ہو جائے گا۔ خداوند متعال ان کی اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور ان کے زورِ قلم میں مزید اضافہ فرمائے۔

والسلام

اظہر حسین بہشتی

۲۲ ربیع الاول ۱۴۳۵ ہجری

نقراظ

جئے الاسلام علامہ سید مزمل نقوی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

تاریخ کے دامن میں بہت کچھ ہوتا ہے۔ حقائق بھی اور افسانے بھی۔ قصے بھی اور کہانیاں بھی۔ رموز بھی اور اشارات بھی۔ تفصیل بھی اور اجمال بھی۔ سچ بھی اور جھوٹ بھی۔ یہ تو محقق کی صلاحیت پر منحصر ہوتا ہے کہ وہ کس طرح حقائق کو سچے موتیوں کی طرح چننا اور سچ کو جھوٹ سے الگ کرتا ہے۔ سیرت کی کتب بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ سیرت نگاروں نے عمداً یا سہواً بہت سی ایسی باتیں لکھی ہیں جو صاحب سیرت کی شان کے منافی ہوتی ہیں۔ بعد میں آنے والے مصنفین بھی تبصرہ کئے بغیر انہی باتوں کو نقل کر دیتے ہیں۔ جنہیں پڑھ کر ایک عام قاری الجھن کا شکار ہو جاتا ہے۔

بردار محترم سید حماد رضا بخاری ایسی باتوں سے اجتناب کرتے ہیں۔ اگر کوئی ایسی روایت ان کے زیرِ قلم آجائے تو اُس پر بحث ضرور کرتے ہیں۔ ان کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ وہ اپنا نظریہ تو بیان کرتے ہیں لیکن قاری پر تھوپنے کی کوشش نہیں کرتے بلکہ قاری کے ذہن کو جستجو کی راہیں دکھاتے ہیں۔ حق بھی یہی ہے۔ قرآن و سنت کا پیغام یہی ہے۔ تدبر کرنا قرآن کی آرزو ہے۔ غور و فکر کرنا انبیاء اور آئمہ معصومین علیہم السلام کی سیرت ہے۔ اسی سے انسان آگے بڑھتا ہے۔ ارتقائی منازل طے کرتا ہے اور اپنے مقصدِ تخلیق کو پالیتا ہے۔ یوں خدا کے قریب ہو جاتا ہے۔

زیر نظر کتاب بلغ العلیٰ بکمالہ اپنے نام کی طرح ایک مفرد تالیف ہے۔ رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و کردار پر فاضل محقق کا ایک عظیم علمی شاہکار ہے۔ جسے اپنا کر نہ صرف ایک عام فرد بلکہ

زندگی کے ہر شعبہ سے تعلق رکھنے والا باشعور اہل علم و ذوق انسان اپنی زندگی کو عظیم انسانی قدروں کے مطابق ڈھال سکتا ہے۔ کیونکہ اس کتاب میں اس ذات والا صفات کی سیرت بیان کی گئی ہے جسے خدا نے اسوۂ حسنہ اور انسانیت کے لیے نمونہ عمل قرار دیا ہے۔ حبیب کبریاء ﷺ جیسے انسان کامل کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو سامنے لانا انسانیت کی بہت بڑی خدمت ہے۔ اس کے لیے فاضل مصنف مبارک باد کے مستحق ہیں۔

خدا ان کی توفیقات میں مزید اضافہ فرمائے اور وہ اپنے ترشحاتِ قلم سے لوگوں کو مستفید کرتے رہیں۔
(آمین)

سید مزل نقوی

۲۹ جمادی الثانی ۱۴۳۶ ہجری

۱۸ اپریل ۲۰۱۵ء

jabir.abbas@yahoo.com

jabir.abbas@yahoo.com

فہرست

حصہ اول

(مکئی دور)

31	ہدیہ
32	انتساب
33	مقدمہ
36	نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی تخلیق
42	نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا اصلا ب طیبہ سے ارحام مطہرہ کی طرف انتقال
47	نسب گرامی حضور صلی اللہ علیہ وسلم
48	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد
48	حضرت ابراہیم علیہ السلام
56	حضرت اسماعیل علیہ السلام
60	حضرت فہر قریش
61	حضرت قصی
61	حضرت عبد مناف
62	حضرت ہاشم
64	حضرت عبد المطلب شعیبہ الحب علیہ السلام
69	حارث بن عبد المطلب (عم النبی صلی اللہ علیہ وسلم)
69	حضرت امیر حمزہؓ بن عبد المطلب (عم النبی صلی اللہ علیہ وسلم)
69	حضرت عباسؓ بن عبد المطلب (عم النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

- 71 زبیر بن عبدالمطلب (عم النبی صلی اللہ علیہ وسلم)
- 71 حضرت ابوطالب بن عبدالمطلب علیہ السلام (عم النبی صلی اللہ علیہ وسلم)
- 74 حضرت علی علیہ السلام (برادر رسول صلی اللہ علیہ وسلم)
- 77 عمات النبی صلی اللہ علیہ وسلم
- 79 حضرت عبد اللہ علیہ السلام (والد گرامی نبی صلی اللہ علیہ وسلم)
- 81 سیدہ آمنہ علیہا السلام (والدہ ماجدہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم)
- 82 طلوع سحر (ولادت باسعادت سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم) ۵۲ قبل ہجرت، ۵۷۱ء
- 89 سطح کا بن کی خبر
- 91 یہودی عالم یوسف کی خبر
- 92 شام سے ابن حواش المقتبل کی خبر
- 95 اسمائے گرامی جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم
- 98 حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اور کنیت جمع کرنے کی ممانعت اور حضرت علی علیہ السلام کا استثناء
- 99 رضاعت نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم
- 101 روایت شق الصدر
- 102 روایت شق الصدر کا تنقیدی جائزہ
- 109 وفات حضرت سیدہ آمنہ علیہا السلام (۴۷ قبل ہجرت/ ۵۷۷ء)
- 109 کم سنی میں ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کی رحلت کا فلسفہ
- 110 کفالت جناب نبی گرامی صلی اللہ علیہ وسلم
- 112 حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت کے لیے حضرت ابوطالب کی نامزدگی
- 113 حضرت ابوطالب کے ہمراہ سفر شام (۴۰ قبل ہجرت/ ۵۸۲ء)
- 115 سفر شام حضرت ابوطالب علیہ السلام کی زبانی
- 123 عربوں میں بُت پرستی کی تاریخ اور بھل، لات و عزی وغیرہ
- 124 شرک و بت پرستی اور فسق و فجور سے سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی نفرت

- 125 حَرْبِ فُجَار (۳۷ قبل ہجرت/۵۸۶ء)
- 126 حَرْبِ فُجَار میں حضور ﷺ اور حضرت ابوطالبؓ شریک نہیں تھے
- 127 حَلْفُ الْفُضُول (۳۷ قبل ہجرت/۵۸۶ء)
- 128 حضور ﷺ کا بھیڑ بکریاں چرانا
- 130 مکہ مکرمہ پر یونانیوں کے اقتدار کی سازش
- 131 حضرت خدیجہ الکبریٰ علیہا السلام
- 133 حضرت خدیجہ الکبریٰ علیہا السلام کے ساتھ تجارتی شراکت
- 136 نبی ﷺ کے بارے میں بزرگ راہب سے خالد بن اسید اور طسیق کی گفتگو
- 138 ابوالموہب راہب کی خبر
- 140 حضرت خدیجہ الکبریٰ علیہا السلام سے عقد (۲۷ قبل ہجرت/ستمبر ۵۹۵ء)
- 142 حضرت خدیجہ علیہا السلام نے حضور ﷺ سے پہلے کوئی شادی نہیں کی تھی
- 144 حضور ﷺ کی کثرتِ ازواج سے متعلق ایک منفی خیال اور اُس کی تردید
- 149 ازواجِ نبی ﷺ
- 155 رسول اللہ ﷺ کو اپنی پسند کے مطابق ازواج کو رکھنے اور چھوڑنے کا اختیار
- 159 اولادِ نبی ﷺ
- 161 حضرت قاسمؓ کی ولادت (۲۵ قبل ہجرت/۵۹۸ء)
- 162 حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی ولادت (۱۳ رجب ۳۰ عام الفیل/۶۰۰ء)
- 166 خانہ کعبہ کی تعمیر نو اور حضور ﷺ کا تدبیر اور انصاف (۱۸ قبل ہجرت/۶۰۵ء)
- 167 غارِ حرا میں رسول اللہ ﷺ کی عبادت گزاری
- 169 پہلی وحی اور آغازِ بعثت (۱۲ قبل ہجرت/۶۱۰ء)
- 173 حضور ﷺ کے لقب ”اُمّی“ کی وضاحت
- 176 ہوائف، جمادات، نباتات اور حیوانات وغیرہ کی گواہی
- 185 عتوہ کھجور

- 186 دعوتِ ذوالعشرہ (سنہ ۴ بعثت، ۹ قبل ہجرت / ۶۱۴ء)
- 191 قریش کا ظلم و ستم
- 193 ہجرت حبشہ (رجب ۷ قبل ہجرت / اپریل ۶۱۵ء)
- 199 دارالارقم (سنہ ۶ بعثت)
- 200 معاشرتی مقاطعہ (محرم ۷ قبل ہجرت / ستمبر ۶۱۵ء)
- 206 رومیوں کی شکست کی پیش گوئی (سنہ ۸ بعثت، ۵ قبل ہجرت، ۶۱۸ء)
- 207 معجزہ شق القمر (سنہ ۹ بعثت)
- 210 معجزہ شق القمر اور ہندو مہاراجے
- 210 مہاراجہ کیرالمالابار
- 213 مہاراجہ مالی بارسامری
- 214 ریاست کھاڑی کے راجا کنورسین اور وزیر بن سین
- 220 ریاست دھار کے راجا بھوج
- 221 ریاست بھوپال کے راجا بھوپال
- 223 معراج النبی ﷺ (اہل سنت کی نظر میں)
- 232 معراج النبی ﷺ (اہل تشیع کی نظر میں)
- 235 معراج جسمانی یا معراج روحانی؟
- 237 بُراق
- 238 واقعہ معراج پر اہل مکہ کا ردِ عمل
- 241 معراج کا سفرنامہ
- 249 شجرہ طوبیٰ
- 252 سدرۃ المنتہیٰ
- 253 نمازوں میں تخفیف کی درخواست
- 254 مقصدِ معراج

- 262 کیا حضرت علی علیہ السلام شریکِ معراج تھے؟
- 265 امکانِ معراج
- 267 قرآن کی گواہی
- 269 واقعہ معراج پر چند اور دلائل
- 272 معراج اور صلوٰۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم
- 275 درودِ ابراہیمی
- 276 ولادت حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء علیہا السلام (۵ بعثت، سنہ ۴۶ عام الفیل / ۶۱۳ء)
- 278 حضرت ابوطالب علیہ السلام کی وفات (۳ قبل ہجرت / ۶۱۹ء)
- 284 حضرت ابوطالب کے بعد قریش کی دست درازیاں
- 284 اُمّ المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ علیہا السلام کی وفات (۳ قبل ہجرت / ۶۱۹ء)
- 285 حضرت سودہ بنت زمعہؓ اور حضرت عائشہ بنت ابوبکرؓ سے عقد (۳ قبل ہجرت)
- 286 طائف (سنہ ۱۰ بعثت، ۲۷ شوال ۳ قبل ہجرت / فروری، مارچ ۶۱۹ء)
- 291 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جنّات کی حاضری
- 294 قبیلہ خزرج کی ایک جماعت کا قبولِ اسلام (سنہ ۱۱ بعثت)
- 295 بیعتِ عقبہ اولیٰ (سنہ ۱۲ بعثت، ذوالحجہ ۱ قبل ہجرت / ۶۲۱ء)
- 297 بیعتِ عقبہ ثانیہ (سنہ ۱۳ بعثت، ۳ ماہ قبل ہجرت / جون ۶۲۲ء)
- 299 ہجرتِ مدینہ (۱۳ بعثت / ۶۲۲ء)
- 299 حضرت علی علیہ السلام بسترِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر
- 303 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غارِ ثور میں
- 305 خیمہ اُمّ معبد عاتکہ میں روشنی
- 307 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیہ مبارک

حصہ دوم

(مدنی دور)

- 317 سنہ ایک ہجری
- 317 اسلام میں سنہ ہجری کا اجراء
- 318 رسول اللہ ﷺ کی قبائیں تشریف آوری (۸ ربیع الاول ہجری / ۲۳ ستمبر ۶۲۲ء)
- 322 مسجد قبا (۱ ہجری / ۶۲۲ء)
- 323 قبیلہ اوس اور خزرج میں دیرینہ دشمنی کا خاتمہ (۱ ہجری / ۶۲۲ء)
- 325 پہلی نماز جمعہ (۱۲ ربیع الاول سنہ ہجری)
- 326 پہلی نماز جمعہ کا خطبہ (۱۲ ربیع الاول سنہ ہجری)
- 328 نماز جمعہ کا باقاعدہ آغاز
- 328 مدینہ منورہ
- 331 مسجد نبوی کی تعمیر (ربیع الاول ہجری / اکتوبر ۶۲۲ء)
- 335 نماز کی رکعتوں کا تعین (۱ ہجری / ۶۲۲ء)
- 337 اذان و اقامت (ربیع الاول ہجری / اکتوبر ۶۲۲ء)
- 338 ہمدردوں کی وفات (۱ ہجری / ۶۲۲ء)
- 339 بنو نجار کے نئے قائد (۱ ہجری / ۶۲۲ء)
- 340 مہاجرین کی آباد کاری (۱ ہجری / ۶۲۲ء)
- 340 مواخات (۱ ہجری / ۶۲۲ء)
- 343 زراعت و تجارت
- 344 میثاق مدینہ (دنیا کا پہلا تحریری دستور)
- 346 میثاق مدینہ کا متن (۱ ہجری / ۶۲۲ء)
- 353 میثاق مدینہ غیر مسلم دانشوروں کی نظر میں

- 353 رینالڈ ایلین کولسن
- 354 جولیس ویل ہاسن
- 356 سرتھامس واکر آرٹلڈ
- 357 لیفٹیننٹ جنرل سرجان بیگٹ گلپ پاشا
- 357 روبن لیوی
- 358 جوزف ہیل
- 359 فرانسکو جبریلی
- 360 ویلیئم ٹنگمری واٹ
- 361 ہیو این کینیڈی
- 363 ایڈورڈ گکین
- 363 ماؤرس گاؤ فرائے ڈی مامبائز
- 364 حضرت سلمان فارسی ؓ کا قبول اسلام (۱ ہجری / ۶۲۲ء)
- 368 حضرت عبداللہ بن سلام ؓ کا قبول اسلام (۱ ہجری / ۶۲۲ء)
- 369 زکوٰۃ کا حکم (۱ ہجری / ۶۲۲ء)
- 369 دفاعی منصوبہ بندی (رمضان المبارک ۱ ہجری / مارچ ۶۲۳ء)
- 372 جہاد (رمضان المبارک ۱ ہجری / مارچ ۶۲۳ء)
- 373 غزوہ اور سریہ وغیرہ کی تعریف
- 376 سریہ حمزہ بن عبدالمطلب ؓ یا سریہ سیف البحر یا سریہ عیمص (رمضان ۱ ہجری)
- 377 قریش کے تجارتی قافلوں پر حملوں کی تردید
- 379 سریہ رابغ یا سریہ عیدہ بن حارث ؓ (شوال ۱ ہجری / اپریل ۶۲۳ء)
- 380 حضرت عائشہ ؓ کی رخصتی (شوال ۱ ہجری، اپریل ۶۲۳ء)
- 380 سریہ خزرا یا سریہ سعد بن ابی وقاص (ذیقعدہ ۱ ہجری / مئی ۶۲۳ء)
- 381 سنہ ۲ ہجری

- 381 غزوہ وڈان اور غزوہ ابو (ماہ صفر ۲ ہجری / اگست ۶۲۳ء)
- 382 غزوہ بواط (ربیع الاول یا ربیع الثانی ۲ ہجری / اکتوبر ۶۲۳ء)
- 383 غزوہ سفوان یا غزوہ بدر اُولیٰ (ربیع الثانی ۲ ہجری / اکتوبر ۶۲۳ء)
- 384 غزوہ عُشیرہ (جمادی الاول یا جمادی الثانی ۲ ہجری / نومبر، دسمبر ۶۲۳ء)
- 384 حضرت علیؑ کی کنیت ابوتراب کی وجہ
- 386 سریہ دار ارقم (سنہ ۲ ہجری)
- 386 علم
- 387 سب سے پہلا علم
- 387 سریہ عبداللہ بن جحش یا سریہ بخلفہ (رجب ۲ ہجری / جنوری ۶۲۴ء)
- 390 تحویل خانہ کعبہ (شعبان سنہ ۲ ہجری / جنوری، فروری ۶۲۴ء)
- 391 روزہ (شعبان دو ہجری / فروری ۶۲۴ء)
- 392 غزوہ بدر (۱۷ یا ۱۹ رمضان المبارک / ۱۳ یا ۱۵ مارچ ۶۲۴ء)
- 392 غزوہ بدر کا پس منظر
- 393 وفات
- 395 سچا خواب
- 397 لشکرِ کفار کی جنگ کے لئے روانگی
- 399 لشکرِ کفار کی تعداد
- 399 لشکرِ کفار کا سامانِ حرب
- 399 جبرائیلؑ کی اطلاع اور مجلس مشاورت
- 402 لشکرِ اسلام کی روانگی
- 403 اسلامی لشکر کی تعداد
- 403 لشکرِ اسلام کے علم اور علمبردار

- 404 اسلامی لشکر کا سامانِ حرب
- 404 اسلامی لشکر کا بدر میں پڑاؤ
- 407 عریش
- 408 حق و باطل کا ٹکراؤ
- 413 جنگ میں ملائکہ کی مدد
- 416 حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی شجاعت
- 417 علی علیہ السلام کے ہاتھوں تیغ ہونے والے چند مشہور کافروں کے نام
- 417 دیگر مجاہدین کے ہاتھوں قتل ہونے والے چند مشہور کافروں کے نام
- 418 ابو جہل بن ہشام کا انجام
- 420 اُمیہ بن خلف کا انجام
- 421 عقبہ بن ابی معیط کا انجام
- 422 ابوالخثری بن ہشام کا قتل
- 423 ابولہب کا انجام
- 425 شہدائے بدر کے اسمائے گرامی
- 427 بدر سے واپسی
- 428 نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حجام حضرت ابو ہند انصاری رضی اللہ عنہ
- 429 اسیرانِ بدر
- 430 اسیرانِ بدر کی رہائی
- 432 سریہ عمیر بن عدی (رمضان المبارک سنہ ۲ ہجری)
- 433 غزوہ قرقرة الکدی یا غزوہ الکدر (۲۵ رمضان ۲ ہجری/ ۲۱، ۲۰ مارچ ۶۲۳ء)
- 434 عید الفطر اور صدقہ فطر (۲۸ رمضان المبارک ۲ ہجری/ ۲۴ مارچ ۶۲۳ء)

- 435 سر یہ سالم بن عمیر (۲ ہجری / ۶۲۴ء)
- 435 غزوہ قبیق (۱۵ شوال ۲ ہجری / ۱۱۰ اپریل ۶۲۴ء)
- 439 سیدۃ نساء العالمین حضرت فاطمہ الزہراء علیہا السلام کا نکاح (یکم ذی الحجہ سنہ ۲ ہجری)
- 443 حضرت علی علیہ السلام کی زبانی شادی کی روایت
- 446 خاتونِ جنت علیہا السلام کا حق مہر
- 447 سیدہ کونین علیہا السلام کی رخصتی
- 451 ملکہ کونین سیدہ فاطمہ الزہراء علیہا السلام کا جہیز
- 454 غزوہ سویق (۵ ذوالحجہ ۲ ہجری / ۲۹ مئی ۶۲۴ء)
- 456 شاعر اُمیہ بن صلت کی موت
- 457 سنہ ۳ ہجری
- 457 نماز عید قربان اور قربانی (۱۰ ذی الحجہ ۲ ہجری / ۳ جون ۶۲۴ء)
- 457 غزوہ ذی امر، غزوہ بنی ام، غزوہ انمار، غزوہ غطفان (ربیع الاول ۳ ہجری)
- 460 سر یہ محمد بن مسلمہؓ (۱۴ ربیع الاول ۳ ہجری / ۴ ستمبر ۶۲۴ء)
- 464 امام مہدیینؑ کے پیغام اور فتویٰ کا مکمل متن
- 465 غزوہ نجران یا غزوہ بنو سلیم (ربیع الآخر ۳ ہجری / ستمبر، اکتوبر ۶۲۴ء)
- 466 حضرت حفصہؓ سے نکاح (شعبان ۳ ہجری / فروری ۶۲۵ء)
- 466 ولادت امام حسن علیہ السلام (۱۵ رمضان ۳ ہجری، ۲۸ فروری ۶۲۵ء)
- 468 غزوہ اُحد (۶ شوال ۳ ہجری / ۲۲ مارچ ۶۲۵ء)
- 468 اُحد کی وجہ تسمیہ
- 468 غزوہ اُحد کا پس منظر
- 472 لشکرِ کفار

- 474 مسلمانوں میں اختلاف رائے
- 475 لشکرِ اسلام
- 476 روانگی
- 476 منافقین کی غداری
- 477 عینین کا درہ
- 478 آغازِ جنگ
- 482 ابتدائی فتح
- 483 حضرت حمزہ ؓ کی شہادت
- 484 مالِ غنیمت کا لالچ اور درہ عینین والوں کی غلطی
- 488 شیر خدا علی ابن ابی طالب ؑ کی شجاعت و استقامت
- 492 انجام
- 494 رسول اللہ ﷺ کا جہاد
- 498 نبی ﷺ اور علی ؑ کی تلواریں حضرت فاطمہ ؑ کے سپرد
- 499 واقعاتی تسلسل سے متعلق ایک اہم وضاحت
- 500 جنگ میں مسلمان خواتین کی خدمات
- 501 جاں نثارانِ اُحد کا مختصر تذکرہ
- 501 حضرت علی ابن ابی طالب ؑ
- 501 حضرت امیر حمزہ ؓ
- 502 حضرت امیر حمزہ ؓ کی شہادت کا پس منظر
- 504 حضرت ابو دجانہ انصاری ؓ
- 506 حضرت عمرو بن جموح ؓ

- 507 رافع بن خدیجؓ اور سمرہ بن جندبؓ
- 508 حضرت مصعب بن عمیرؓ
- 508 حضرت سعد بن ربیعؓ
- 509 حضرت زیاد بن سکنؓ
- 510 حضرت حظلہؓ غیل السلائکہ
- 512 حضرت اُم عمارہ انصاریہؓ
- 512 یہودی خریق کی جاں نثاری
- 513 حضرت عمرو بن ثابتؓ
- 513 شہدائے اُحد کی تجہیز و تدفین
- 514 شہدائے اُحد کا ماتم
- 515 حضرت زینب بنت خزمہؓ سے نکاح
- 515 غزوہ حراء الاسد (ہفتہ ۱۶ شوال ۳ ہجری / ۱۱ اپریل ۶۲۵ء)
- 517 سنہ ۴ ہجری
- 517 سریہ ابوسلمہؓ مخزومی (یکم محرم ۴ ہجری / ۱۳ جون ۶۲۵ء)
- 517 سریہ عبداللہ بن انیسؓ (۵ محرم ۴ ہجری / ۱۷ جون ۶۲۵ء)
- 518 رجب کا المیہ (صفر ۴ ہجری / جولائی، اگست ۶۲۵ء)
- 522 المیہ بڑ معونہ / سریہ منذر بن عمرو / سریہ القری (صفر ۴ ہجری / جولائی اگست ۶۲۵ء)
- 524 غزوہ بنی نضیر (ربیع الاول ۴ ہجری / اگست ستمبر ۶۲۵ء)
- 527 غزوہ ذات الرقاع (جمادی الاول ۴ ہجری / اکتوبر، نومبر ۶۲۵ء)
- 529 ولادتِ امام حسین علیہ السلام ۳ شعبان ۴ ہجری (۷ جنوری ۶۲۶ء)
- 530 رضاعتِ امام حسین علیہ السلام

- 531 شہزادوں کے نام حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود رکھے
- 531 شہزادوں کے نام اللہ نے حجاب میں رکھے تھے
- 531 حسنین علیہ السلام کے نام اہل جنت کے نام ہیں
- 532 حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حسنین علیہ السلام میرے بیٹے ہیں
- 532 حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ہی ان کا نسب ہوں
- 533 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام کی مشابہت
- 534 حسنین علیہ السلام وارثانِ اوصافِ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہیں
- 534 حسنین علیہ السلام تمام جنتی جوانوں کے سردار ہیں
- 535 حسنین علیہ السلام سے محبت کرنا واجب ہے
- 535 حسنین علیہ السلام سے بغض رکھنے والا مغضوب ہے
- 535 حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حسنین علیہ السلام کی خاطر منبر سے نیچے تشریف آوری
- 535 حسنین علیہ السلام پشتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر
- 536 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طوالتِ سجدہ
- 536 کیا اچھے سوار ہیں
- 537 حرمتِ شراب (۴ ہجری)
- 541 حضرت اُمّ سلمہؓ سے نکاح (شوال ۴ ہجری / مارچ ۶۲۶ء)
- 541 غزوہ بدر الموعود یا بدر الاُخریٰ (ذیقعد ۴ ہجری / اپریل ۶۲۶ء)
- 542 وفاتِ حضرت فاطمہ بنتِ اسد (۵ یا ۴ ہجری / سنہ ۶۲۶ء)
- 543 سنہ ۵ ہجری
- 543 غزوہ دومۃ الجندل (۲۵ ربیع الاول ۵ ہجری / ۲۴ اگست ۶۲۶ء)
- 544 غزوہ مریسیع یا غزوہ بنی المصطلق (شعبان ۵ ہجری / ۲۸ دسمبر ۶۲۶ء)
- 545 حضرت جویریہؓ سے نکاح

- 545 حضرت زینب بنت جحشؓ سے نکاح
- 548 غزوہٴ احزاب یا جنگ خندق (ذیقعد یا شوال ۵ ہجری)
- 549 دشمنانِ اسلام کی پیش قدمی
- 550 لشکرِ کفار کی تعداد
- 550 لشکرِ اسلام کی تعداد
- 550 خندق
- 552 خندق کی حدود
- 552 لشکرِ کفار کی آمد
- 553 بنو قریظہ کی بغاوت
- 556 بنو قریظہ کی بغاوت کا سد باب
- 557 مقابلہ
- 559 عمرو بن عبدود
- 561 شیر خدا کی جنگ
- 569 عمرو بن عبدود کے ساتھی
- 570 علیؑ کے ہاتھوں ایک اور پہلوان کا قتل
- 570 مشرکین کی خفت
- 572 اختتامِ جنگ
- 574 کفار کا فرار
- 575 غزوہٴ بنو قریظہ (ذیقعد ۵ ہجری / مارچ ۶۲۷ء)
- 579 حضرت سعد بن معاذؓ کی نامزدگی کی وجہ
- 581 بنو قریظہ کا انجام
- 585 حضرت سعد بن معاذؓ کی شہادت
- 586 حضرت ابولہبؓ کی پشیمانی

- 589 حجاب کا حکم (یکم ذیقعد ۵ ہجری / ۲۳ مارچ ۶۲۷ء)
- 593 سنہ ۶ ہجری
- 593 سریہ محمد بن مسلمہؓ یا سریہ نجد (۱۰ محرم ۶ ہجری / یکم جون ۶۲۷ء)
- 593 غزوہ بنو لحيان (یکم ربیع الاول ۶ ہجری / ۲۱ جولائی ۶۲۷ء)
- 594 غزوہ ذی قرد یا غزوہ غابہ (ربیع الاول ۶ ہجری)
- 595 سریہ غمر یا سریہ عکاشہ بن محصنؓ (ربیع الآخر ۶ ہجری / اگست ستمبر ۶۲۷ء)
- 595 سریہ ذی القصہ یا سریہ بنو ثعلبہ (ربیع الآخر ۶ ہجری / اگست ستمبر ۶۲۷ء)
- 595 سریہ جھوم (ربیع الآخر ۶ ہجری / اگست ستمبر ۶۲۷ء)
- 596 سریہ وادی القرئی (رجب ۶ ہجری / نومبر دسمبر ۶۲۷ء)
- 596 سریہ علی مرتضیٰ علیہ السلام یا سریہ فدک (شعبان ۶ ہجری / جنوری ۶۲۸ء)
- 597 حدیبیہ کا معرکہ (یکم ذیقعد ۶ ہجری / ۱۲ مارچ ۶۲۸ء)
- 603 بیعت رضوان
- 609 صلح نامہ حدیبیہ کے نکات
- 610 معاہدہ حدیبیہ پر تبصرہ
- 611 حضرت ام حبیبہؓ سے نکاح (ذی الحجہ ۶ ہجری / اپریل مئی ۶۲۸ء)
- 612 سنہ ۷ ہجری
- 612 مکتوبات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (یکم محرم ۷ ہجری / ۶۲۸ء)
- 615 مکتوب رسول صلی اللہ علیہ وسلم بنام ہرقل، قیصر روم
- 617 ہرقل، قیصر روم کا خط
- 618 مکتوب رسول صلی اللہ علیہ وسلم بنام شاہ فارس (ایران)، کسریٰ پرویز
- 619 مکتوب رسول صلی اللہ علیہ وسلم بنام شاہ حبش اصحم نجاشی
- 621 شاہ حبش نجاشی کا خط
- 622 شاہ حبش نجاشی کا دوسرا خط

- 622 مکتوب رسول ﷺ بنام والی مصر
- 624 حاکم مصر مقتوقس کا خط
- 624 مکتوب رسول ﷺ بنام شاہ یمامہ ہوذہ
- 625 شاہ یمامہ ہوذہ کا خط
- 626 مکتوب رسول ﷺ بنام منذر بن حارث بن ابی شہر غسانی یا حارث بن شمر غسانی
- 627 خسیبر (محرم ۷ ہجری / مئی جون ۶۲۸ء)
- 628 جنگ خسیبر کا پس منظر
- 629 لشکر اسلام کی روانگی
- 631 رسول خدا ﷺ اور شیر خدا علیہ السلام کی علالت
- 631 مسلمانوں کی خیر فتح کرنے کی کوشش ناکام
- 631 فاتح خیبر کا انتخاب اور عطائے علم
- 636 جناب امیر علیہ السلام کا انداز ورود
- 637 شجاعت علی ابن ابی طالب علیہ السلام پر تورات کی گواہی
- 637 شیر خدا علی المرتضیٰ علیہ السلام کی جنگ
- 641 نبی کریم ﷺ کا خیبر کے یہودیوں پر کرم
- 641 حضرت صفیہؓ
- 642 مرحب کا قتل حضرت علی علیہ السلام کی بجائے محمد بن مسلمہ کے کھاتے میں
- 645 یہود کی سازش
- 646 آفتاب امامت کے لئے آفتاب فلک کی واپسی
- 647 فدک
- 651 وادی القریٰ
- 651 مہاجرین حبشہ کی واپسی
- 652 پہلا ورود مکہ، عمرۃ القضاء (ذی القعدہ ۷ ہجری / مارچ ۶۲۹ء)

- 653 سنہ ۸ ہجری
- 653 منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم
- 655 ریاض الحجۃ
- 655 سریہ موتہ (جمادی الاول ۸ ہجری / اگست ستمبر ۶۲۹ء)
- 658 جنگ یا پسپائی؟
- 659 جنگ
- 661 شکست خوردہ اسلامی فوج کا مدینہ کے باہر استقبال

حصہ سوم (تکمیل دین)

- 664 فتح مکہ (۱۰ رمضان المبارک ۸ ہجری / یکم جنوری ۶۳۰ء)
- 664 عہد شکنی
- 665 تین سو معاہدہ اور پھر کچھ تباہی
- 666 سفیر قریش کی کوشش ناکام
- 666 رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی رازداری اور مسلمانوں کی غداری
- 668 مدینہ منورہ سے روانگی
- 669 سفر میں روزے کی عزیمت
- 669 مکہ کے نواح میں پڑاؤ
- 669 ابوسفیان کی گرفتاری
- 671 اسلامی جاہ و جلال کی ہیبت
- 674 حضرت سعد بن عبادہ کی سہو و خطا
- 675 مکہ میں ہانچل

- 676 مکہ کی طرف پیش قدمی
- 679 عام معافی کا اعلان
- 682 بت شکنی اور تطہیر کعبہ
- 685 حضرت بلالؓ کی اذان
- 685 مکہ میں مختصر قیام
- 686 غزوہ حنین (شوال ۸ ہجری/ جنوری فروری ۶۳۰ء)
- 692 جنگ اوطاس و طائف
- 694 انصار کا احساس محرومی اور نبی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ ایجاز و بلاغت
- 695 حضرت ابراہیم کی ولادت (شوال ۸ ہجری/ فروری ۶۳۰ء)
- 696 سنہ ۹ ہجری
- 696 غزوہ تبوک، غزوہ بھیش العسرت، غزوہ فاحمہ (رجب ۹ ہجری/ نومبر ۶۳۰ء)
- 698 علی علیہ السلام کو مدینہ میں چھوڑنے کی وجہ
- 701 اصحاب عقبہ
- 703 ہذا طیبہ
- 704 راس المنافقین عبد اللہ بن ابی بن سلول کی موت
- 704 مسجد ضار کی تخریب کاری (۹ ہجری/ نومبر ۶۳۰ء)
- 707 خانہ کعبہ میں مشرکوں کے داخلے پر پابندی، ایک تاریخی اعلان
- 709 فتوح اسلامی کے بیرونی قبائل پر اثرات
- 709 حاتم طائی کے بچوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص اکرام
- 710 مسابله
- 715 آیت تطہیر اور حدیث کساء
- 718 اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم
- 719 مفہوم اہل بیت (علیہم السلام)، اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہؓ کی درخواست کی روشنی میں

- 728 اہل بیت علیہم السلام سے بغض رکھنا
- 729 سنہ ۱۰ ہجری
- 729 فتح یمن (رمضان المبارک سنہ ۱۰ ہجری)
- 732 حجۃ الوداع (ذیقعد ۱۰ ہجری)
- 736 حج تمتع کا حکم
- 737 غدیر خم (۱۸ ذی الحجہ ۱۰ ہجری)
- 737 علی علیہ السلام کی جانشینی کا اعلان اہل تشیع کی نظر میں
- 741 علی علیہ السلام کی جانشینی کا اعلان اہل سنت کی نظر میں
- 747 غدیر خم کے بعد بھی اہل بیت علیہم السلام کے بارے میں تاکید
- 748 سنہ ۱۱ ہجری
- 748 مدینہ کی طرف واپسی اور سریہ اسامہ بن زید حارثہ (۲۶ صفر ۱۱ ہجری)
- 750 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی علالت اور آخری ایام حیات
- 750 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متوجہ بہ جنت البقیع
- 750 حضرت علی علیہ السلام کو وصال سے متعلق وصیت
- 751 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ
- 752 واقعہ قصاص
- 755 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کے گھر میں
- 756 حدیث قرطاس
- 758 رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری خطبہ
- 758 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت برائے غسل، کفن و دفن
- 760 بیٹی اور بھائی سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو
- 762 لخت جگر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری راز و نیاز
- 764 ہزار بابا ابوابِ علم

- 766 سپردگی میراث
- 769 جبرائیل علیہ السلام کی عیادت
- 769 ملک الموت کا اجازت طلب کرنا
- 772 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت
- 774 سبب رحلت
- 774 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا غسل
- 776 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کفن
- 776 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ
- 777 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دفن
- 780 شب وصال رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل بیت علیہم السلام
- 782 مصحف حضرت فاطمہ علیہا السلام
- 783 اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ
- 784 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے ساتھیوں کے ساتھ حسن سلوک
- 785 گھر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل
- 786 گھر سے باہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل
- 787 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انداز گفتگو
- 789 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دخول و خروج اور شست عام
- 789 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محافل و مجالس
- 790 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت
- 792 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلم و درگزر
- 794 نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بچوں پر شفقت
- 797 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادات و اطوار
- 798 رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچ خاص عادات

- 798 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاموشی
- 799 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تبسم
- 800 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج
- 802 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طعام
- 803 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پسندیدہ مشروب
- 804 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لباس
- 804 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسلحہ وغیرہ
- 805 آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دیگر اشیائے مصرف
- 806 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر
- 806 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سرمایہ
- 808 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز اور روزہ
- 808 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حج اور عمرے
- 809 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبولیت دعا
- 811 مختصات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
- 818 معجزات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
- 843 اوصاف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دیگر آسمانی کتب میں
- 847 اللہ تعالیٰ کا تمام انبیاء کرام سے عہد لینا
- 848 حضور صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر
- 854 مآخذ



بَلَّغَ الْعُلَى بِكَمَالِهِ

(حیاتِ طیبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

حصہ دوم

مدنی زندگی

(سنہ ۸ ہجری تا ۸ ہجری)

سید حماد رضا بخاری

اسلام میں سنہ ہجری کا احسراء

دنیا میں عموماً اور عیسائی ممالک میں خصوصاً عیسوی کیلنڈر رائج ہے کیونکہ عیسائی مذہب کے پیروکار اپنی تاریخ کا آغاز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے کرتے ہیں۔ اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے، اس میں دیگر مذاہب سے زیادہ احسن طریقے سے انبیاء کرام پر ایمان رکھا جاتا ہے لیکن اس کے باوجود تاریخ اسلام کی ابتدا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے ہوتی ہے نہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم ولادت سے بلکہ اس کا آغاز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ سے مدینہ ہجرت سے ہوتا ہے۔ اسلام واحد مذہب ہے جس کی اساس ایسے اصولوں پر رکھی گئی ہے جو اب تک ہر دور کی انسانی ضرورتوں اور تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے کافی ہیں پس ایسے دینِ کامل کے ماننے والوں کے لیے اپنی تاریخ کا اجراء کسی اور مذہب یا قوم کے طریق سے کرنا مناسب نہیں تھا چنانچہ اپنے لیے ایک الگ نقطہ آغاز منتخب کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سنہ ایک عام الفیل میں ہوئی، تاریخ عرب میں عام الفیل کے حوالہ سے بھی واقعات و روایات ملتی ہیں لیکن عام الفیل کو ابتدائے تاریخ اسلام قرار نہیں دیا گیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے حوالے سے بھی اس سال کو آغازِ تاریخ اسلام نہیں کہا گیا کیونکہ اُس وقت ہر طرف شرک و بت پرستی کا راج تھا اور اسلام کا بظاہر نام و نشان ہی نہیں تھا۔

اس کے بعد دوسرا موقع بعثت کا تھا۔ لیکن بعثت کے وقت بھی صرف چند لوگ ایسے تھے جو اسلام کے نور سے منور تھے باقی تمام عالم کفر و الحاد کی ظلمتوں میں ٹھوکریں کھا رہا تھا۔ ہاں البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ سے مدینہ ہجرت وہ موقع تھا جب چشمِ فلک نے پہلی بار شمعِ رسالت کے گرد پروانوں کا ایک عظیم جھرمٹ دیکھا، مدینہ کے اُفق پر ماہِ رسالت طلوع ہوا تو مدینہ منور ہو کر مدینہ

منورہ بنا اور اُس کی فضائیں ”طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا“ اور ”مَرَّ حَبَا يَا خَيْرَ دَاع“ کی روح پروردِ صداؤں سے گونج اٹھیں، پس یہی وہ وقت تھا جسے تاریخ اسلام کی ابتدا قرار دیا جاسکتا تھا اور اسی کو نقطہ آغاز قرار دیا گیا۔

علماء اور مؤرخین کا بیان ہے کہ اس کا مشورہ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے دیا تھا۔^(۱) احمد ابن واضح البیعونی، تاریخ یعقوبی میں لکھتے ہیں کہ ہجرت کے سولہویں سال دوسرے خلیفہ حضرت عمرؓ نے تاریخ اسلام کا نقطہ آغاز ولادت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا یوم بعثت کو مقرر کرنا چاہا لیکن حضرت علی علیہ السلام نے منظور نہیں کیا اور فرمایا کہ اسلامی تاریخ کی ابتداء ہجرت سے ہونی چاہیے۔^(۲)

سنہ ایک ہجری

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قب میں تشریف آوری

(۸ ربیع الاول ۱ ہجری / ۲۳ ستمبر ۶۱۲ء)

رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہستی عالمین کے لئے ایک نعمت عظمیٰ ہے۔ دورِ جاہلیت میں گمراہی کے گڑھوں میں سسکتے ہوئے انسانوں اور نورِ حق کی تلاش میں سرگرداں لوگوں کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارکہ نجات اور روشنی کا وہ منبع تھی جس کی طرف وہ پروانوں کی طرح اُڑے چلے آ رہے تھے۔ جو بھی اہل دل آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بار مل لیتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گرویدہ ہو جاتا اور جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کے بارے میں دوسروں سے سُن لیتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کا مشتاق ہو جاتا۔ مدینہ کے عوام و خواص اکثر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مکہ مکرمہ حاضر ہوا کرتے تھے اور بڑی شدت سے عرض پرداز ہوتے تھے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس منتقل

^(۱) علامہ نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۲ء)، چودہ ستارے، بحوالہ غیاث اللغات

^(۲) ابن واضح البیعونی (متوفی ۲۹۲ء)، تاریخ یعقوبی، ج ۲ ص ۲۳۱

ہو جائیں۔ پس جب انہیں معلوم ہوا کہ اُن کی دُعا میں مستجاب ہونے جا رہی ہیں اور رسول اللہ ﷺ تشریف لا رہے ہیں تو اُن کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ وہ صبح سویرے شہر سے باہر نکلتے اور بیتابی سے آپ ﷺ کی راہ تکتے لیکن ہر ڈھلتا ہوا سورج اُمیدوں کی ضیا اپنے ساتھ لے جاتا اور وہ مایوس ہو کر گھروں کو لوٹ جاتے۔^(۱)

آخر کار ۱۲ ربیع الاول دوشنبہ (بروز پیر)^(۲) اُن کے لیے پیامِ نوید لے کر طلوع ہوا اور رسول اللہ ﷺ کی سواری مقامِ قبا پر پہنچی۔ کتاب ”مسلمانانِ عالم“ کے مصنف بیرسٹر کے اے حمید کی تحقیق کے مطابق وہ ۱۶ ستمبر ۶۶۲ء کا دن تھا^(۳) اور اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور کے سابق وائس چانسلر ڈاکٹر نصیر احمد ناصر کے مطابق وہ ۸ ربیع الاول ۱ ہجری / ۲۳ ستمبر ۶۶۲ء کا دن تھا۔^(۴)

مکہ سے مدینہ جاتے ہوئے قبا مدینہ منورہ سے تین میل پہلے آتا ہے۔ یہاں قبیلہ بنی عمرو بن عوف آباد تھا۔ قبیلہ کے مردوزن حتیٰ کہ بچے بھی حسبِ معمول حضور ﷺ کی راہ دیکھ رہے تھے۔ وہ صبح سویرے آئے تھے، اب دوپہر ڈھل رہی تھی، دن بھر دھوپ کی شدت میں کھڑے رہنے سے وہ نڈھال اور مایوس ہو کر واپس ہونا چاہتے تھے کہ ٹیلے پر کھڑے ایک یہودی نے چلا کر کہا، ”وہ آگئے ہیں جن کا تمہیں انتظار ہے۔“ نڈھال اور مایوس لوگوں کے لئے یہ جملہ پیامِ حیاتِ نو ثابت ہوا۔ اُن میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور وہ تکبیر کی صدا ایں بلند کرتے ہوئے دیوانہ وار آپ ﷺ کی طرف بھاگے۔^(۵) فرطِ شوق سے اُن کا جوش و خروش عروج پر تھا اور وہ شدتِ جذبات سے نعرے

^(۱) محمد ابن سعد (متوفی ۲۳۰ ہجری)، طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۱۵۷۔ علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام، ص ۱۲۹

^(۲) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت۔ ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)،

تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۴۹۔ علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام، ص ۱۲۹

^(۳) علامہ علی نقی نقوی۔ تاریخ اسلام، ص ۱۲۹

^(۴) ڈاکٹر نصیر احمد، کتاب: پیغمبرِ اعظم و آخر ﷺ ص ۷۸

^(۵) محمد ابن سعد (متوفی ۲۳۰ ہجری)، طبقات ابن سعد، ج ۱ ص ۱۵۸

لگاتے اور استقبالیہ اشعار گاتے ہوئے آپ ﷺ کی طرف بڑھ رہے تھے۔ آپ ﷺ کا ناقہ ٹھہر گیا۔ آپ ﷺ سواری سے نیچے تشریف لائے تو لوگ پروانہ وار قدم بوسی کے لیے ٹوٹ پڑے۔ ہر شخص چاہتا تھا کہ ملاقات کی سعادت سب سے پہلے اُسے نصیب ہو اور آپ ﷺ کی میزبانی کا شرف بھی اُسے حاصل ہو۔

”حیات القلوب“ میں شیخ طوسی کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے اسی قبیلہ عمرو بن عوف کے ہاں قیام فرمایا۔ دیگر روایات کے مطابق، ایک نابینا مرد صالح کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ کے گھر کو شرف بخشا اور سعد بن خثیمہ اسی کے ہاں بھی آپ ﷺ کے منتقل ہونے کی روایت ملتی ہے۔ دراصل کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ قبیلہ عمرو بن عوف کے سردار تھے اور آپ ﷺ نے انہیں کے گھر کو زینت بخشی تھی۔^①

سعد بن خثیمہ غیر شادی شدہ تھے، اُن کا گھر ”مردانہ“ تھا یعنی وہاں خواتین نہیں رہتی تھیں صرف مردوں کی آمد و رفت ہوا کرتی تھی اس لئے آنحضرت ﷺ نے لوگوں سے ملاقات کے لئے اُن کے گھر کو ترجیح دی۔ پس، آپ ﷺ کے وہاں تشریف لے جانے کی وجہ سے بعض لوگ یہ سمجھے کہ آپ ﷺ کا قیام سعد بن خثیمہ کے ہاں ہے۔^②

حضور ﷺ اپنے جاں نثار بھائی اور رفیق خاص، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی جگہ اپنے بستر پر سلا کر اور قریش کی امانتیں واپس کرنے کا فریضہ سوئپ کر مکہ میں ہی چھوڑ آئے تھے ورنہ ہجرت کے اس اہم اور نازک موقع پر یہ کبھی نہیں ہو سکتا تھا کہ علی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے ساتھ نہ ہوتے۔ آپ ﷺ اب علی رضی اللہ عنہ کی کمی شدت سے محسوس کر رہے تھے اور اُن کی رفاقت کے لیے بیقرار تھے، چنانچہ خط روانہ کیا کہ جلد از جلد میرے پاس آجائیں۔ یہ خط ابو واد لہنی لے کر گئے تھے۔ اُن کے ہمراہ حضور ﷺ کے آزاد کردہ غلام، حضرت ایمن رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ رسول اللہ ﷺ کا خط

① ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۵۶

② ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری، ج ۲ ص ۲۴۸۔ علامہ علی نقی، تاریخ اسلام، ص ۱۳۰

ملتے ہی حضرت علیؑ امانتوں کی ادائیگی سے سبکدوش ہوئے اور بنی ہاشم کی مستورات، جن میں آپ کی والدہ جناب فاطمہؑ بنت اسد، حضرت فاطمہ الزہراءؑ اور فاطمہ بنت زبیر بن عبدالمطلب بھی تھیں اور اُن لوگوں کو جو کسی سبب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں جاسکے تھے، ہمراہ لے کر چل پڑے۔ عورتیں اور بچے اُونٹوں پر سوار تھے جب کہ حضرت علیؑ خود پیادہ تھے۔ آپ قبائلیچہ تنگلاخ راستوں پر پیدل چلنے کی وجہ سے آپ کے پاؤں زخمی ہو گئے تھے اور اُن پر ورم آ گیا تھا۔ بقول ابن اثیر، ”علیؑ کے پیروں سے خون جاری تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر اُن کے پاؤں پر پڑی تو فطر محبت سے آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے پاؤں پر اپنا لعاب دہن لگایا جس سے وہ اچھے ہو گئے۔“^①

شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے تین دن کے فرق سے مکہ مکرمہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسرت و شادمانی میں اضافہ فرمایا۔ ”روضۃ الاحباب“ میں ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ مکہ مکرمہ سے پیادہ سفر کرتے ہوئے آئے تھے۔ پیدل چلنے کی وجہ سے اُن کے پاؤں میں چھالے پڑ گئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چھالوں پر دست مبارک پھیرا تو وہ اُسی وقت ٹھیک ہو گئے۔ یہ حقیقت اُس کیفیت کی مانند ہے جو روزِ خیبر پیش آئی تھی کہ علیؑ کی آنکھوں میں آشوب آ گیا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لعاب دہن لگانے سے وہ اُسی وقت ٹھیک ہو گئی تھیں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ



① عبدالحق محدث دہلوی، مدارج النبوت ج ۲ ص ۹۴ بحوالہ روضۃ الاحباب۔ علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء)،

حیات القلوب۔ مولانا سید ظفر حسن، جمیع الفضائل۔ آیت اللہ جعفر سبحانی، دی مسیج (The Message)

مسجدِ قبا

(۱ ہجری / ۶۲۲ء)

آنحضرت ﷺ نے قبا میں ایک مسجد کی بنیاد رکھی۔ یہ مسجد آج بھی موجود ہے، اس کا نام مسجدِ قبا ہے۔ یہ وہ پہلی مسجد ہے جو اسلام میں تعمیر کی گئی۔ اس کی تعمیر میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے پتھر اٹھائے اور صحابہ کرامؓ کے ساتھ مل کر ایک عام آدمی کی طرح کام کیا۔ سرورِ کائنات ﷺ کا اپنی قوم کے لوگوں کے ساتھ مل کر محنت کشوں کی طرح کام کرنا محنت کی عظمت کو اجاگر کرتا ہے، اخوت و بھائی چارے کا درس دیتا ہے اور قیادت کے صحیح دستور اور سلیقہ کی طرف راہنمائی بھی کرتا ہے۔ یعنی ایک کامل راہبر و راہنما وہی ہوتا ہے جو اپنے عمل سے راہنمائی کرے نہ کہ محض زبانی احکام جاری کرنے پر اکتفا کرے۔

یہ مسجد خالص تقویٰ کی بنیاد پر بنائی گئی تھی اور اس میں کسی قسم کی نمود و نمائش کا کوئی عمل دخل نہیں تھا۔ سیدنا امام علی علیہ السلام سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، ”الْمَسْجِدُ الَّذِي أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَىٰ أَوَّلُ يَوْمٍ هُوَ مَسْجِدُ قُبَاءٍ“، یعنی وہ مسجد جو پہلے ہی دن تقویٰ پر بنائی گئی مسجدِ قبا ہے۔^① چنانچہ ارشادِ اللہ رب العزت ہوتا ہے:

”لَمَسْجِدٍ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَىٰ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُومَ فِيهِ ۖ فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَهَّرِينَ“^②

(وہ مسجد جو پہلے دن ہی تقویٰ پر بنائی گئی ہے زیادہ مستحق ہے کہ آپ (ﷺ) اُس میں قیام فرمائیں۔ اُس میں ایسے لوگ ہیں جو صفائے باطن کو پسند کرتے ہیں اور اللہ پاک کی چاہنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔) اکثر مفسرین کے نزدیک مندرجہ بالا آیت کریمہ کا شانِ نزول یہی مسجدِ قبا ہے۔

① شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۹۷

② سورۃ توبہ، آیت ۱۰۸

منقول ہے کہ جس نے کامل وضو کیا اور مسجدِ قبا میں آکر نماز پڑھی اُس نے ایک عمرہ کا ثواب حاصل کر لیا۔^(۱) آپ ﷺ نے اس مسجد میں صحابہ کرامؓ کے ساتھ نماز ادا فرمائی اور اُسی روز مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ مسجدِ قبا کا فاصلہ مسجدِ نبوی سے تقریباً سو اچار کلومیٹر ہے۔

قبیلہ اوس اور خزرج میں دیرینہ دشمنی کا خاتمہ

(۱ ہجری/ ۶۲۲ء)

اُن دنوں مدینہ میں دو طاقتور قبیلے اوس اور خزرج آباد تھے۔ دونوں قبیلوں میں عرصہ دراز سے سخت دشمنی چلی آرہی تھی۔ دونوں ہی کے سرکردہ افراد مکہ مکرمہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے اور گزارش کیا کرتے تھے کہ حضور (ﷺ)! آپ (ﷺ) مدینہ تشریف لے آئیں اور ہمیں شرفِ غلامی عطا فرمائیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ہجرت فرمائی۔ قیامِ قبا کے دوران قبیلہ اوس کے لوگ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، آپ ﷺ اپنے ارد گرد بیٹھے لوگوں کو بغور دیکھتے اور اُن میں قبیلہ خزرج کا کوئی شخص نہ پا کر اُن کی کمی محسوس کرتے لیکن اس کا اظہار نہ فرماتے اور خاموش رہتے۔ آپ ﷺ کی خاموشی میں آپ ﷺ کی حکمت کے خدا جانے کتنے راز نہاں ہوں گے، ہماری عقل ناقص کی پرواز تو بس یہیں تک ہے کہ دونوں قبیلے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے، اُن میں سے ایک قبیلہ آپ ﷺ کا میزبان تھا، ایسے میں اپنے میزبان سے اُس کے دشمن کا ذکر نہ کر کے آپ ﷺ اُس کی دل شکنی سے اجتناب فرمانا چاہتے ہوں گے اور کسی مناسب وقت کے منتظر ہوں گے۔

پھر وہ مناسب وقت جلد ہی آگیا۔ ایک روز نمازِ عشاء کے بعد قبیلہ خزرج کے حضرت اسعد بن زرارہؓ چہرے پر نقاب ڈالے ہوئے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلام عرض کیا۔ بتو لے آپ ﷺ بہت خوش ہوئے اور تاخیر سے آنے کا سبب دریافت فرمایا۔ اُنہوں

^(۱) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۹۷

نے کہا کہ حضور (ﷺ)! بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مجھے قرب و جوار میں آپ (ﷺ) کے تشریف فرما ہونے کی خبر ملے اور میں آپ (ﷺ) کی خدمت میں حاضری نہ دوں؟ دراصل ہم میں اور ہمارے برادر قبیلہ اوس میں جو خشونت چل رہی ہے وہ آپ (ﷺ) کے علم میں ہے، میں نہیں چاہتا تھا کہ کوئی ناخوشگوار واقعہ رونما ہو اس لئے اُن کے ہاں آنے سے اجتناب کرتا تھا مگر اب مجھ میں صبر کی تاب نہ رہی اور میں آپ (ﷺ) کی زیارت کے لئے چلا آیا۔

رسول معظم ﷺ اوس و خزرج میں مصالحت و اخوت کے لئے شاید کسی ایسے ہی موقع کا انتظار فرما رہے تھے پس نوراً اوس کے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم میں سے کون ہے جو اسعد بن زرارہ کو پناہ دے؟ اوس کے تمام حاضرین پکار اُٹھے کہ حضور (ﷺ) کا پناہ دینا ہمارا پناہ دینا ہے۔ آپ (ﷺ) نے فرمایا، نہیں! تم میں سے کوئی ایک اس کی ذمہ داری قبول کرے۔ سعد بن خثیمہ اور عویم بن ساعدہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (ﷺ)! ہم انہیں پناہ دیتے ہیں۔^① چنانچہ دونوں اوسیوں نے ایک خزرجی بھائی کی حفاظت کی ذمہ داری قبول کر لی۔ حضرت اسعد بن زرارہ اب بلا خطر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر رہتے اور دوسرے اوسیوں کے ساتھ مل کر نماز ادا کرتے۔ کبھی کسی اوسی کو ہمت نہ ہوئی کہ اشارتاً یا کنایتاً بھی اُن کو کوئی تکلیف پہنچائے۔

اس روایت سے لگتا ہے کہ اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کی دیکھا دیکھی قبیلہ خزرج کے اور لوگ بھی آنے لگے ہوں گے اور قبیلہ اوس کے لوگوں نے حضور ﷺ کے حکم پر اُن کا بھی خیر مقدم کیا ہو گیا اور اس طرح دونوں قبیلوں کے مابین دیرینہ دشمنی اخوت اور بھائی چارے میں بدل گئی ہوگی کیونکہ اس کے بعد تاریخ میں دونوں قبیلوں کے درمیان خونریزی کا کوئی واقعہ نہیں ملتا۔



① علامہ علی نقوی، تاریخ اسلام ص ۱۳۳

پہلی نماز جمعہ

(۱۲ ربیع الاول سنہ ۱ ہجری)

روایت ہے کہ قبا سے مدینہ تشریف لاتے ہوئے رسول اللہ ﷺ قبیلہ بنو سالم سے گزرے تو انہوں نے بھی سب کی طرح آپ ﷺ کی خدمت میں قیام کی درخواست پیش کی مگر آپ ﷺ نے خاموشی اختیار فرمائی۔ وہ زوالِ آفتاب کا وقت تھا، آپ ﷺ کا ناقہ بنو سالم کی مسجد کے پاس بیٹھ گیا، علامہ طبری نے صراحتاً لکھا ہے کہ وہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے آنے سے قبل اس مسجد کی داغ بیل ڈال چکے تھے اور ناقے کا وہاں بیٹھنا قدرت کی طرف سے اشارہ تھا کہ نمازِ جمعہ آج یہیں ہوگی۔ چنانچہ حضور ﷺ نے ظہر کے وقت وہیں نماز ادا فرمائی۔^(۱)

علامہ طبری کا بیان اُن سے قدرے مختلف ہے، وہ کہتے ہیں وہاں پہلے سے مسجد موجود نہیں تھی بلکہ اس کے بعد تعمیر کی گئی۔^(۲)

کے اے حمید لکھتے ہیں کہ ۱۲ ربیع الاول سنہ ۱ ہجری کو رسول اللہ ﷺ نے ایک سو مسلمانوں کے ساتھ جمعہ کی نماز ادا فرمائی اور اس موقع پر جو خطبہ پڑھا، تاریخِ عالم میں وہ ایک نمایاں خصوصیت رکھتا ہے۔^(۳) مدارج النبوت میں ہے کہ آپ ﷺ جمعہ کے دن، طلوعِ آفتاب کے وقت ”بطنِ وادی“ سے گزر کر اس مقام پر تشریف لائے جہاں اب مسجدِ صغیر بنائی گئی ہے۔ وہاں آپ ﷺ نے نمازِ جمعہ پڑھائی اور طویل خطبہ دیا جو خوشخبری دینے والا، ڈرانے والا اور اہل ایمان کے دلوں کو نور سے لبریز کرنے والا تھا۔ نمازِ جمعہ کے بعد آپ ﷺ اپنی سواری پر سوار ہوئے اور مدینہ طیبہ کے اندر بستی کی جانب اطمینان و سکون کے ساتھ روانہ ہوئے اور قبائلِ انصار پیدل اور سوار، سب کے سب حضور ﷺ کی رکابِ کرامت مآب میں مجتمع ہو کر چل دیے۔ اُس وقت

(۱) علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۱۳

(۲) ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ ہجری)، تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۵۲

(۳) کے اے حمید، مسلمانانِ عالم ص ۷

بنی عمرو بن عوف کے لوگ جو اُس بستی کے رہنے والے تھے عذر خواہی کرتے ہوئے آئے اور عرض کرنے لگے کہ شاید دامنِ عزت و جلال سید المرسلین ﷺ کو اس جگہ قیام پذیر ہونے میں کوئی رنج و ملال لاحق ہوا ہے جس کی وجہ سے انتقال و ارتحال فرمایا جا رہا ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ مجھے ”اکالۃ القری“ کا حکم ہوا ہے۔ ”اکالۃ القری“ اور ”اکالۃ البلدان“ مدینہ منورہ کے ناموں میں سے ہیں۔^①

پہلی نماز جمعہ کا خطبہ

رسول اللہ ﷺ نے پہلی نماز جمعہ کے خطبہ میں فرمایا، ”تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں، میں اُس کی حمد کرتا ہوں، اُس سے مدد مانگتا ہوں، اُس سے بخشش کا طلبگار اور ہدایت کا خواہاں ہوں، اُس پر ایمان رکھتا ہوں اور اُس کی نافرمانی نہیں کرتا۔ میں دشمن ہوں اُس کا جو اللہ کی نافرمانی کرے اور گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، کوئی اُس کا شریک نہیں اور یہ محمد (ﷺ) اُس کا بندہ اور اُس کا رسول ہے جسے اُس نے نور و ہدایت اور وعظ و نصیحت کے ساتھ ایسے وقت پر بھیجا جب رسولوں کا سلسلہ موقوف تھا، علم کی کمی تھی، لوگ گمراہ ہو چکے تھے، قیامت قریب اور موت نزدیک تھی۔ جو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت کرے وہ راہِ راست پر ہے اور جو ان دونوں کی نافرمانی کرے وہ بہت گنہگار اور بھٹکا ہوا ہے۔ میں تمہیں اللہ کے غضب سے بچنے کی نصیحت کرتا ہوں کیونکہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان کو آخرت کی تیاری پر آمادہ کرنا اور اللہ سے ڈرنے کی ہدایت کرنا بہترین نصیحت ہے۔ پس اللہ سے ڈرو جس طرح اُس نے تمہیں اپنے غضب سے ڈرایا ہے، اس سے بڑھ کر کوئی نصیحت نہیں اور نہ ہی اس سے بہتر کوئی یاد رکھنے کی بات ہے۔ اپنے پروردگار سے ڈرنا اور پرہیزگاری کے ساتھ اُس کے احکام پر عمل کرنا آخرت کے لئے بہت مددگار ہے۔ جو اللہ کے ساتھ اپنے ظاہری اور باطنی روابط کو

① شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۴۹

درست رکھے اور سوائے رضائے الہی کے کوئی اور مقصد نہ رکھے اُس کے لئے دنیا میں نیک نامی اور آخرت میں نجات ہوگی۔ آخرت میں انسان اپنے اعمال کا محتاج ہوگا جن کے سوا اُس وقت کوئی اور ذرا راہ نہیں ہوگا اور انسان تمنا کرے گا کہ کاش اسے کچھ اور مہلت مل جاتی، مگر اُس وقت تو اُس کے نیک اعمال ہی اُس کے کام آئیں گے۔ اللہ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے اور وہ اپنے بندوں پر شفیق و مہربان ہے، اُس نے اپنی بات کو سچ کر دکھایا اور اپنے وعدے کو پورا کیا، اُس کے خلاف کچھ ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ وہ خود فرماتا ہے کہ میرے ہاں بات بدلتی نہیں اور میں بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہوں۔ پس اللہ سے ڈرتے رہو، دُنیا و آخرت میں اور ظاہر و باطن میں، اس لئے کہ جو اللہ سے ڈرتا ہے اُس کی غلطیوں سے وہ درگزر فرماتا ہے اور اُس کے اجر و ثواب میں اضافہ کرتا ہے۔ بے شک اللہ سے ڈرنے والے ہی کامیاب ہیں اور اللہ سے ڈرنا یقیناً اُس کی ناراضگی، اُس کے غضب اور اُس کی سزا سے امان دیتا ہے۔ اللہ سے ڈرا کرو کیونکہ خوفِ الہی چہروں کو پُر نور بناتا ہے اور درجات کو بلند کرتا ہے۔ اللہ کے بارے میں کوتاہی سے کام نہ لیا کرو، اُس نے تمہیں اپنی کتاب کا علم دے کر تمہارے لئے واضح راہیں متعین کر دی ہیں۔ وہ جانتا ہے کہ تم میں کون سچے اور کون جھوٹے ہیں۔ پس حُسن سلوک سے کام لیا کرو جس طرح کہ اللہ نے تمہارے ساتھ حُسن سلوک سے کام لیا ہے۔ اُس کے دشمنوں کو دشمن رکھو اور اُس کی راہ میں کوشش کرو جس طرح کوشش کرنے کا حق ہے۔ اُس نے تمہیں منتخب کیا اور تمہارا نام ”مسلم“ رکھا تا کہ ہلاک ہونے والا بھی روشن دلیل پر ہلاک ہو اور زندگی پانے والا بھی روشن دلیل پر زندگی پائے اور سب نیکیاں اللہ ہی کی مدد سے ہیں۔ لوگو! کوئی قوت نہیں سوائے اللہ کے سہارے کے، پس اللہ کو خوب یاد کیا کرو اور آئندہ زندگی کے لیے عمل کرو کیونکہ جو شخص اپنے اور اللہ کے درمیان معاملے کو درست کر لیتا ہے اللہ اُس کے اور دوسرے لوگوں کے درمیان معاملات کو خود ہی ٹھیک فرما دیتا ہے۔ اللہ لوگوں پر اپنا حکم نافذ کرنے والا ہے اُس پر کسی کا حکم نہیں چل سکتا، وہ لوگوں کا مالک ہے لوگ اُس

کے مالک نہیں۔ اللہ سب سے بڑا ہے، نہیں کوئی قوت مگر اللہ کے سہارے جو بزرگ ہے۔“^①

نماز جمعہ کا باتِ عمدہ آغاز

روایت ہے کہ انصار نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ یہودی بروزِ شنبہ (ہفتہ) اکٹھے ہوتے ہیں اور عیسائی بروزِ یکشنبہ (اتوار)، ہمارے لیے بھی ایسا کوئی دن مقرر ہونا چاہیے جس میں ہم عبادت کے لیے جمع ہوں اور خدا کا شکر ادا کریں۔ چنانچہ حضور ﷺ نے مسلمانوں کے لیے جمعہ کا دن مقرر فرمایا جسے اُس زمانے میں ”عروہ“ کہا جاتا تھا۔ اُس دن مسلمان حضرت سعد بن زرارہؓ کے ہاں جمع ہوتے، نماز پڑھتے اور وعظ و نصیحت کرتے۔ چونکہ اُس روز لوگ ”جمع“ ہوا کرتے تھے چنانچہ اُس دن کا نام ”جُمُعَة“ ہوا، آیت جمعہ اس کے بعد نازل ہوئی۔^②

مدینہ منورہ

مدینہ کے لوگ تین سال پہلے ایمان لا کر اپنی وفاداریاں حضور ﷺ کے نام کر چکے تھے۔ وہ بے چینی کے ساتھ آپ ﷺ کی تشریف آوری کے منتظر تھے پس جب انہیں معلوم ہوا کہ اُن کی دُعائیں رنگ لے آئی ہیں، جناب رحمۃ اللعالمین ﷺ اُن سے چند میل کے فاصلے پر ہیں اور بہت جلد اُن کے شہر کو منور فرمانے والے ہیں تو اُن کا جوش و خروش اور جِثا تک پہنچ گیا۔ سبھی پیرو جواں گھروں سے باہر نکل کر چشمِ براہ ہو گئے، بچے اور خواتین بے تابانہ چھتوں پر چڑھ کر آپ ﷺ کی راہ دیکھنے لگے۔ ہر آنکھ میں تمنا کے چراغ روشن تھے اور جوشِ انبساط سے ہر چہرہ گلنار تھا۔ پھر ماہِ رسالت طلوع ہوا اور اظہارِ مسرت و شادمانی پر کسی کو ضبط و اختیار نہ رہا، مدینہ کی فضائیں فلکِ شگاف نعروں اور روح پرور نعتیہ شعروں سے گونجنے لگیں:

① ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ ہجری)، تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۵۵۔ بخاری، باب الهجرة۔

قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، کتاب: رَحْمَةُ لِلْعَالَمِينَ ﷺ، ج ۱ ص ۱۱۵

② تفسیر مجمع البیان۔ علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء)، حیات القلوب، ج ۲ ص ۵۲۲

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا

ہم پر چودھویں رات کا چاند طلوع ہوا

مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ

کوہ وداع کی گھاٹیوں سے

وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا

ہم پر شکر واجب ہوا

مَا دَعَى لِلْوَدَاعِ

جب تک دُعا مانگنے والے دُعا مانگیں

أَيُّهَا الْمَبْعُوثُ فِيْنَا

اے ہم میں نبی بن کر مبعوث ہونے والے!

جِئْتَ بِالْأَمْرِ الْمَطَاعِ

تیرے حکم کی اطاعت ہم پر فرض ہے

جِئْتَ شَرَّفْتَ الْمَدِينَةَ

اے شہر کو شرافت و بزرگی بخشنے کے لئے تشریف لانے والے!

مَرَّ حَبَايَا خَيْرَ دَا عِ

اے بھلائی کی طرف بلانے والے! خوش آمدید^①

حضور ﷺ اپنے ناقہ پر سوار مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تو حضرت علی علیہ السلام بھی آپ ﷺ کے ہمراہ تھے۔ آپ ﷺ جس طرف سے گذرتے انصار و اہل ہانہ استقبال کرتے اور التجا کرتے کہ حضور (ﷺ)! ہمارے ہاں قیام فرمائیں۔ آپ ﷺ تمام لوگوں کے ہاں تو

① ذاکر نصیر احمد، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر ﷺ ص ۳۸۲۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج

النبوت، ج ۲ ص ۹۳۔ علامہ سید جعفر مرتضیٰ عالمی، الصحیح من سیرۃ النبی اعظم ﷺ، ج ۲ ص ۳۶۵

نہیں ٹھہر سکتے تھے اور کسی کو انکار کر کے اُس کی دل آزاری بھی نہیں کرنا چاہتے تھے اس لئے آپ ﷺ نے سب کو دعائے خیر سے نوازتے ہوئے اپنی سواری کی مہار چھوڑ دی اور فرمایا کہ میرے ناقہ کی راہ چھوڑ دو، یہ اللہ کی طرف سے مامور ہے وہ جس طرف چاہے گا یہ مجھے اُسی طرف لے جائے گا۔ اُنٹ اُس مقام پر بیٹھ گیا جہاں اب مسجد نبوی ہے۔ وہ جگہ اُس وقت قبیلہ خزرج کے دو یتیموں، اسہل اور سہیل کی ملکیت تھی جن کی کفالت حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کیا کرتے تھے۔ ناقہ اُٹھ کر پھر چل پڑا، کچھ دُور گیا، پیچھے مڑا اور حضرت ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر کے سامنے بیٹھ گیا۔ حضرت ابویوب رضی اللہ عنہ نے اور بروایت اُن کی والدہ نے لپک کر حضور ﷺ کا سامان اُٹھایا اور اپنے گھر لے گئیں۔ اہل سیر لکھتے ہیں کہ لوگ پھر آپ ﷺ کی خدمت میں درخواست گزار ہوئے، ہر ایک کی آرزو یہ تھی آپ ﷺ اُس کے گھر فروش ہوں چنانچہ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ میرا سامان کہاں ہے؟ کسی نے کہا کہ وہ تو ابویوب کی والدہ لے گئیں ہیں۔ فرمایا، ”کسی کو وہیں ہونا چاہیے جہاں اُس کا سامان ہو۔“ پس آنحضرت ﷺ ناقہ سے نیچے تشریف لائے اور حضرت ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر کو اپنے قیام سے متوجہ فرمایا۔^①

ابن شہر آشوب نے جناب سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کا ناقہ ابویوب رضی اللہ عنہ کے دروازہ پر ٹھہرا تو ابویوب رضی اللہ عنہ نے اپنی والدہ کو پکارا، کہا مادرِ گرامی! دروازہ کھولا کہ سید البشر، سب سے بلند مرتبہ رسول، جناب محمد مصطفیٰ ﷺ تشریف لائے ہیں۔ اُن کی ماں نابینا تھیں، دروازہ کھولا اور بولیں کہ اے کاش میری آنکھیں ہوتیں تو میں اپنے مولا کی زیارت کرتی۔ یہ سن کر حضور ﷺ نے اُن کے چہرے پر اپنا دست مبارک پھیرا تو وہ اُسی وقت بینا ہو گئیں۔^②

① محمد ابن سعد (متوفی ۲۳۰ ہجری)، طبقات ابن سعد، ج ۱ ص ۱۶۰۔ علامہ علی نقوی، تاریخ اسلام، ص ۱۳۰

② محمد ابن سعد (متوفی ۲۳۰ ہجری)، طبقات ابن سعد، ج ۱ ص ۱۶۰۔ علامہ علی نقوی، تاریخ اسلام، ص ۱۳۰

مسجد نبوی کی تعمیر

(ربیع الاول ۱ ہجری / اکتوبر ۶۲۲ء)

مدینہ منورہ میں مقیم ہوتے ہی رسول اللہ ﷺ نے اسہل اور سہیل کو بلایا اور وہ زمین خریدنے کی خواہش ظاہر کی جہاں آپ ﷺ کی آمد کے موقع پر ناقہ پہلی مرتبہ بیٹھا تھا۔ دونوں بھائی آمادہ ہو گئے چنانچہ آپ ﷺ نے وہ زمین خرید لی اور وہاں مسجد بنانے کا حکم دیا۔

بقولے آپ ﷺ نے حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ یہ زمین میرے لئے اس کے مالکوں سے خرید لو۔ انہوں نے اسہل اور سہیل سے بات چیت کرنے کے بعد کہا کہ وہ آپ ﷺ کی خدمت میں یہ زمین نذر کرنا چاہتے ہیں، قیمت کی ضرورت نہیں۔ آپ ﷺ نے بلا معاوضہ زمین لینے سے انکار کر دیا اور دس دینار اُس کے عوض ادا فرمائے۔^(۱) بروایت اُس زمین کی قیمت حضرت ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ نے ادا کی تھی۔^(۲)

ابوجعفر محمد بن جریر طبری کا بیان ہے کہ زمین کے مالک دونوں یتیم بھائی معاذ بن عفراء کے زیر سایہ پرورش پا رہے تھے اور وہ زمین معاذ بن عفراء ہی کے ذریعہ حاصل ہوئی۔ آگے چل کر وہ لکھتے ہیں کہ میرے نزدیک زیادہ صحیح روایت یہ ہے کہ وہ زمین بنی حجار کی تھی۔^(۳)

الختصر، یہاں مسجد نبوی کی بنیاد رکھی گئی۔ مسجد قبا کی طرح اس مسجد کی تعمیر میں بھی حضور ﷺ نے بنفس نفیس شرکت فرمائی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مل کر برابر کام کیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم عرض کرتے کہ یا رسول اللہ ﷺ! ہمارے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان، آپ ﷺ تکلیف نہ فرمائیں، اس کا رخیر کے لیے آپ ﷺ کے جاں نثار جو ہیں۔ لیکن حضور ﷺ اپنے جاں نثاروں کے

^(۱) ابوجعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، طبری ج ۲ ص ۲۵۶

^(۲) علامہ نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۲ء)، چودہ ستارے، ص ۶۴

^(۳) ابوجعفر محمد بن جریر طبری، تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۵۲۔ علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام، ص ۱۴۴

شانہ بشانہ محنت و مشقت کر کے، مل جل کر کام کرنے کا عملی درس دیتے رہے۔

علامہ طبری نے یہ کیفیت ذرا تفصیل سے لکھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر خانہ کعبہ کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ اس کے معمار اور مزدور حضرت ابراہیم خلیل اللہ (علیہ السلام) اور ان کے فرزند حضرت اسماعیل (علیہ السلام) تھے تو مسجد نبوی کا یہ شرف بے مثال ہے کہ اس کی تعمیر میں فخر خلیل افضل المرسلین حبیب رب العالمین یعنی حضرت محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دوسرے مسلمانوں کے ساتھ معمار اور مزدور دونوں کی حیثیت سے کام کیا اور شروع سے لے کر آخر تک تعمیر کی جتنی منازل تھیں سب میں بنفس نفیس شرکت فرمائی۔^①

علامہ طبری مزید لکھتے ہیں کہ قریب کی پہاڑی سے جو حرا کہلاتی تھی پتھر لائے جاتے تھے، کئی دن تک تمام مسلمان پتھر منتقل کرتے رہے۔ خود پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بھی دیکھا گیا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک بڑا پتھر اپنی پشت اقدس پر رکھے ہوئے لا رہے ہیں۔ حضرت اسید بن حضیر نے بڑھ کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! یہ پتھر مجھے دے دیں میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے اسے پہنچا دیتا ہوں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ میں تن آسانی پسند کروں اور کوئی دوسرا میری طرف سے مشقت اٹھائے۔

حافظ ابن جریر کی تصریح بھی ہے کہ اپنی مسجد کی تعمیر کا کام آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے خود کیا اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ساتھ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مہاجرین اور انصار اصحاب (رضی اللہ عنہم) نے دیا۔^②

اینٹیں اور پتھر اٹھانے سے مٹی کے نصیب جاگ اٹھتے اور وہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بدن اطہر سے لپٹ جاتی۔ روایت ہے کہ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) ایک ایک اینٹ لاتے تو حضرت عمار یا سر (رضی اللہ عنہ) دو دو اٹھا کر لاتے اور کہتے کہ ایک اینٹ میری طرف سے اور ایک حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جانب سے ہے، اس پر

① علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۱۴۵ بحوالہ طبری

② علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۱۴۵ بحوالہ طبری ج ۲ ص ۲۵۶

حضور ﷺ نے فرمایا کہ دوسروں کو ایک اجر ہے اور عمار کو دو گنا ہے۔ آپ ﷺ نے حضرت عمار یا سر ﷺ کو بشارت دی کہ آخری عمر میں تمہاری غذا دودھ ہوگی اور تمہیں باغی لوگ شہید کریں گے، تم اُن باغیوں کو جنت کی طرف بلاؤ گے اور وہ تمہیں دوزخ کی طرف ①

یہ مسجد کمال سادگی سے تیار کی گئی، اس کی دیواریں خام اینٹوں سے بنائی گئیں جو تین گز اونچی تھیں، نو فٹ پر کھجور کے پتوں سے چھت اور اس کے تنوں سے ستون بنائے گئے۔ ②

علامی طبری کے مطابق چاروں طرف پتھروں کے کئی ردے رکھنے کے بعد اینٹوں سے چنائی شروع ہوئی اور قد آدم تک دیوار بنائی گئی، عمارت کی وسعت سومربع ہاتھ تھی۔ شروع میں چھت نہیں بنائی گئی تھی۔ کچھ عرصہ بعد جب لوگوں نے دھوپ سے تکلیف محسوس کی اور سائے کے لئے استدعا کی تو حضور ﷺ نے مسجد کے اگلے حصے میں صحن سے متصل لکڑی کے ستون لگوا کر کھجور کی چھال سے ایک چھپر سا بنوا دیا۔ تھوڑے دنوں بعد جب لوگوں نے کہا کہ باقاعدہ چھت بنوادیتے تو آپ ﷺ نے انکار کر دیا اور یہ تاریخی جملہ ارشاد فرمایا، ”لا عریش کعریش موسیٰ“ (میں چاہتا ہوں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام والے چھپر کی طرح چھپر ہی رہے)۔ ③

مسجد کی لمبائی قبلہ سے شمال تک چوں گز اور مشرق سے مغرب تک ساٹھ گز تھی۔ فتح خیبر کے بعد اس کی تعمیر نو کی گئی اور لمبائی چوڑائی دونوں طرف سے سو گز کر دی گئی۔ ④

مسجد کے ایک کونے میں ایک مسقف چبوترہ ”صُفَّہ“ تیار کیا گیا جس نے کھلی اقامتی درسگاہ کا کام دینا تھا، اس درسگاہ کے ہمہ وقتی طالب علموں کو ”اصحابِ صُفَّہ“ کہتے ہیں۔ ⑤

① شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۰۰

② کے اے حمید، مسلمانانِ عالم ج ۱ ص ۶۹

③ علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ۱۴۶۱ بحوالہ اعلام الوری۔

④ شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۰۱

⑤ ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبرِ اعظم ﷺ و آخر ﷺ ص ۴۳۵

المواهب اللدنیة میں ہے کہ مسجد نبوی میں ایک جگہ سایہ دار تھی جہاں وہ صحابہ رہتے تھے جن کا کوئی گھر بار نہ تھا۔ اس جگہ کو ”صفہ“ اور وہاں رہنے والوں کو اصحابِ صفہ کہا جاتا تھا۔ حضور اکرم ﷺ رات کو انہیں اپنے پاس بلاتے اور ضیافت و خاطر داری کے لئے خوشحال و توکر اصحاب کے سپرد کرتے جنہیں ”اضیاف اللہ“ کہا جاتا تھا۔^①

مسجد نبوی کی تعمیر دراصل اُس وقت کی ایک اہم ترین ضرورت تھی۔ ایک نئے دین اور اُس کے ماننے والوں کے لئے ایک ایسے مرکزی مقام کی اشد ضرورت تھی جہاں پر وہ مکمل اطمینان سے بطریق احسن عبادت کر سکیں، دینی تعلیمات سے فیضیاب ہو سکیں، اپنے ذاتی، اجتماعی، سماجی، دینی اور سیاسی معاملات پر مشاورت کر سکیں اور راہنمائی حاصل کر سکیں۔ آنحضرت ﷺ کے نبی، ایک کامل انسان، علم کا شہر، معلم انسانیت، عظیم ترین دانشور اور نہایت مدبر راہنما تھے۔ آپ ﷺ کا ہر قول و فعل انسانیت کے لئے علم و حکمت کا خزانہ ہے۔ آپ ﷺ نے آغازِ بعثت سے ہی قوم کی تعلیم و تربیت کا سلسلہ شروع کر دیا تھا لیکن جو نبی مدینہ منورہ میں آزاد اور زرخیز ماحول میسر آیا تو اس عمل کو مستقل اور پائیدار بنیادوں پر قائم کرنے کی طرف متوجہ ہوئے۔ مسجد نبوی کا قیام اسی مقصد کا سنگِ بنیاد تھا۔ ایک چھوٹی سی نئی مملکت کے قائم ہوتے ہی مسجد بنانے کا حکم ایک ایسا شاندار فیصلہ تھا جس نے نومولود اسلامی ریاست کی تاریخ میں سنہرے باب رقم کر دیے اور جس کے ثمرات سے مسلم اُمہ آج تک فیضیاب ہو رہی ہے۔

روایت ہے کہ مسجد کی تعمیر کے بعد مسجد کے گرد کچھ مکانات تعمیر کیے گئے جو حضور ﷺ، اہلبیت اطہار علیہم السلام اور مہاجرین کے لیے تھے۔ سب گھروں کے دروازے مسجد کی طرف تھے، یہ دروازے مسجد کے صحن میں کھلتے تھے اس لئے لوگ اپنے گھروں سے نکل کر سیدھے مسجد میں آنے لگے۔ تب جبرائیل علیہ السلام فرمانِ الہی لے کر نازل ہوئے کہ جن لوگوں نے مسجد میں دروازے قائم

① شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۷۲

کیے ہیں اُن کو حکم دیجئے کہ وہ انہیں بند کر دیں، کسی کا دروازہ مسجد میں نہ ہو سوائے آپ (ﷺ) اور علی مرتضیٰ (علیہ السلام) کے کیونکہ علی (علیہ السلام) کے لیے وہ حلال ہے جو آپ (ﷺ) کے لئے حلال ہے۔ صحابہ کرام اس حکم پر کبیدہ خاطر ہو گئے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا دروازہ بھی مسجد میں کھلتا تھا، وہ بھی افسردہ ہوئے کہ میرے بھتیجے علی (علیہ السلام) کا دروازہ تو اپنی جگہ قائم ہے مگر میرا بند کیا جا رہا ہے۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا کہ چچا جان! آپ رنجیدہ نہ ہوں، میں نے یہ اپنی طرف سے نہیں کہا بلکہ یہ اللہ کا حکم ہے۔ یہ سن کر جناب حمزہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں خدا اور رسول خدا (ﷺ) کے لئے اس پر راضی ہوں۔ چنانچہ مسجد میں کھلنے والے تمام دروازے بند کر دیے گئے سوائے رسول اللہ ﷺ اور امیر المومنین حضرت علی (علیہ السلام) کے دروازوں کے۔^(۱)

نماز کی رکعتوں کا تعین

(۱۱ ہجری/۶۲۲ء)

نماز کی رکعتوں کا تعین ہجرت کے پہلے سال میں کیا گیا۔ قبل ازیں مغرب کے سوا سب نمازیں دو رکعتی تھیں یعنی جملہ گیارہ رکعتیں، پھر ملا کر سترہ رکعتیں کر دی گئیں اور ان کے اوقات بھی مقرر کیے گئے۔^(۲) صاحب مواہب اللدنیہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کو مدینہ منورہ میں رونق افروز ہوئے جب دو ماہ گزر گئے اور بعض روایتوں کے مطابق ایک سال گزرا تو اقامت کی نمازوں میں اضافہ کر دیا گیا۔ اس سے پہلے مغرب کی تین رکعت کے سوا تمام نمازیں دو رکعت تھیں پھر نماز ظہر، عصر اور عشاء میں دو رکعت کا اضافہ ہو گیا، نماز فجر کی دو رکعتیں بدستور برقرار رہیں اور نماز مغرب کو بھی اُسی طرح برقرار رکھا گیا۔^(۳)

^(۱) علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء)، حیات القلوب، ج ۲ ص ۵۲۲

^(۲) علامہ نجم الحسن کراروی، چودہ ستارے، ص ۶۴

^(۳) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، ص ۱۰۴

بخاری میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے، ”دو دو رکعت نماز فرض کی گئی پھر جب رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی تو دو اور چار رکعت فرض کی گئیں اور سفر کی نماز کو پہلے فریضہ پر برقرار رکھا گیا۔“ یہ حدیث نماز قصر کے وجوب میں احناف کی دلیل و حجت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ چار رکعت فرض تھی جسے بعد میں مسافر کے لئے دو رکعت کر دیا گیا۔ ایک اور حدیث مبارکہ ہے، ”بے شک اللہ نے اپنی نماز کو مسافر پر آدھی فرض فرمایا۔“ بعض علماء فرماتے ہیں کہ حضر میں نمازیں چار رکعت شروع ہوئیں اور سفر میں دو رکعتیں۔ اسے مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ غرضیکہ مذہب حنفی میں قصر کا وجوب ہے اور مذہب شافعی میں رخصت و اجازت ہے، اگر چار رکعت پڑھے تو عزمیت ہے اور احناف کے نزدیک رخصت کا اطلاق مجازاً ہے۔^①

مذہب امامیہ میں روزانہ کی واجب نمازوں کی رکعتیں اس طرح ہیں:

ظہر اور عصر ہر ایک چار رکعت، مغرب تین رکعت، عشاء چار رکعت اور ضروری ہے کہ اگر انسان سفر میں ہو (شرائط سفر کے ساتھ) تو چار رکعتی نمازیں دو رکعت پڑھے۔^②

علامہ طبری جو صرف مؤرخ ہی نہیں بلکہ اہل سنت میں ایک امام، فقیہ اور حافظ احادیث کی حیثیت بھی رکھتے ہیں، لکھتے ہیں کہ ابتدائے بعثت رسول ﷺ سے اب تک ہر نماز دو رکعت کی تھی، ہجرت کے ایک ماہ بعد ماہ ربیع الثانی میں اس نماز میں جو بحالت حضر ہو، ظہر و عصر اور عشاء میں دو رکعتوں کا اضافہ ہو گیا۔^③ چنانچہ یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ حالت حضر میں دو رکعت سے چار کر دی گئیں تو حالت سفر میں بھی بعض کے ہاں چار رکعت کیوں؟



① شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۹۳۲ء)، مدارج النبوت، ص ۱۰۵ بحوالہ بخاری و مسلم

② آیت اللہ سید علی حسینی سیستانی، توضیح المسائل

③ علامہ علی نقوی، تاریخ اسلام ص ۱۵۷ بحوالہ ابو جعفر محمد بن جریر طبری، تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۵۸

اذان و اقامت

(ربیع الاول ۱۴۲۲ھ / اکتوبر ۲۰۰۱ء)

مکہ میں مسلمان اقلیت میں تھے اور انہیں عبادت کی آزادی بھی میسر نہیں تھی، صرف چند مومنین تھے جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نمازِ جماعت میں شرکت کا شرف حاصل کرتے تھے۔ مدینہ منورہ میں شجر اسلام پر خوب بہار آچکی تھی، مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہو چکا تھا اور عبادت کے لئے مسجد بھی معرضِ وجود میں آچکی تھی۔ چنانچہ روزانہ کی نمازوں کے لئے لوگ مسجد آنے لگے تو ضرورت محسوس ہوئی کہ اوقاتِ نماز کے لئے کوئی طریقہء اعلان مقرر ہونا چاہیے کہ لوگ مسجد میں حاضر ہوں اور پھر جماعت شروع ہونے سے قبل بھی کوئی اعلان ہونا چاہیے تاکہ لوگ جماعت میں شامل ہوں، پس اُسی سال سنہ ایک ہجری میں اذان کی تشریح ہوئی^① اور بقولے اذان و اقامت دونوں کی شروعات ہوئی۔^②

روایاتِ اہل سنت میں اذان کی تشریح کے مختلف اسباب درج کئے گئے ہیں لیکن روایاتِ آئمہ اہل بیت علیہم السلام سے اُن کی نفی ہوتی ہے۔ پس مذہبِ امامیہ کے نزدیک اتنے اہم شرعی حکم کا سبب کسی کا کوئی خواب ہو سکتا ہے نہ مشورہ بلکہ اس کا تعلق حکمِ الہی سے ہے جیسا کہ علامہ سید محسن امین عالمی نے تحریر فرمایا ہے، ”طبقات ابن سعد اور سیرت هشام میں ہے کہ اذان اور اقامت کے قرار دیئے جانے کا سبب ایک خواب ہے جو بعض انصار نے دیکھا تھا۔ یہ غلط اور ناقابلِ توجہ ہے، اس لئے کہ احکام شرعی کو رسول اللہ ﷺ خوابوں کی بناء پر جاری نہیں فرماتے تھے۔ وہ تو وحی ہوتی تھی جو آپ ﷺ پر آتی تھی اور ”سیرت حلبیہ“ میں محمد ابن حنفیہ کی زبانی اس کا سخت انکار بھی درج کیا گیا ہے۔“^③ علامہ سید محسن امین عالمی کی تائید ڈاکٹر نصیر احمد ناصر سابق وائس چانسلر اسلامیہ

① علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء)، حیات القلوب، ج ۲ ص ۵۲۳

② علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۱۵۶

③ سید محسن امین عالمی (متوفی ۱۹۵۳ء)، اعیان الشیعہ، ج ۲ ص ۱۲۳

یونیورسٹی بہاولپور کے بیان سے بھی ہوتی ہے جو لکھتے ہیں، ”صحابہ کرامؓ نے اس سلسلے میں متعدد تجاویز پیش کیں مثلاً ناقوس، دف، منادی وغیرہ کے ذریعے لوگوں کو مطلع کیا جائے لیکن آپ ﷺ نے کسی تجویز کو پسند نہ فرمایا۔ آپ ﷺ یقیناً وحی کے منتظر ہوں گے اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو وحی کے ذریعے اذان کے مؤثر طریقے اور الفاظ سے مطلع کیا۔“^(۱)

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان کا حکم دیا اور اس طرح انہیں اسلام کا پہلا مؤذن بننے کا شرف حاصل ہوا اور اسی شرف کی بنا پر ان کو خلیفہ دوم حضرت عمرؓ کے دور تک یا ”سیدی“ کہہ کر مخاطب کیا جاتا تھا۔^(۲)

ہمدردوں کی وفات

(۱ ہجری/ ۶۲۲ء)

مدینہ منورہ میں سب سے پہلے جس ہمدرد کی وفات ہوئی وہ حضرت کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ تھے جنہوں نے قبائیں آنحضرت ﷺ کی میزبانی کا شرف کمال حاصل کیا تھا۔ اُن کے بعد آپ ﷺ کے لئے ہجرت کی راہیں ہموار کرنے والے اور اوس و خزرج کے درمیان دیرینہ دشمنی کے خاتمے کا سبب بننے والے حضرت ابوامامہ اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ بھی وفات پا گئے۔^(۳)

حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ لقباء انصار میں سے تھے، انہوں نے عقبہ اولیٰ اور عقبہ ثانیہ دونوں میں شرکت کی اور رسول اللہ ﷺ کے دستِ رحمت پر بیعت کی۔ وہ بنی ساعدہ کے سربراہ اور پہلے شخص تھے جنہوں نے مدینہ منورہ میں انصار کو جمع کرنے کی کوشش اور دین اسلام کی تائید و سعی کی۔ انہوں نے کوئی گھرا یا نہ چھوڑا تھا جہاں جا کر اسلام کی تبلیغ نہ کی ہو چنانچہ اُن کی کوششوں سے

^(۱) ذاکر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبرِ اعظم و آخر ﷺ ص ۴۳۸

^(۲) بخاری، باب بدأ الاذان ج ۱ ص ۱۵، محمد ابن سعد (متوفی ۲۳۰ ہجری)، طبقات ابن سعد، ج ۱ ص ۱۲۲

^(۳) ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، طبری ج ۲ ص ۲۵۶

بہت سے انصار ایمان لائے۔ اُن کی وفات سنہ اوّل ہجری کے ششماہی کی ابتداء میں تعمیر مسجد کے دوران ہوئی اور وہ بقیع الغرقہ میں مدفون ہوئے۔ حضرت عثمان بن مظعون ؓ کی وفات بھی اسی سال ہوئی تھی، مہاجرین کہتے ہیں بقیع میں سب سے پہلے یہ مدفون ہوئے۔^(۱)

اسی سال حضرت براء بن معرور ؓ نے بھی وفات پائی۔ یہ نقباء انصار میں سے خزر جی اور اسلمی تھے اور اُن پہلے مسلمانوں میں سے تھے جنہوں نے اپنی قوم کے کہنے پر عقبہ ثانیہ کی رات بیعت کی تھی۔ بروایت مدینہ میں وفات پانے والے پہلے شخص یہی تھے، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ میں تشریف لانے سے ایک ماہ پہلے وفات پائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت کے ساتھ ان کی قبر پر تشریف لے گئے، نماز پڑھی اور ان کے لئے دعا فرمائی۔^(۲)

بنونجار کے نئے فتائد

(۱۱ ہجری/۶۲۲ء)

مشہور مؤرخ طبری لکھتے ہیں کہ ابوامامہ اسعد بن زرارہؓ کی وفات کے بعد بنونجار ایک جماعت کی صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ابوامامہ اسعد بن زرارہ ہمارے نقیب (قائد/سربراہ) تھے، اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں سے کسی کو قائد منتخب فرما دیجئے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میرے نخیال ہوا طرح میں بھی تم میں سے ہوں پس تم مجھے ہی اپنا قائد سمجھ لو۔ بنونجار یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت پر فخر کرنے لگے۔^(۳)

^(۱) ابوجعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، طبری ج ۲ ص ۲۵۶

^(۲) ابوجعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، طبری ج ۲ ص ۲۵۶

^(۳) ابوجعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری ج ۲ ص ۱۵۰

مہاجرین کی آبادکاری

(۱ ہجری/ ۶۲۲ء)

جب کوئی ملک تقسیم ہوتا ہے یا کسی علاقے میں کوئی آفت آتی ہے تو وہاں کے باشندے عموماً کسی دوسرے ملک کی طرف ہجرت کر جاتے ہیں۔ مہاجرین خود تو بد حال ہوتے ہی ہیں جس ملک میں جا کر پناہ گزین ہوتے ہیں اُس کی معیشت پر بوجھ بن کر اُسے بھی تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کرتے ہیں، اس طرح مہاجرین کے ساتھ ساتھ پناہ دینے والا ملک بھی مشکلات کا شکار ہو جاتا ہے۔

مکہ کے مسلمان ہجرت کر کے بے سروسامانی کے عالم میں مدینہ پہنچے تو اُن کی آبادکاری بھی ایک سنگین مسئلہ تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اُس سنگین مسئلے کو اس خوش اسلوبی سے حل کیا کہ تاریخ عالم میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ آپ ﷺ کی بہترین حکمت عملی کی وجہ سے نہ صرف مہاجرین آباد ہوئے بلکہ مدینہ کی معیشت بھی مستحکم ہو گئی۔ تاریخ عالم کا یہ عظیم ترین منصوبہ صرف تین مضبوط ستونوں پر قائم تھا، مواخات، زراعت اور تجارت۔

مواخات

(۱ ہجری/ ۶۲۲ء)

حضور ﷺ نے سنہ اول ہجری میں مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخات یعنی بھائی چارے کا تعلق قائم فرمایا۔ خود غرضی اور عصبیت کے اُس دور میں جب انسان کی ہر سوچ کا محور اُس کی اپنی ذات ہوا کرتی تھی اور اپنی خواہشات اور ضروریات کو پورا کرنے کے لیے وہ دوسروں کے حقوق کو غصب کرنے میں بھی کوئی عار محسوس نہیں کرتا تھا، حضور ﷺ نے مواخات کے ذریعے تاریخ انسانی کا ایک درخشندہ باب رقم کیا۔ آپ ﷺ کی تعلیمات نے معاشرے کی سوچ کو یکسر بدل کر رکھ دیا اور وہ لوگ جو کبھی دوسروں کا مال و زر اور عزت و آبرو چھیننے کے لیے خون بہانے سے بھی

دریغ نہیں کرتے تھے، دائرہ اسلام میں داخل ہونے اور پھر رشتہ مواخات سے منسلک ہونے کے بعد اپنا مال و زرخوشی اپنے بھائی کے ساتھ تقسیم کرنے پر تیار ہو گئے۔

آپ ﷺ نے ہر مہاجر اور انصار کے درمیان مواخات قائم فرمائی چنانچہ یہ رشتہ قائم ہونے کے بعد ہر انصاری اپنے مہاجر بھائی کو اپنے گھر لے گیا اور اپنی منقولہ و غیر منقولہ جائداد کا نصف اُس کی ملکیت میں دے دیا اور دونوں سگے بھائیوں کی طرح مل جل کر رہنے لگے۔

بعض روایات میں ملتا ہے کہ انصار اپنی دودو بیویوں میں سے ایک کو طلاق دے کر اپنے مہاجر بھائی کی زوجیت میں دینے پر بھی تیار ہو گئے۔ صحیح بخاری میں مروی ہے کہ مہاجرین جب مدینہ آئے تو رسول اللہ ﷺ نے عبدالرحمن بن عوف اور سعد بن ربیع کے درمیان بھائی چارہ کرادیا۔ سعد نے عبدالرحمن سے کہا کہ میں انصار میں سب سے زیادہ مالدار ہوں، میرا آدھا مال تم لے لو اور میری دو بیویاں ہیں، اُن میں سے ایک کو میں طلاق دے دیتا ہوں، عدت مکمل ہونے کے بعد تم اُس سے شادی کر لینا، لیکن اُنہوں نے انکار کر دیا۔^①

روایت ہے کہ مواخات کا واقعہ ہجرت کے پانچ یا آٹھ ماہ کے بعد پیش آیا اور آنحضرت ﷺ نے پچاس مہاجرین اور انصار میں باہمی مواخات قائم فرمائی۔ حضرت سلمانؓ کو حضرت ابوذرؓ کا بھائی بنایا، حضرت ابوذرؓ کو منذر بن عمیرؓ کا، حضرت عمار یاسرؓ کو حضرت حذیفہ یمانیؓ کا، حضرت مصعب بن عمیرؓ کو حضرت ابوالیوب انصاریؓ کا، حضرت زبیر بن عوامؓ کو حضرت سلامہ بن ویشؓ کا، حضرت ابو عبیدہ جراحؓ کو حضرت سعد بن معاذؓ کا، حضرت عثمانؓ کو حضرت اوس بن ثابتؓ کا، حضرت عمرؓ کو حضرت عتبہ بن مالکؓ کا اور حضرت ابوبکرؓ کو حضرت خارجه بن زیدؓ کا۔ آپ ﷺ نے حضرت علی علیہ السلام اور اپنے لیے کسی انصاری کو منتخب نہیں فرمایا۔^②

① مولانا شبلی نعمانی (متوفی ۹۱۴ھ)، سیرت النبی ﷺ، ج ۱ ص ۱۷۰۔ بخاری ج ۳ حدیث ۱۵۶

② علامہ علی نقوی، تاریخ اسلام، ص ۱۵۰

اس سے پہلے آپ ﷺ مکہ میں بھی ایسا کر چکے تھے۔ بحوالہ تاریخ خمیس اور ریاض النصرہ، مکہ میں حضرت ابو بکرؓ کو حضرت عمرؓ کا، طلحہ کو زبیر کا، حضرت عثمانؓ کو عبدالرحمنؓ کا، حضرت حمزہؓ کو ابن حارثہ کا اور حضرت علیؓ کو خود اپنا بھائی بنایا تھا۔ علامہ شبلی کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اتحاد مذاق، طبیعت اور فطرت کے لحاظ سے ایک دوسرے کو باہم بھائی بنایا تھا، مذاق نبوت کا اتحاد فطرت امامت ہی سے ہو سکتا تھا اسی لیے آنحضرت ﷺ نے ہر مرتبہ اپنا بھائی حضرت علیؓ کو منتخب فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ حضرت علیؓ سے فرمایا کرتے تھے، ”أَنْتَ آخِي فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ“ یعنی تم دنیا اور آخرت (دونوں) میں میرے بھائی ہو۔^①

مدارج النبوت میں روضۃ الاحباب کے حوالہ سے شیخ ابن حجر سے روایت ہے کہ جب عقد مواخات باندھا گیا تو حضرت علیؓ المرثی علیہ السلام نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے صحابہ کے درمیان تو برادری کا رشتہ باندھ دیا اور مجھے تنہا چھوڑ دیا؟ میرا بھائی کون ہے؟ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ تمہارا بھائی میں ہوں اور فرمایا، ”أَنْتَ آخِي فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ“ یعنی تم دنیا اور آخرت (دونوں) میں میرے بھائی ہو۔^②

امیر المومنین علیؓ علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے مہاجرین و انصار کے درمیان بھائی چارہ قرار دیا تو لوگ نسب اور رشتہ کے سبب سے نہیں بلکہ اپنے ایمانی بھائیوں کے رشتے کی وجہ سے ترکہ پاتے تھے لیکن جب اسلام کو تقویت ملی تو خدا نے آیت میراث نازل فرمائی اور وہ حکم منسوخ ہو گیا۔^③



① علامہ نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۲ء)، چودہ ستارے، ص ۶۳ بحوالہ علامہ شبلی، تاریخ خمیس و ریاض النصرہ

② شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۰۳

③ علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء)، حیات القلوب، ج ۲ باب ۲۸ ص ۵۲۳

زراعت و تجارت

مدینہ ایک زرخیز اور سرسبز و شاداب علاقہ تھا، یہاں کی زمینیں سونا اُگاتی تھیں اس لئے لوگوں کا ذریعہ معاش زراعت تھا مگر سادہ لوح کا شتکار تجارتی باریکیوں اور ہوشیار یوں سے قطعی نابلد تھے۔ تجارت پر یہودی کی اجارہ داری تھی۔ چالاک یہودی نے انہیں قرض اور سود در سود کے جال میں بری طرح جکڑ رکھا تھا۔ وہ انہیں نہایت کم قیمت پر فصل اپنے ہاتھ فروخت کرنے کا پابند بنا لیتا اور پھر وہی اناج ضرورت پڑنے پر مہنگے داموں اُنہی کو فروخت کرتا۔ یہود کا یہ جال مکڑی کے جالے کی طرح تھا جس میں اہل مدینہ بری طرح پھنسے ہوئے تھے اور نجات کی کوئی صورت نظر نہیں آرہی تھی۔ دوسری طرف مکہ ایک بے آب و گیاہ علاقہ تھا، وہاں زراعت کا کوئی تصور نہیں تھا، وہاں کے لوگ تجارت پیشہ تھے، خرید و فروخت کے لیے ہر طرح کے لوگوں سے ملتے تھے اور تجارتی قافلوں کی صورت میں دنیا بھر میں گھومتے تھے اس لئے تجارت کی باریکیوں سے بخوبی واقف تھے اور اس کا گہرا تجربہ رکھتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نہایت زیرک و دانا اور دور اندیش انسان تھے۔ ایک طرف انصار کی یہود کے ہاتھوں بے بسی اور مہاجرین کی بے کسی و بد حالی سے آگاہ تھے تو دوسری طرف ان دونوں کی پیشہ وارانہ صلاحیتوں سے بھی بخوبی واقف تھے، پس عقد مواخات کے ذریعہ ایسی حکمت عملی اختیار کی کہ دونوں جماعتوں کے اشتراک سے دونوں کے معاشی حالات میں بھی استحکام پیدا ہو گیا اور مہاجرین کی آباد کاری کا ایک پیچیدہ مسئلہ بھی نہایت خوش اسلوبی سے حل ہو گیا۔ انصار نے اپنے مہاجر بھائیوں کے ساتھ اپنے وسائل بانٹے تو مہاجرین نے اپنے انصار محسنوں کے مسائل بانٹ لئے۔ انہوں نے انصار کے ساتھ مل کر اپنی تجارتی صلاحیتوں کا اس خوبی کے ساتھ استعمال کیا کہ انصار کی خون پسینے سے پیدا کی ہوئی فصل یہود کے ہاتھوں کوڑیوں کے داموں بکنے سے محفوظ ہو گئی۔ عرب میں ایک نیا نظام تجارت رائج ہو گیا جو اسلام کے سنہری اصولوں پر قائم تھا، ہر طرح کی چور بازاری، دھوکہ دہی، ملاوٹ اور سود خوری سے پاک۔ جلد ہی اس کا چرچا عرب کے طول و عرض میں ہونے لگا اور لوگوں کے دلوں میں اسلام کی حقانیت اور انفرادیت کے نقوش اجاگر ہونے لگے۔

مِثاقِ مدینہ

(دنیا کا پہلا تحریری دستور)

(۱۱ھ / ۶۲۲ء)

مکہ میں تحریک اسلام ایک نوخیز بیج کی طرح زیر زمین پنپ رہی تھی جسے صرف مکہ کے قبیلہ قریش سے خطرہ لاحق تھا۔ مدینہ کی زمین زرخیز تھی جہاں یہ بیج پھوٹ کر ایک صحت مند پودے کی طرح کھلی آب و ہوا میں لہرانے لگا اور اس کی شاخیں اس تیزی سے پھلنے پھولنے لگیں کہ دیکھتے ہی دیکھتے یہ ایک تناور درخت بن گیا۔ اب شجر اسلام کو چاروں طرف سے اٹھنے والی خوفناک آندھیوں اور طوفانوں سے خطرہ درپیش تھا۔ پہلا خطرہ مکہ کے قبیلہ قریش اور ان کے ساتھیوں سے بدستور تھا، دوسرا خطرہ یثرب کے بت پرست و مشرک قبائل سے تھا جو قریش کی طرح اسلام کے سخت مخالف تھے۔ تیسرا خطرہ یہود اور گرد و نواح کی ان غیر مسلم ریاستوں سے تھا جو اسلام کو اپنے لئے خطرہ سمجھ کر مستقبل قریب میں اس کی دشمن ہو سکتی تھیں۔ چوتھا خطرہ ان منافقین سے تھا جو بظاہر اسلام قبول کر چکے تھے لیکن ان کے دل کفر و باطل کی کثافتوں سے ابھی تک سیاہ تھے۔ سیاسی و عسکری نقطہ نگاہ سے دیکھا جائے تو یہ تمام خطرات ایک نومولود ریاست کو جسے ابھی تک کہیں تسلیم بھی نہیں کیا گیا تھا، ختم کرنے کے لئے کافی تھے۔ چنانچہ رسول خدا ﷺ نے یہود اور دیگر یثربی قبائل کے ساتھ ایک تاریخ ساز معاہدے کے ذریعے نہ صرف ان خطرات کا سدباب کیا بلکہ تحریک اسلام کے لئے شاندار کامیابی کی راہیں بھی ہموار کر لیں۔ اس طرح تقریباً تمام حریف قوتیں مغلوب ہو گئیں اور اسلام اور اہل اسلام کو ایک یقینی تحفظ حاصل ہو گیا۔ اس معاہدے کے ساتھ ہی ایک باقاعدہ اسلامی مملکت بھی وجود میں آگئی جس کے سربراہ آنحضرت ﷺ تھے۔

یہ معاہدہ جسے میثاق مدینہ کہا جاتا ہے، رسول اکرم ﷺ کی دوراندیشی، سیاسی حکمت عملی، عسکری بصیرت اور بے مثال تدبیر و دانائی کا ایسا زندہ و جاوید ثبوت ہے جس کے سامنے ماضی و حال کی تمام سیاسی و عسکری قوتیں سر تسلیم خم ہیں۔ یہ بے مثال آئین اُن لوگوں کو بھی دعوتِ فکر دیتا ہے جو آپ ﷺ کی نبوت کے قائل نہیں یا آپ ﷺ کو ایک ناخواندہ مردِ صحرائی سمجھتے ہیں۔ کیا کوئی غیر تعلیم یافتہ پردیسی مہاجر جہالت اور جاہلیت کے اُس دور میں ایسا معاہدہ کر سکتا تھا جس کے ذریعے ایک نئی ریاست قائم ہو جاتی اور جسے ارد گرد کے تمام اہم قبائل تسلیم بھی کر لیتے اور جسکی وجہ سے اُس نئی مملکت کی شان و شوکت اور قوت و صولت کے پرچم تمام عالم پر لہرانے لگتے؟ یہ سوال اُن لوگوں کے لئے بھی یقیناً اہم اور دلچسپ ہوگا جو سیرتِ طیبہ کو جدید نظریات، سائنسی توجیہات اور تاریخی محرکات کی روشنی میں دیکھنے کے شوقین ہیں۔

میثاق مدینہ پہلا بین الاقوامی تحریری معاہدہ ہے۔ بعض مورخین میگنا کارٹا (Megna Carta) کو پہلا بین الاقوامی معاہدہ قرار دیتے ہیں حالانکہ میثاق مدینہ ۶۲۲ء میں ہوا جبکہ میگنا کارٹا ۶۰۰ سالوں بعد ۱۲۱۵ء میں انگلستان کے شاہ جان اول کے زمانے میں ہوا۔^①

آج ترقی یافتہ ممالک کے دساتیر میں امریکہ کے دستور کو مختصر ترین اور مثالی دستور قرار دیا جاتا ہے جو کہ سات ہزار الفاظ پر مبنی ہے جبکہ آج سے چودہ سو سال قبل رسول معظم ﷺ کا دیا گیا یہ دستور یعنی میثاق مدینہ صرف سات سو تیس الفاظ پر مشتمل ہے اور امریکہ کے اس دستور سے کہیں زیادہ جامع، موثر اور مکمل ہے۔ اگر جدید دستوری و آئینی قواعد و ضوابط اور معیارات کی روشنی میں میثاق مدینہ کا تجزیہ کیا جائے تو اس میں وہ تمام خصوصیات نظر آتی ہیں جو ایک مثالی آئین میں ہونی چاہئیں۔

① وکی پیڈیا انسائیکلو پیڈیا اُردو

① میثاقِ مدینہ کا متن

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔

(۱) یہ اللہ کے نبی اور رسول محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے دستوری تحریر (دستاویز) ہے۔

(۲) یہ معاہدہ اہل ایمان مسلمانانِ قریش اور اہل یثرب اور ان لوگوں کے درمیان ہے جو ان کے تابع ہوں اور ان کے ساتھ شامل ہوں اور ان کے ہمراہ جنگ میں حصہ لیں۔ (یہ سب گروہ، ریاست مدینہ کے آئینی طبقات تصور کئے جائیں گے)۔

(۳) تمام (دنیا کے دیگر) لوگوں کے مقابلے میں ان کی ایک الگ سیاسی وحدت (قومیت) ہوگی۔

(۴) قریش کے مہاجرین اپنے دستور کے مطابق اپنا خوں بہا ادا کیا کریں گے اور اپنے اسیروں کو خود فد یہ دے کر چھڑائیں گے اور مومنوں کا باہمی برتاؤ نیکی اور انصاف پر مبنی ہوگا۔

(۵) اور بنی عوف اپنے دستور کے مطابق حسب سابق اپنا خوں بہا ادا کیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے قیدیوں کو خود فد یہ دے کر چھڑائے گا اور مومنین کا آپس میں برتاؤ نیکی اور انصاف پر مبنی ہوگا۔

(۶) اور بنو حارث بن خزرج اپنے دستور کے مطابق حسب سابق اپنا خوں بہا ادا کیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے ہاں کے اسیروں کو خود فد یہ دے کر چھڑائے گا اور مومنوں کا باہمی برتاؤ بھلائی اور

① ڈاکٹر محمد طاہر القادری، میثاقِ مدینہ بحوالہ ابن خلدون (متوفی ۱۴۰۶ء)، تارخ ابن خلدون

ابن ہشام (متوفی ۸۳۳ء)، سیرۃ ابن ہشام

محمد حمید اللہ، عہد نبوی کا نظام حکمرانی ج ۱

انصاف پر مبنی ہوگا۔

(۷) اور بنو ساعدہ اپنے دستور کے مطابق حسب سابق اپنا خوں بہا باہم مل کر دیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے قیدیوں کو خود فدیہ دے کر چھڑائے گا اور ایمان والوں کا باہمی برتاؤ نیکی اور عدل پر مبنی ہوگا۔

(۸) اور بنو جشم اپنے محلے پر (ذمہ دار) ہوں گے اور حسب سابق اپنا خوں بہا باہم مل کر دیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے ہاں کے قیدی کو خود فدیہ دے کر چھڑائے گا اور ایمان والوں کا آپس میں برتاؤ اچھائی اور انصاف پر مبنی ہوگا۔

(۹) اور بنو نجار اپنے محلے پر (ذمہ دار) ہوں گے اور حسب سابق اپنے خوں بہا باہم مل کر دیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے ہاں کے قیدی کو خود فدیہ دے کر چھڑائے گا اور مومنوں کا باہمی برتاؤ نیکی اور انصاف پر مبنی ہوگا۔

(۱۰) اور بنو عمرو بن عوف اپنے محلے پر (ذمہ دار) ہوں گے اور حسب سابق اپنے خوں بہا باہم مل کر دیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے ہاں کے قیدی کو خود فدیہ دے کر چھڑائے گا اور اہل ایمان کا باہمی برتاؤ نیکی اور انصاف پر مبنی ہوگا۔

(۱۱) اور بنو نبیت اپنے محلے پر (ذمہ دار) ہوں گے اور حسب دستور اپنے خوں بہا باہم مل کر دیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے ہاں کے اسیروں کو خود فدیہ دے کر چھڑائے گا اور مومنین کا آپس میں برتاؤ نیکی اور انصاف پر مبنی ہوگا۔

(۱۲) اور بنو اوس اپنے محلے پر (ذمہ دار) ہوں گے اور اپنے دستور کے مطابق اپنے خوں بہا باہم مل کر ادا کریں گے اور ہر گروہ اپنے قیدیوں کو خود فدیہ دے کر چھڑائے گا اور مومنین کا باہمی برتاؤ عدل و انصاف اور بھلائی پر مبنی ہوگا۔

(۱۳) ہر گروہ اپنے اسیروں کا زرفدیہ ادا کر کے انہیں رہائی دلائے گا اور اس ضمن میں مسلمانوں

کے درمیان قانون و انصاف کے بلا امتیاز اطلاق کو یقینی بنائے گا۔

(۱۴) اور ایمان والے قرض کے بوجھ سے دبے ہوئے کسی شخص کی مدد کئے بغیر نہیں رہیں گے تاکہ اُس کا زرفدیہ یا دیہت بخوبی ادا ہو سکے۔

(۱۵) اور کوئی مومن کسی دوسرے مومن کے عہد شریک سے اس کی مرضی کے بغیر معاہدہ نہیں کرے گا۔

(۱۶) اور متقی مومنین کے ہاتھ اُن میں سے ہر اس شخص کے خلاف اُٹھیں گے جو سرکشی کرے یا استحصال بالجبر کرنا چاہے یا گناہ یا تعدی کا ارتکاب کرے یا پُر امن شہریوں (مومنوں) میں فساد پھیلانا چاہے اور ایسے شخص کے خلاف سب مل کر اُٹھیں گے خواہ وہ اُن میں سے کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔

(۱۷) اور کوئی مومن کسی مومن کو کسی کافر کے بدلے قتل نہیں کرے گا اور نہ کسی مومن کے خلاف کسی کافر کی مدد کرے گا۔

(۱۸) اور اللہ کا ذمہ ایک ہی ہے۔ ان (مسلمانوں) کا کوئی ادنیٰ ترین فرد بھی کسی شخص کو پناہ دے کر سب پر پابندی عائد کر سکے گا۔

(۱۹) اور مومن بقیہ لوگوں کے مقابلے میں آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

(۲۰) اور یہودیوں میں سے جو ہماری اتباع کرے گا اُسے مدد اور مساوات حاصل ہوگی جب تک وہ اہل ایمان پر ظلم کا مرتکب نہ ہو یا اُن کے خلاف (کسی مخالف کی) مدد نہ کرے۔

(۲۱) اور مومنوں کی صلح ایک ہی ہوگی۔ اللہ کی راہ میں لڑائی کے دوران کوئی مومن کسی دوسرے مومن کو چھوڑ کر (دشمن سے) صلح نہیں کرے گا جب تک کہ (یہ صلح) اُن سب کیلئے برابر نہ ہو۔

(۲۲) اور ان تمام گروہوں کو جو ہمارے ہمراہ (دشمن سے) جنگ کریں باری باری رخصت دی جائے گی۔

(۲۳) اور مومنین راہ خدا میں اپنی ہونے والی خونریزی کا دشمن سے مل کر انتقام لیں گے۔

(۲۴) اور بلاشبہ ایمان اور تقویٰ والے سب سے اچھے اور سیدھے راستے پر ہیں۔

(۲۵) اور (مدینہ کی غیر مسلم رعیت میں سے) کوئی مشرک قریش کی جان و مال کو نہ پناہ دے گا اور نہ ہی اُن کی خاطر کسی مومن کے آڑے آئے گا۔

(۲۶) اور جو شخص کسی مومن کو عداوت کرے تو قتل ثابت ہونے پر اُس سے قصاص لیا جائے گا۔ بجز اس کے کہ مقتول کا ولی خوں بہا پر راضی ہو جائے۔ اور تمام مومنین اس (قصاص) کی تعمیل کیلئے (متحد ہو کر) اُٹھیں گے اور اس کے سوا کوئی اور چیز اُن پر جائز نہ ہوگی۔

(۲۷) اور کسی ایسے مومن کیلئے جو اس دستور العمل (صحیفہ) کے مندرجات (کی تعمیل) کا اقرار کر چکا ہو اور خدا اور یوم آخرت پر ایمان لا چکا ہو یہ بات جائز نہ ہوگی کہ کسی قاتل کو مدد یا پناہ دے اور جو اسے مدد یا پناہ دے گا تو قیامت کے دن اس پر خدا کی لعنت اور غضب نازل ہوگا اور اس سے کوئی رقم یا معاوضہ قبول نہیں کیا جائے گا۔

(۲۸) اور جب کبھی تم میں کسی چیز پر اختلاف ہو تو اُسے اللہ اور محمد ﷺ کی طرف لوٹایا جائے گا (کیونکہ آخری اور حتمی حکم (فیصلہ کرنے والا) اللہ اور اس کے رسول محمد ﷺ ہی ہیں)۔

(۲۹) یہودی جب تک مومنین کے ساتھ مل کر جنگ کریں گے اپنے جنگی مصارف خود برداشت کریں گے۔

(۳۰) اور بنی عوف کے یہودی، مومنین کے ساتھ ایک سیاسی وحدت تسلیم کئے جاتے ہیں۔ یہودیوں کیلئے اُن کا دین ہے اور مسلمانوں کیلئے اپنا دین ہے خواہ اُن کے موالی ہوں یا وہ بذات خود ہوں، ہاں جو ظلم یا عہد شکنی کا ارتکاب کرے تو اُس کی ذات یا گھرانے کے سوا کوئی دوسرا مصیبت میں مبتلا نہیں کیا جائے گا۔

(۳۱) اور بنی نجار کے یہودیوں کو بھی بنی عوف کے یہودیوں کے برابر حقوق حاصل ہوں گے۔
 (۳۲) اور بنی حارث کے یہودیوں کو بھی بنی عوف کے یہودیوں کے برابر حقوق حاصل ہوں گے۔
 (۳۳) اور بنی ساعدہ کے یہودیوں کو بھی بنی عوف کے یہودیوں کے برابر حقوق حاصل ہوں گے۔
 (۳۴) اور بنی جشم کے یہودیوں کو بھی بنی عوف کے یہودیوں کے برابر حقوق حاصل ہوں گے۔
 (۳۵) اور بنی اوس کے یہودیوں کو بھی بنی عوف کے یہودیوں کے برابر حقوق حاصل ہوں گے۔
 (۳۶) اور بنی ثعلبہ کے یہودیوں کو بھی بنی عوف کے یہودیوں کے برابر حقوق حاصل ہوں گے مگر جو ظلم یا عہد شکنی کا ارتکاب کرے تو خود اس کی ذات یا گھرانے کے سوا اور کوئی مصیبت میں نہیں پڑے گا۔

(۳۷) اور (قبیلہ) جفنه کو بھی، جو (قبیلہ) ثعلبہ کی ایک شاخ ہے، وہی حقوق حاصل ہوں گے جو (قبیلہ) ثعلبہ کو حاصل ہیں۔

(۳۸) اور بنی شطیبہ کو بھی بنی عوف کے یہودیوں کے برابر حقوق حاصل ہوں گے، اور (اس دستور سے) وفا شعار ہو نہ کہ عہد شکنی۔

(۳۹) اور ثعلبہ کے موالی کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اصل کو (حاصل ہوں گے)۔

(۴۰) اور یہودیوں کی ذیلی شاخوں کو بھی اصل کے برابر حقوق حاصل ہوں گے۔

(۴۱) اور یہ کہ ان میں سے کوئی بھی محمد ﷺ کی اجازت کے بغیر (کارروائی کے لئے) نہیں نکلے گا۔

(۴۲) اور کسی مار پیٹ، زخم کا بدلہ لینے میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں جائے گی۔

(۴۳) جو خونریزی کرے تو وہ خود اور اُس کا گھرانہ ذمہ دار ہوگا۔ جزا اس کے اُس پر ظلم ہوا ہو اور خدا اُس کے ساتھ ہے جو اس (دستور العمل) کی زیادہ سے زیادہ وفا شعارانہ تعمیل کرے۔

(۴۴) اور یہودیوں پر اُن کے مصارف کا بار ہوگا اور مسلمانوں پر اُن کے مصارف کا۔
 (۴۵) اور جو کوئی اس دستور والوں سے جنگ کرے تو یہ (یہودی اور مسلمان) اُس کے خلاف متحد ہو کر لڑیں گے۔

(۴۶) اور ان میں (مسلمانوں اور یہودیوں میں) باہم مشاورت، بہی خواہی اور وفا شعارى ہوگی نہ کہ عہد شکنی۔

(۴۷) کوئی جماعت اپنے کسی حلیف کی وجہ سے اس معاہدہ کی خلاف ورزی نہیں کرے گی اور ہر حال میں مظلوم کی دادرسی کی جائے گی۔

(۴۸) اور یہودی اُس وقت تک مومنین کے ساتھ (جنگی) اخراجات برداشت کرتے رہیں گے جب تک وہ مل کر جنگ کرتے رہیں گے۔

(۴۹) اور یثرب کا خوف (پہاڑوں میں گھرا ہوا ایک خاص میدان) اس دستور والوں کے لئے حرم (دارالامن) ہوگا (یعنی وہاں آپس میں جنگ کرنا منع ہوگا)۔

(۵۰) پناہ گزین سے وہی برتاؤ ہوگا جو اصل (پناہ دہندہ) کے ساتھ، اُس کو کوئی نقصان نہیں پہنچا یا جائے گا اور نہ خود عہد شکنی ہی کرے گا۔

(۵۱) اور کسی عورت کو اُس کے خاندان (اہل خانہ) کی رضامندی سے ہی پناہ دی جائے گی۔

(۵۲) اور یہ کہ اس دستور والوں میں جو بھی قتل یا جھگڑا ہو، جس سے فساد کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں خدا اور خدا کے رسول محمد ﷺ سے رجوع کیا جائے گا اور خدا اُس شخص کے ساتھ ہے جو اس دستور کے مندرجات کی وفاداری سے تعمیل کرے۔

(۵۳) اور قریش اور اُن کے مددگاروں کو پناہ نہیں دی جائے گی۔

(۵۴) کسی بیرونی حملہ کی صورت میں ریاست مدینہ کا دفاع امداد باہمی کے تحت ان (یہودیوں اور مسلمانوں) کی مشترکہ ذمہ داری ہوگی۔

(۵۵) اور اگر ان (یہودیوں) کو کسی صلح میں مدعو کیا جائے تو وہ بھی صلح کریں گے اور اُس میں شریک رہیں گے اور اگر وہ کسی ایسے معاملے کے لئے بلائیں تو مومنین کا بھی فرض ہوگا کہ ان کے ساتھ ایسا ہی کریں۔

(۵۶) اسی طرح مسلمانوں پر لازم ہے کہ اگر انہیں کسی امن معاہدہ میں شرکت کی دعوت دی جائے تو وہ اُس کی مکمل پابندی کریں بجز اس کے کہ دین کے معاملے میں کوئی جنگ کرے۔

(۵۷) ہر گروہ کے حصے میں اُسی رخ کی (مدافعت) آئے گی جو اُس کے بالمقابل ہو۔

(۵۸) اور اوس کے یہودیوں کو چاہے وہ موالی ہوں یا اصل وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اس دستور والوں کو حاصل ہیں اور وہ بھی اس دستور والوں کے ساتھ خالص وفا شعاری کا برتاؤ کریں گے۔

(۵۹) اور وفا شعاری ہوگی نہ کہ عہد شکنی۔ جو جیسا کرے گا ویسا ہی خود بھرے گا۔

(۶۰) اور خدا اُس کے ساتھ ہے جو اس دستور کی خوب صداقت اور وفا شعاری کے ساتھ تعمیل کرے۔

(۶۱) اور یہ دستوری دستاویز کسی ظالم یا عہد شکن کو تحفظ فراہم نہیں کرے گی۔

(۶۲) اور جنگ پر جانے والا بھی امن کا مستحق ہوگا اور مدینے میں بیٹھ رہنے والا بھی امن کا مستحق ہوگا، سوائے ظالم اور قانون شکنی کرنے والے کے۔

(۶۳) اور جو اس دستور کے ساتھ وفا شعار رہے اور نیک و امن پر کار بند رہے، اللہ اور اُس کے رسول محمد ﷺ اُس کے محافظ و نگہبان ہیں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ



میثاقِ مدینہ غیر مسلم دانشوروں کی نظر میں

غیر مسلم دانشوروں نے جب بھی اسلام یا تاجدارِ اسلام جناب رسولِ خدا ﷺ سے متعلق کچھ لکھا تو اسلام دشمنی اور کم ظرفی کا مظاہرہ کیا اور جہاں تک ہو سکا حقائق سے روگردانی کرتے ہوئے تاریخ کو اپنے نظریے سے پیش کیا۔ لیکن سچ تو سچ ہوتا ہے، لاکھ چھپاتے ہوئے بھی عیاں ہو ہی جاتا ہے۔ چنانچہ اُن کی تحریروں میں حق اور سچائی کی یہ جھلک بھی کہیں نہ کہیں دیکھی جاسکتی ہے۔ غیر مسلم مفکرین کی مندرجہ ذیل تحریریں اُن کے نقطہ نظر سے آگاہی کے لئے دی جا رہی ہیں اور یہ ضروری نہیں کہ ہمیں اُن کی رائے سے مکمل اتفاق ہو۔

ریناڈ الیٹن نکولسن

(Reynold Alleyne Nicholson, 1868–1945)

ریناڈ الیٹن نکولسن ایک برطانوی محقق، فلاسفر، مترجم، مدرس، مصنف اور مؤرخ تھے۔ تاریخِ اسلام پر ان کی دو کتابیں اے لٹری ہسٹری آف دی عربز (A Literary History of The Arabs) اور دی مسکس آف اسلام (The Mystics of Islam) بہت مشہور ہیں۔ زیرِ نظر اقتباس کتاب ”اے لٹری ہسٹری آف دی عربز“ سے لیا گیا ہے۔

”کوئی شخص بھی اس دستاویز (میثاقِ مدینہ) کا مطالعہ آپ (ﷺ) کی سیاسی بصیرت سے متاثر ہوئے بغیر نہیں کر سکتا۔ یہ دستاویز بدیہی طور پر ایک محتاط اور مبنی بر بصیرت اصلاح تھی، حقیقتاً یہ ایک انقلاب تھا۔ حضرت محمد (ﷺ) نے ظاہراً تو قبیلوں کی آزادی کو متاثر نہیں کیا تھا مگر حقیقت میں آپ (ﷺ) نے طاقت کے محور کو قبیلے سے قوم کی طرف منتقل کر کے اُس کے اثر کو ختم کر دیا۔ اگرچہ قوم میں یہود، کفار اور مسلمان شامل تھے جیسا کہ دستور میں تسلیم کیا گیا، مگر آپ

(ﷺ) کے مخالفین اس حقیقت کا ادراک نہ کر سکے کہ مسلمان فعال اور متحرک تھے اور بہت جلد نو تشکیل شدہ ریاست کے نمایاں اور غالب حکومتی حصہ دار بننے والے تھے۔^①

جولیس ویل ہاؤسن

(Julius Wellhausen, 1844-1918)

جولیس ویل ہاؤسن جرمنی کے نامور پروفیسر اور مفکر تھے۔ اپنی کتاب دی عرب کنٹنڈم اینڈ اس فال (The Arab Kingdom and Its Fall) میں رقم طراز ہیں:

”مدینہ کی آبادی دو حریف قبیلوں، اوس اور خزرج میں تقسیم ہو چکی تھی۔ قتل عام روزمرہ کا معمول تھا۔ کوئی شخص بھی خطرہ مول لئے بغیر اپنے گھر سے باہر نہ نکل سکتا تھا۔ وہاں افراتفری کا ایسا بازار گرم تھا کہ زندہ رہنا محال ہو گیا تھا۔ اب یہاں کسی ایسے مسیحی کی ضرورت تھی جو اس لاقانونیت کا خاتمہ کرتا۔ لیکن (ضرورت اس امر کی تھی کہ) وہ شخص غیر جانبدار ہوتا اور کسی مقامی حریفانہ آویزش میں شامل نہ ہوتا۔ ایسے حالات میں مکہ سے پیغمبر خدا (ﷺ) کی تشریف آوری ہوئی گویا آپ (ﷺ) کو خدا نے ہی (مدینہ) بھیجا تھا۔ خون کا رشتہ جو باہمی تعلقات کی بنیاد کے طور پر ناکام ہو چکا تھا، آپ (ﷺ) نے عقیدے کو اس کی جگہ رکھا۔ آپ (ﷺ) اپنے ساتھ مومنین کی ایک جماعت بھی لائے اور آپ (ﷺ) نے رفتہ رفتہ مدینہ میں ایک دولت مشترکہ کی بنیاد رکھ دی جس کی اساس اُمتہ اللہ یعنی اللہ کا گروہ تھا۔ آپ (ﷺ) نے جو امور سرانجام دینے تھے اُن میں پہلا کام نفاذِ قانون اور قیامِ امن تھا، چونکہ (مدینہ میں) حکمران کوئی نہیں تھا چنانچہ آپ (ﷺ) نے قیادت سنبھال لی، قوت اپنے ہاتھوں میں لے لی اور اپنی پوزیشن کو ایسے اقدامات

① ریٹارڈ ایلین ٹولسن (متوفی ۱۹۳۵ء)، اے لٹری ہسٹری آف دی عربز،

(A Literary History of The Arabs)، طبع کیمبرج یونیورسٹی پریس، ۱۹۵۳ء

سے مضبوط کر لیا جو اُن حالات میں متوقع تھے۔ حضرت محمد (ﷺ) نے اُن معاملات کو نبھانے میں بے مثال بصیرت و حکمت کا مظاہرہ کیا۔

ایسے حالات میں مذہب کی طاقت ایک سیاسی قوت بن گئی جس سے ایک معاشرہ اور اس سے بھی بڑھ کر ایک ایسی مقتدر قوت سامنے آئی جس کی اطاعت کی جاتی تھی، ریاست کا حاکم اعلیٰ ذات الہی کو قرار دیا گیا۔ جو کچھ ہمارے ہاں ایک بادشاہ کے نام پر ہوتا ہے، اللہ کے نام پر (یعنی اللہ کی حاکمیت اعلیٰ کے تحت) کیا جانے لگا۔ حکمرانی کا اختیار و اقتدار، اللہ کے اقتدار کے حوالے سے متعارف کروایا گیا، یہ تصور اب تک عربوں کے لئے اجنبی تھا۔ یہ عقیدہ اس طرح متعارف کروایا گیا کہ کوئی دنیاوی طاقت یا انسان حکمرانی کا (مطلقاً) حق نہیں رکھتا بلکہ یہ حق صرف ذات الہی کے لئے ہے جو انسانوں سے بالاتر ہستی ہے اور جس کا اقرار اہل ایمان دل سے کرتے ہیں۔ مذہب کی ریاست کا مطلب، ملکی یعنی زمینی بادشاہت کی نفی ہے۔ (انسان کے لیے) حکمران ہونے کے حق کا یہ مطلب نہیں کہ اسے اس حکمرانی سے لطف اندوز ہونے کا حق بھی حاصل ہے کیونکہ حکمرانی کا اور سلطنت کا (اصلاً) تعلق تو خدا سے ہے، لیکن اُس کا رسول اُس کے احکامات وصول کرنے والا اور اُس کی مرضی کے مطابق عمل کرنے والا ہے۔ پیغمبر (ﷺ) نہ صرف سچائی کا راستہ دکھانے والے ہیں بلکہ زمین پر واحد مجاز حکمران بھی ہیں۔ آپ (ﷺ) کے سوا نہ تو کوئی حکمران ہے اور نہ کوئی پیغمبر ہی ہے۔ رسول اللہ (ﷺ) دنیا میں اللہ کی حکمرانی کے نمائندہ ہیں۔ تعلیم و عقیدہ میں اللہ اور اُس کا پیغمبر (ﷺ) باہم متعلق ہیں تھیو کریسی ایک ایسی دولت مشترکہ ہے جس کا سربراہ نہ کوئی بادشاہ ہے نہ ہی کوئی جبری یا ورثاتی طاقت اور جہاں کا قانون خدا کا قانون ہے۔^①

① جولیوس ویل ہاسن (متوفی ۱۹۱۸ء)، دی عرب کنکٹڈ اینڈ اٹس فال،

(The Arab Kingdom and Its Fall)، یونیورسٹی آف کلکتہ، ۱۹۲۷ء

سر تھامس واکر آرنلڈ

(Sir Thomas Walker Arnold, 1864-1930)

سر تھامس واکر آرنلڈ ایک برطانوی مؤرخ تھے۔ ایم اے او کالج لاہور، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ کالج اور گورنمنٹ کالج یونیورسٹی لاہور میں بھی پڑھاتے رہے۔ پاکستان کے قومی شاعر علامہ محمد اقبال اور مشہور مؤرخ سید سلمان ندوی کے اُستاد تھے۔ مولانا شبلی نعمانی اور سید احمد خان کے قریبی دوست بھی تھے۔ سید احمد خان کے اصرار پر مشہور زمانہ کتاب ”دی پریچنگ آف اسلام“ (The Preaching of Islam) لکھی۔ زیر نظر اقتباس اُسی سے لیا گیا ہے۔

”ہجرت کے بعد آپ (ﷺ) کی پوزیشن کو سمجھنے کے لئے اس دور کے عرب یا کم از کم جزیرہ نمائے عرب کے اُس حصے (مدینہ منورہ) کے حالات کو سامنے رکھنا ضروری ہے۔ وہاں اُس وقت کسی قسم کا کوئی انتظامی یا عدالتی نظام رائج نہیں تھا جیسا کہ آج کل حکومت کے تصور کے ساتھ ہمارے ذہنوں میں آتا ہے، ہر قبیلہ کا ایک الگ آزادانہ وجود تھا اور اُس قبیلہ یا گروہ کی آزادی اُسی کے افراد تک محدود تھی۔ یعنی اُن کا ہر شخص اپنے سردار کے اختیار کو محض اس لئے مانتا تھا کہ وہ قبیلہ بھر کی مشترکہ رائے کا مظہر ہوتا تھا لیکن اس کے باوجود وہ اس معاملے میں آزاد تھا کہ وہ اپنے قبیلہ کے افراد کی اجتماعی رائے سے بھی اختلاف کرے۔ مزید یہ کہ قبیلہ کے سردار کا باقاعدہ کوئی اختیاراتی نظام بھی نہیں تھا۔

(دراں حالات) ہم سمجھ سکتے ہیں کہ حضرت محمد (ﷺ) نے مدینہ کے مختلف النوع افراد سے بطور سربراہ اپنے آپ کو اور اپنے اختیار کو کیسے منوالیا تھا اور لوگوں نے یہ سب کچھ بغیر کسی احساسِ عدم تحفظ یا کسی حکومتی جبر و دباؤ کے کیا تھا۔ حضرت محمد (ﷺ) نے اس طرح اپنے لوگوں پر دنیاوی اختیار حاصل کیا جس طرح دوسرے آزاد سرداروں کو اپنے قبائل پر حاصل تھا مگر یہاں ایک واضح فرق موجود تھا کہ یہاں تعلق باہمی رشتہ خون پر مبنی نہیں تھا بلکہ مذہب پر تھا۔^①

① سر تھامس واکر آرنلڈ (متوفی ۱۹۳۰ء)، دی پریچنگ آف اسلام (The Preaching of Islam)

لیفٹیننٹ جنرل سرجان بیگٹ گلب پاشا

(Lt.Gen. Sir John Bagot Glubb Pasha, 897-1986)

لیفٹیننٹ جنرل سرجان بیگٹ گلب پاشا ایک برطانوی سپاہی، مفکر، مؤرخ اور کئی کتابوں کے مصنف تھے۔ پہلی عالمی جنگ میں فرانس میں خدمات انجام دیں پھر عراق اور دیگر عرب ممالک میں بھی تعینات رہے۔ اپنی کتاب دی لائف اینڈ ٹائمز آف محمد (ﷺ)

(The Life and Times of Mohammad, p.b.u.h.) میں لکھتے ہیں:

”حضرت محمد (ﷺ) کے یہودیوں کے ساتھ اُس معاہدہ کے مشمولات سے جو آپ (ﷺ) نے مدینہ تشریف لانے کے فوراً بعد کیا، یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ (ﷺ) نے سیاسی، انتظامی اور عدالتی معاملات کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا تھا۔ ایک پروان چڑھتے ہوئے (مسلم) معاشرے کے انتظامی سربراہ کے طور پر، جس کو بقا و تحفظ کی فراہمی ضروری تھی اور یہ ارتقاء لازمی تھا۔ تاہم اس سے آپ (ﷺ) کی زندگی میں ایک نمایاں تبدیلی آگئی۔ صبر کرنے والے، اپنے مشن کے ساتھ مخلص اور ایذا نہیں سہنے والے پیغمبر (ﷺ) یکدم ایک سیاستدان اور حکمران کے طور پر سامنے آئے۔ یہ ایک بہت بڑی تبدیلی تھی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ آپ (ﷺ) نے بہت پہلے اس حقیقت کو محسوس کر لیا ہو کہ آگے چل کر آپ (ﷺ) کا مشن سیاست کے مرحلے میں بھی داخل ہو جائے گا۔^①

روبن لیوی

(Reuben Levy, 1891-1966)

روبن لیوی کیمبرج یونیورسٹی میں فارسی کے پروفیسر تھے۔ آکسفورڈ یونیورسٹی میں بھی فارسی

^① لیفٹیننٹ جنرل سرجان بیگٹ گلب پاشا (متوفی ۱۹۸۶ء)، دی لائف اینڈ ٹائمز آف محمد (ﷺ)

(The Life and Times of Mohammad, p.b.u.h.) طبع نیو یارک، ۱۹۷۱ء

پڑھاتے رہے۔ فارسی ادب اور اسلامی تاریخ پر کئی کتب لکھیں۔ پہلی جنگ عظیم میں پکتان تھے، ۱۹۱۸ء سے ۱۹۲۰ء تک عراقی پولیٹیکل سروس (Political Service) میں کام کیا، دوسری جنگ عظیم میں سکوارڈن لیڈر بھی رہے۔

وہ اپنی کتاب دی سوشل سٹرکچر آف اسلام (The Social Structure of Islam) میں لکھتے ہیں: ”بادی النظر میں (مدینہ کے) آئین سے ایسی تبدیلی کم ہی وقوع میں آئی ہوگی جو مسلمانوں کی زندگیوں پر اثر انداز ہوتی مگر جیسا کہ خود اس دستاویز سے ظاہر ہے کہ ایک بہت بڑی تبدیلی آچکی تھی اور وہ یہ کہ اب اس ریاست کے افراد کے معاملات کو چلانے کا اختیار سرداروں یا اجتماعی رائے عامہ کے پاس نہیں بلکہ اللہ اور اُس کے رسول حضرت محمد (ﷺ) کے پاس تھا۔ اس طرح اس دستور نے عربوں کو ایک انوکھا تصور یعنی (دنیا سے) بالا حکمران سے متعارف کروایا۔ جو لوگ ریاست اسلامی کے اراکین تھے وہ اپنی گزشتہ آزادی اور حکمران منتخب کرنے کا اختیار ترک کر کے الوہی حاکمیت اعلیٰ کے سامنے سرنگوں تھے۔ اس طرح انہوں نے ایک تھیو کریسی یعنی خدائی مملکت قائم کی، ایک ایسی مملکت جس میں سیاسی قوت اللہ اور اُس کے پیغمبر (ﷺ) کے پاس تھی، اُس ریاست میں مذہب اور سیاست کی کوئی تفریق نہیں تھی یعنی اُمت کے لئے مذہب اور سیاست اس طرح یکجان تھے کہ دونوں کے مقاصد ایک ہی تھے۔ اس طرح رسول خدا (ﷺ) نے الوہی احکام سے اپنی سیاسی قوت حاصل کی۔“^①

جوزف ہیل (Joseph Hell)

جوزف ہیل، اپنی مشہور کتاب دی عرب سویلائزیشن (The Arab Civilization) طبع ڈبلیو ہیفیر اینڈ سنز، کیمبرج (W. Heffer & Sons, Cambridge) سنہ ۱۹۲۶ء میں

^① روبن لیوی (متوفی ۱۹۶۶ء)، دی سوشل سٹرکچر آف اسلام (The Social Structure of Islam)

طبع کیمبرج یونیورسٹی پریس، ۱۹۵۹ء

لکھتے ہیں، ”ریاست مدینہ چلانے کے لئے نافذ کئے جانے والے آئین سے آنحضرت ﷺ کی عدیم المثل سیاسی بصیرت سامنے آتی ہے اور اس کی اہمیت بہت زیادہ دور رس نتائج کی حامل ہے جس کے لئے ہمیں اس کی نمایاں اور اہم شقوں سے متعارف ہونا ہوگا..... الخ۔ اس آئین کا متن اس بات کو واضح کرتا ہے کہ اس کے ذریعے ایک اسلامی ریاست کی بنیاد رکھ دی گئی۔“^①

فرانسکو جبریلی

(Francesco Gabrieli 1904-1996)

فرانسکو جبریلی اٹلی کے رہنے والے تھے۔ اُن کے والد ایک لائبریرین (Librarian) تھے جن کی مدد سے اُنہوں نے عربی زبان سیکھی، پھر روم یونیورسٹی میں عربی کلاسیکی ادب پڑھا۔ ۱۹۲۸ء سے ۱۹۳۵ء تک ”انسائیکلو پیڈیا اٹالیانا“ (Enciclopedia Italiana) کے ایڈیٹر رہے پھر نیپلز ایسٹرن یونیورسٹی (Naples Eastern University) میں پڑھانا شروع کر دیا۔ ۱۹۳۸ء میں روم یونیورسٹی میں عربی زبان و ادب کے پروفیسر کے طور پر خدمات انجام دیں۔ اُن کا انتقال روم میں ہوا۔ اُنہوں نے کئی کتابیں لکھیں، اپنی کتاب محمد (ﷺ) اینڈ دا کوئسٹنس آف اسلام (Mohammad p.b.u.h. and the Conquest of Islam) میں میثاقِ مدینہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں، ”مکہ کے مشرکین اہل مدینہ کے مشترکہ دشمن قرار پائے جن کی مخالفت و مزاحمت کے لئے مذہبی یا سیاسی وجوہات کی بنا پر مدینہ کے تمام طبقات متحد ہو گئے۔“^②

① جوزف ہیل، دی عرب سویلائزیشن، (The Arab Civilization)، طبع ڈبلیو ہیفرا اینڈ سنز، کیمبرج ۱۹۲۶ء

② فرانسکو جبریلی (متوفی ۱۹۹۶ء)، کتاب محمد (ﷺ) اینڈ دا کوئسٹنس آف اسلام

(Mohammad p.b.u.h. and the Conquest of Islam)، طبع لندن ۱۹۶۸ء

ویلم منٹگمری واٹ

(William Montgomery Watt, 1909-2006)

ویلم منٹگمری واٹ سکاٹ لینڈ کے بہت مشہور مؤرخ تھے۔ ایڈنبرگ یونیورسٹی (University of Edinburgh) میں عربی اور تاریخ اسلام کے پروفیسر بھی تھے۔ انہوں نے متعدد مشہور و معروف کتابیں لکھیں جن میں زیادہ تر کا موضوع اسلام ہے۔ اُن کی تصانیف میں رسول اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ پر لکھی گئی کتابیں ”محمد ﷺ مکہ میں“ اور ”محمد ﷺ مدینہ میں“ بہت مشہور ہیں۔ زیرِ نظر اقتباس ”محمد ﷺ مدینہ میں“ سے لیا گیا ہے۔

” (یثاقِ مدینہ کے مطابق) مختلف ریاستی معاملات کا حضرت محمد (ﷺ) کے سامنے پیش کیا جانا اس بات کی دلیل تھا کہ آپ (ﷺ) کو اہل مدینہ نے پیغمبر تسلیم کر لیا۔ (آپ ﷺ کو صرف پیغمبر ہی نہیں بلکہ ریاستی حکمران بھی تسلیم کیا گیا جس کا اعتراف کرنے میں واٹ نے علمی بخل سے کام لیا ہے۔ مؤلف) دستور کے الفاظ یہ ہیں کہ تمام تنازعات فیصلہ کے لئے اللہ اور حضرت محمد (ﷺ) کے سامنے پیش کیے جائیں گے۔ یہ تصور کہ پیغمبر (ﷺ) کے وظائف میں انصاف کا قیام بھی شامل ہے، قرآن مجید کی آیت (۱۰:۴) میں ہے، ”ہر قوم کے پاس ایک پیغمبر آیا۔ اور جب رسول آجائے تو ان کے درمیان تمام فیصلے انصاف کے ساتھ کر دیئے جاتے ہیں اور ظلم نہیں کیا جاتا۔“^① جب اہل مدینہ نے حضرت محمد (ﷺ) کو پیغمبر تسلیم کیا تو یہ بات اُن کے ذہن میں تھی اور اسی تصور کے تحت وہ (آپ ﷺ کو مختارِ اعلیٰ تسلیم کرنے کے لئے) آپ ﷺ کی طرف راغب ہوئے کہ آپ ﷺ اُن اندرونی جھگڑوں کو ختم کر دیں گے جنہوں نے مدینہ میں زندگی کو ناقابلِ برداشت بنا دیا تھا۔^②

① سورۃ یونس، آیت ۷۴

② ویلم منٹگمری واٹ (متوفی ۲۰۰۶ء)، محمد ﷺ مدینہ میں

(Mohammad p.b.u.h. at Madina)، طبع کراچی ۱۹۹۴ء

ہیواین کینیڈی

(Hugh N. Kennedy)

ہیواین کینیڈی، ’سکول آف اورینٹل اینڈ افریقن سڈیز لندن‘ (School of Oriental and African Studies, London) کی ’فیکلٹی آف لینگویجز اینڈ کلچرز‘ (Faculty of Languages and Cultures) میں عربی کے پروفیسر ہیں۔ اس سے پہلے یہ سینٹ اینڈریوز یونیورسٹی (University of St Andrews) میں تاریخ کے پروفیسر بھی رہے۔ بہت بڑے محقق ہیں، ان کی تحقیقات زیادہ تر اسلام پر مبنی ہیں۔ اپنی کتاب "The Prophet and the Age of the Caliphates" میں لکھتے ہیں:

”مہاجرین شروع شروع میں اہل مدینہ (جنہوں نے اُن کو مدعو کیا تھا) کے گھروں میں رہ رہے تھے، اُن اہل مدینہ کو اب انصار یعنی مدد کرنے والا کہا جاتا ہے۔ مہاجرین، انصار پر ہی انحصار کرنے والے بن کے رہ جاتے جہاں اُنہیں ہمیشہ مدد اور تحفظ کی ضرورت رہتی (لیکن) اس سے بچنے کیلئے ہجرت کے ابتدائی دو تین سالوں میں کئی معاہدات کئے گئے جنہیں مجموعی طور پر میثاقِ مدینہ کہا جاتا ہے، اس طرح مہاجرین اور اہل مدینہ کے مابین معاہدہ طے پا گیا (جس کی رو سے) تمام اہل ایمان ایک اُمت قرار دیئے گئے (یعنی) ایک ایسی قوم جو آس پاس کے کفار کے معاشرہ سے علیحدہ (تشخص رکھتی) تھی اور اُنہیں (اپنے مخالفین کے خلاف) متحد ہو کر جنگ بھی کرنا تھی۔ اس نو تشکیل شدہ اُمت کا باہمی رشتہ اُن کے کفار کے ساتھ کسی بھی معاہدہ سے بڑھ کر تھا۔ اور اگر اللہ کی راہ میں کوئی مسلمان شہید ہو جاتا تو سب نے متحد ہو کر اُس کا بدلہ لینا تھا۔ تاہم اگر کوئی مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو قتل کر دیتا تو بدلہ لینے کے عام قوانین پر عمل کیا جاتا تھا اور مہاجرین کو جن کی قربانداری یا خاندانِ مدینہ میں نہیں تھا اسی طرح ایک خاندان سمجھا جاتا تھا جس طرح مدینہ میں آباد دوسرے مقامی خاندان۔ بعینہ اس دستور میں یہود سے تعلق کی شقیں بھی موجود تھیں، جو مدینہ کے معاملات کے فریق تھے۔ وہ جنگ کے اخراجات میں اپنا حصہ برداشت کرتے تھے،

جب تک کہ مسلمانوں اور ان کے درمیان کوئی معاہدہ شکنی نہ ہوتی۔ اگرچہ یہود اور مسلمانوں کا دین الگ الگ تھا مگر حضرت محمد (ﷺ) کا ذکر دستور میں دو مرتبہ کیا گیا اور دونوں مرتبہ اس طرح کہ کسی بھی معاملے کے فیصلے کا اختیار اللہ اور حضرت محمد (ﷺ) کے پاس ہے، ان کے سوا کسی دوسرے منصف کا ذکر نہیں کیا گیا۔ اس دستاویز نے شہریوں کے مابین قیامِ انصاف کے مسائل کو حل کرنے اور بیرونی قبائل کے ساتھ تعلقات استوار کرنے کے لئے بنیادی کردار ادا کیا۔ تاہم اس دستور میں اس بات کی وضاحت نہیں کہ حضرت محمد (ﷺ) کے اختیارات مطلق ہیں (حالانکہ اس کا تذکرہ موجود ہے) نیز کسی مذہبی معاملے پر زور نہیں دیا گیا۔ مکہ کی طرح مدینہ کو بھی حرم قرار دیا گیا اور حضرت محمد (ﷺ) کو اس حرم کی بنیادی مقدس شخصیت قرار دیا گیا۔

ہجرت کے بعد ابتدائی سالوں میں حضرت محمد (ﷺ) کے اختیارات کو دستورِ مدینہ بدیہی طور پر بیان کرتا ہے۔ آنے والے اگلے آٹھ سالوں میں آپ (ﷺ) اور آپ (ﷺ) کے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) نے اپنی توانائیاں مدینہ میں آپ (ﷺ) کی اعلیٰ تر حاکمیت کے قیام کے لئے وقف کر دیں۔ جس کے لئے انہوں نے اہل مکہ کے خلاف موثر جدوجہد کی، مدینہ کے گرد آباد قبائل کے ساتھ ممکنہ حد تک اتحاد قائم کیا گیا اور ان کا تعاون حاصل کیا گیا اور مسلم معاشرے کے لئے اصولوں اور اس کے کردار کو واضح کیا گیا یہ سارے مراحل ساتھ ساتھ آگے بڑھتے رہے۔ اہل مکہ کے خلاف جدوجہد نے مدینہ میں آپ (ﷺ) کی طاقت کے استحکام میں اور بیرونی قبائل کی حمایت نے انجام کار آپ (ﷺ) کی کامیابی میں کلیدی کردار ادا کیا۔^①

① ہیو این کینیڈی (متوفی)، دی پرافٹ اینڈ دی ایج آف کیلی فیسٹس (The Prophet and the Age

of the Caliphates) طبع لندن

ایڈورڈ گبین

(Edward Gibbon, 1737-1794)

ایڈورڈ گبین انگریز مؤرخ اور پارلیمنٹ کے ممبر تھے، اپنی سب سے مشہور کتاب ”دی ہسٹری آف دی ڈیکلائن اینڈ فال آف دی رومن ایمپائر“ (The History of the Decline and Fall of the Roman Empire) میں جو کہ ۱۷۷۶ء سے ۱۷۸۸ء تک، چھ جلدوں میں شائع ہوئی، رقمطراز ہیں، ”حضرت محمد (ﷺ) کو اپنے پر امن اور خیر خواہی کے مشن کی وجہ سے اپنے ہم وطنوں نے (مکہ میں) ظلم کا نشانہ بنایا اور اپنے شہر سے نکال دیا۔ آپ (ﷺ) کے آزاد لوگوں یعنی اہل مدینہ نے آپ (ﷺ) کو ہجرت کرنے والے سے ایک حکمران بنادیا۔ اور اہل مدینہ کی طرف سے (ميثاق مدینہ کی صورت میں) آپ کو دوسری قوتوں کے ساتھ اتحاد تشکیل دینے اور دفاعی و اقدامی جنگیں کرنے کا اختیار دے دیا گیا۔ اہل مکہ کے ظلم اور پھر مدینہ کے انتخاب سے ایک عام شہری حکمران اور ایک مبلغ عسکری قائد میں بدل گیا۔^①

ماؤرس گاڈفرائے ڈی مامبازن

Maurice Gaudéferoy Demombynes (1862-1957)

ماؤرس گاڈفرائے ڈی مامبازن ایک فرانسیسی دانشور تھے۔ انہوں نے مذاہب کی تاریخ پر کام کیا۔ ميثاق مدینہ سے متعلق وہ اپنی مشہور کتاب ”مسلم انسٹی ٹیوشنز“ (Muslim Institutions) میں لکھتے ہیں، ”اُن آخری سالوں کے دوران کئے جانے والے معاہدوں اور مومنین کی جماعت کی قیادت کے کٹھن کام کے دوران حضرت محمد (ﷺ) ایک منصف، قانون دہندہ، اور سربراہ کا

① ایڈورڈ گبین (متوفی ۱۷۹۴ء)، دی ہسٹری آف دی ڈیکلائن اینڈ فال آف دی رومن ایمپائر

(The History of the Decline and Fall of the Roman Empire)

کردار حاصل کر چکے تھے اور ان حیثیتوں میں آپ کی کارکردگی دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ مدینہ کی دہلیز پر قبائیں اپنے قدم رنج فرماتے ہی آپ (ﷺ) معجزانہ طور پر اُن اُمور کے لئے موزوں ہو چکے تھے..... الخ۔ مدینہ پہنچتے ہی حضرت محمد (ﷺ) نے مقامی عرب قبائل کے ساتھ ایک معاہدہ کیا جس کے تحت آپ (ﷺ) نے اُن کے اسلام کی طرف واضح طور پر نہ پلٹنے کے باوجود بھی انہیں اپنے سربراہی اختیار تسلیم کرنے کا پابند کر دیا۔^①

حضرت سلمان فارسیؓ کا قبول اسلام (۱ ہجری/ ۶۲۲ء)

حضرت سلمان فارسیؓ ہجرت کے پہلے سال میں دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ قبول اسلام سے پہلے تاریخ کی کتب میں اُن کے کئی نام نظر آتے ہیں، مابہ، روزبہ، ماہویہ، بہبود اور ناجیہ وغیرہ لیکن ان میں زیادہ معتبر نام ”روزبہ“ سمجھا جاتا ہے۔ حضرت سلمانؓ کے قبول اسلام کے بعد آنحضرت ﷺ نے اُن کا نام سلمان رکھا تھا۔ اُن کی کنیت ابو عبد اللہ، ابوالبنات اور ابوالمرشد ہے۔ یہ اصفہان کے رہنے والے تھے اور ایرانی النسل ہونے کی وجہ سے سلمان فارسی کے نام سے مشہور تھے۔^② اکمال الدین میں ابن بابویہ سے اور روضۃ الواعظین میں محمد افضال سے مروی ہے کہ ایک روز حضرت علیؓ نے جناب سلمانؓ سے کہا کہ اپنے اسلام لانے کا واقعہ بیان کرو، تو انہوں نے کہا، ”میں شیراز کے ایک دھقان کا بیٹا ہوں۔ میرے ماں باپ مجھ سے بہت پیار کرتے تھے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ عید کے دن میں ایک راہب کے زیر میں پہنچا اور وہاں ایک شخص کو کہتے سنا، ”أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ عِيسَى رُوحُ اللَّهِ وَأَنَّ مُحَمَّدًا حَبِيبُ اللَّهِ“ حضرت محمد (ﷺ) کا نام گرامی سنتے ہی اُن کی محبت میرے رگ و ریشہ میں سرایت کر گئی۔ جب میں گھرواپس آیا تو میری نظر اتفاقاً چھت میں لگی ہوئی ایک تحریر پر پڑی۔ میں نے اپنی والدہ

① ماؤرس گاؤفرائے ڈی مابانز (متوفی ۱۹۵۷ء)، مسلم انسٹی ٹیوشنز (Muslim Institutions)، طبع لندن ۱۹۵۴ء

② مولانا مقبول احمد، سلمان محمدی، ص ۴۰ تا ۴۳

سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ کہنے لگیں کہ اس کو مت چھو نا ورنہ تیرا باپ تجھے مار ڈالے گا۔ میں اُس وقت تو چُپ ہو رہا مگر مجھ سے رہا نہ گیا اور رات ہوئی تو وہ تحریر لے کر پڑھنے لگا۔ اُس میں لکھا تھا، ”بسم اللہ الرحمن الرحیم، یہ عہد ہے اللہ کا آدم (علیہ السلام) کے لیے، میں اُس کے صُلب سے ایک نبی پیدا کرنے والا ہوں جس کا نام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوگا، وہ مکارم اخلاق کی تعلیم دے گا اور لوگوں کو بت پرستی سے منع کرے گا۔ اے روزبہ! تُو عیسیٰ (علیہ السلام) سے مل اور ایمان لا اور مجسیت کو چھوڑ دے۔“ میں اپنے نام یہ تحریر پڑھ کر حیران رہ گیا اور پھر اُس پر عمل پیرا ہونے پر غور کرنے لگا۔ میرے والدین کو معلوم ہوا کہ میں نے گھر چھوڑنے کا ارادہ کر لیا ہے تو انہوں نے مجھے سختی سے سمجھایا پھر ایک کنوئیں میں قید کر دیا اور کہا کہ اگر تُو اپنے ارادے سے باز نہ آیا تو ہم تجھے مار ڈالیں گے۔ جب مجھ پر یہ آفت آئی تو میں نے خدا سے دعا کی کہ بحق محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور وصی محمد (علیہ السلام) مجھے اس مصیبت سے نکال۔ ناگاہ ایک سفید پوش شخص آیا جس نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے کنوئیں سے نکالا اور ایک راہب کے دیر میں لے گیا۔ میں نے راہب سے کہا، ”أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ عِيسَى رُوحُ اللَّهِ وَأَنَّ مُحَمَّدًا حَبِيبُ اللَّهِ“ اُس راہب نے مجھ سے کہا کہ اے روزبہ! تم میرے پاس رہو، چنانچہ میں دو سال تک اُس کے پاس رہا۔ جب اُس کا آخری وقت آیا تو اُس نے مجھے وصیت کی کہ انطاکیہ کے راہب کے پاس چلے جاؤ (انطاکیہ، روم کا ایک بہت بڑا اور مقدس شہر ہے۔ رومیوں نے تعظیماً اس کا نام ”اللہ کا شہر“ رکھا تھا، اس کو ”أُهر المدین“ یعنی شہروں کی ماں بھی کہا جاتا ہے۔ یہ پہلا شہر ہے جہاں سے دین عیسوی ظاہر ہوا۔ بقولے اللہ کی طرف سے شمعون اور یوحنا یہیں بھیجے گئے تھے۔) پھر میں انطاکیہ کے راہب کے پاس گیا اور دو سال اُس کے پاس رہا۔ جب وہ مرنے لگا تو اُس نے وصیت کی کہ اسکندریہ کے راہب کے پاس جاؤ (اسکندریہ، مصر کا شہر ہے جو قاہرہ کے شمال مغرب میں دریا کے کنارے واقع ہے) اور وہ لوح جو ہر راہب دوسرے کے لیے دیا کرتا تھا مجھے دی اور کہا کہ اُس راہب کے سپرد کر دینا۔ میں اسکندریہ کے راہب کے پاس پہنچا اور دو سال اُس کی خدمت میں رہا۔ جب اُس کا آخری وقت آیا تو میں نے پوچھا کہ اب

میں کہاں جاؤں؟ اُس نے مجھے لوح دی اور کہا کہ اب ولادتِ محمد (ﷺ) کا زمانہ قریب آگیا ہے، جب تُو اُن سے ملے تو میرا سلام کہنا اور یہ لوح اُن کو دے دینا۔ اُس کے دفن کے بعد میں وہاں سے چل پڑا، راستے میں ایک منزل پر کچھ لوگ ملے، انہوں نے بکری ذبح کر کے پکائی اور کھانے بیٹھے تو مجھے بھی دعوت دی۔ میں نے کہا کہ میں راہب ہوں اور گوشت نہیں کھاتا۔ پھر انہوں نے شراب پیش کی، میں نے اُس سے بھی انکار کر دیا۔ اس پر وہ غصے میں آگئے اور مجھے خوب مارا اور میں نے اس خوف سے کہ کہیں وہ مجھے قتل نہ کر دیں، اُن میں سے ایک کی غلامی قبول کر لی۔ اُس نے مجھے ایک یہودی کے ہاتھ تین سو درہم میں بیچ دیا۔ یہودی نے مجھ سے میرا قصہ پوچھا تو میں نے کہا کہ سوائے محمد (ﷺ) کی محبت کے میرا کوئی تصور نہیں۔ وہ کہنے لگا کہ پھر تو میں تیرا بھی دشمن ہوں اور محمد (ﷺ) کا بھی۔ صبح کو اُس نے ریت کا ایک ڈھیر مجھے دکھا کر کہا کہ شام تک یہ سارا ڈھیر یہاں سے ہٹاؤ ورنہ میں تجھے مار ڈالوں گا۔ میں نے دن بھر اُسے اٹھایا مگر وہ ختم نہ ہوا۔ میں نے خدا سے دُعا کی تو ایک آندھی اُٹھی اور اُس ریت کو اڑا کر لے گئی۔ صبح کو یہودی نے دیکھا تو کہنے لگا تُو ساحر ہے اور میں تجھ سے خائف ہوں۔ پس اُس نے مجھے ایک عورت کے ہاتھ بیچ دیا۔ اُس عورت کا ایک باغ تھا جس کی نگرانی میرے سپرد ہوئی۔ ایک دن سات آدمی وہاں آئے جن کے سروں پر ابر سایہ فگن تھا۔ اُن میں ایک حضرت محمد مصطفیٰ (ﷺ)، دوسرے اے علی (علیہ السلام)! آپ، تیسرے ابوذر غفاری (رضی اللہ عنہ)، چوتھے مقداد (رضی اللہ عنہ)، پانچویں عقیل (رضی اللہ عنہ)، چھٹے حمزہ (رضی اللہ عنہ) اور ساتویں زید (رضی اللہ عنہ) تھے۔ میں نے خرے کا ایک تھال آپ سب کے سامنے رکھا اور کہا کہ یہ صدقہ ہے۔ اوروں نے کھا لیا لیکن حضرت رسول خدا (ﷺ) اور اے علی مرتضیٰ (علیہ السلام)! آپ نے اُسے چھوا تک نہیں۔ میں دوسرا تھال لایا اور یہ کہہ کر پیش کیا کہ یہ ہدیہ ہے، قبول فرمائیے۔ رسول اللہ (ﷺ) نے اور آپ نے وہ خرے بسم اللہ پڑھ کر کھالیے۔ میں نے دل ہی دل میں کہا کہ نبی آخر الزمان (ﷺ) کی تین علامتوں میں سے دو تو میں نے پالیں یعنی ابر کی سایہ فگنی اور صدقہ کا حرام ہونا، پس میں تیسری علامت کی جستجو میں

آنحضرت (ﷺ) کے پیچھے پیچھے چل دیا۔ آپ (ﷺ) نے فرمایا، ”اے روزبہ! کیا مہر نبوت کی تلاش ہے؟“ یہ فرما کر آپ (ﷺ) نے اپنے شانے کھول دیے اور میں نے مہر نبوت کی زیارت کر لی۔ چنانچہ میں آنحضرت (ﷺ) کے قدموں میں گر پڑا۔ آپ (ﷺ) نے فرمایا کہ تم اپنی مالکہ سے کہو کہ محمد بن عبد اللہ (ﷺ) پوچھتے ہیں کہ کیا تم اپنے اس غلام کو بیچنا چاہتی ہو؟ میں نے عورت سے پوچھا تو اُس نے جواب دیا کہ ہاں! بیچتی ہوں، مگر قیمت چار سو درخت خرما ہے۔ میں نے حضور (ﷺ) کو آ کر بتایا۔ آپ (ﷺ) نے فرمایا کہ منظور ہے۔ چنانچہ حضور (ﷺ) نے اے علی (علیہ السلام)! آپ کو خرما کی چار سو گٹھلیاں جمع کر کے اُن کو بونے اور پانی دینے کا حکم دیا۔ آپ نے ایسا ہی کیا۔ فوراً زمین سے درخت پھوٹ پڑے اور بڑھ کر لہلانے لگے۔ حضور (ﷺ) نے مجھ سے فرمایا کہ اُس عورت سے جا کر کہو کہ تیری خواہش پوری ہوئی اب ہماری چیز ہمارے حوالے کر دو۔ پس اُس روز سے میں آنحضرت (ﷺ) کی خدمت میں آ گیا۔ رسول اللہ (ﷺ) نے مجھے آزاد کر دیا اور میرا نام سلمان رکھا۔^①

ابن بابویہ نے بسند معتبر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ سلمان فارسی ؓ کہتے تھے مجھے چھ چیزوں کے بارے میں تعجب ہوتا ہے جن میں سے تین مجھے ہنسائی ہیں اور تین رُلائی ہیں۔ جن تین چیزوں سے مجھ پر گریہ طاری ہوتا ہے اُن میں سے اوّل دوستوں کی مفارقت ہے جو کہ محمد ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب ہیں، دوم ہولِ مرگ اور بعد از مرگ حالات، سوم خدا کے سامنے حساب کے لئے کھڑا ہونا اور جن تین چیزوں پر مجھے ہنسی آتی ہے یہ ہیں، اوّل وہ شخص جو دُنیا کی طلب میں رہتا ہے جبکہ موت اُس کی طلب میں رہتی ہے، دوم وہ شخص جو آخرت کے احوال سے غافل ہے حالانکہ خداوند عالم اور اُس کے فرشتے اُس سے غافل نہیں ہیں اور اُس کے اعمال کا انحصار (شمار) کرتے رہتے ہیں، سوم وہ شخص جو اپنا منہ ہنسنے کے لئے کھولتا ہے مگر نہیں جانتا کہ خدا اُس

① مولانا سید ظفر حسن، کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، ج ۱ ص ۲ تا ۴۔

پر راضی ہے یا غضبناک۔^①

شیخ طوسیؒ نے بسند معتبر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ سلمانؓ کے دوستوں میں سے ایک شخص بیمار ہو گیا۔ جب چند روز تک اُس سے ملاقات نہ ہوئی تو اُس کا حال دریافت کیا کہ وہ کہاں ہے؟ لوگوں نے کہا کہ وہ بیمار ہے تو کہا آؤ اُس کی عیادت کو چلیں۔ غرض لوگ اُن کے ساتھ ہو لیے اور وہ اُس کے گھر پہنچے تو اُسے جان کنی کی حالت میں دیکھا۔ حضرت سلمانؓ نے ملک الموتؑ سے خطاب کیا کہ خدا کے دوست کے ساتھ نرمی اور مہربانی سے پیش آئیے گا۔ ملک الموتؑ نے جواب دیا جسے تمام حاضرین نے سنا کہ اے ابو عبد اللہ میں تمام مومنین کے ساتھ نرمی کرتا ہوں اور اگر کسی کے سامنے اس طرح آؤں گا کہ وہ مجھے دیکھے تو بیشک وہ تم ہو گے۔^②

حضرت عبد اللہ بن سلامؓ کا قبولِ اسلام (۱ ہجری / ۶۲۲ء)

حضرت عبد اللہ بن سلامؓ نے بھی سنہ ایک ہجری میں اسلام قبول کیا۔ اسلام لانے سے پہلے وہ ایک یہودی عالم تھے۔ جب مقدر نے یابوری کی تو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور چند سوالات کیے۔ رسول اللہ ﷺ کے جوابات سُن کر بہت متاثر ہوئے اور کہا کہ یا رسول اللہ (ﷺ)! یہودی جھوٹے اور بہتان طراز ہیں اگر میرے مسلمان ہونے کی خبر سنیں گے تو مجھ پر بہتان لگائیں گے لہذا آپ (ﷺ) مجھے چھپالیں اور انہیں بلا کر میرے بارے میں اُن کی رائے دریافت فرمائیں۔ حضور ﷺ نے اُنکی خواہش پر انہیں پوشیدہ کر لیا اور یہودیوں کو طلب فرما کر پوچھا کہ عبد اللہ بن سلام تم میں کیسا شخص ہے؟ وہ بولے کہ وہ ہم میں سب سے بہتر اور بلند مرتبہ ہے، سب سے بہتر اور بلند مرتبہ کا بیٹا ہے، وہ ہمارا عالم ہے اور ہمارے عالم کا بیٹا ہے۔ رسول

① علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء)، حیات القلوب، ج ۲ ص ۶۳۶

② علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء)، حیات القلوب، ج ۲ ص ۷۳

اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر وہ مسلمان ہو جائے تو کیا تم لوگ بھی مسلمان ہو جاؤ گے؟ وہ کہنے لگے کہ خدا اُس کو اس فعل سے اپنی پناہ میں رکھے۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ کو آواز دی اور فرمایا کہ اے عبداللہ! باہر آ جاؤ۔ حضرت عبداللہ اُن کے سامنے آ گئے اور کہا، ”أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ“ یہودی کہنے لگے کہ یہ ہم میں سب سے بدتر اور جاہل ہے اور سب سے بدتر اور جاہل شخص کا بیٹا ہے۔^(۱)

زکوٰۃ کا حکم

(۱ ہجری/ ۶۲۲ء)

ابنِ خلدون کے مطابق اسی سال یعنی سنہ ایک ہجری میں زکوٰۃ فرض کی گئی۔^(۲)

دفاعی منصوبہ بندی

(رمضان المبارک ۱ ہجری/ مارچ ۶۲۳ء)

مشرکین مکہ کی پیغمبر خدا ﷺ سے عداوت آپ ﷺ کے مشن ہی کی وجہ سے تھی چنانچہ جوں جوں آپ ﷺ کا مشن آگے بڑھنے لگا تو ان کی دشمنی بھی پروان چڑھنے لگی اور جب اُن کی مخالفت بے حد خطرناک ہو گئی تو آپ ﷺ نے حکم الہی مکہ چھوڑ دیا اور ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے۔ مشرکوں کو گمان تھا کہ مدینہ میں تحریک اسلام مقامی خانہ جنگیوں کا شکار ہو کر

^(۱) مولانا سید ظفر حسن، کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، ج ۱ ص ۴۲ تا ۴۳۔

مولانا مقبول احمد، سلمان محمدی، ص ۴۰ تا ۴۳

^(۲) علامہ نجم الحسن کراوی (متوفی ۱۹۸۲ء)، چودہ ستارے ص ۶۴

نا کام ہو جائے گی کیونکہ مدینہ کے دواہم قبیلے اوس اور خزرج ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے، ایسے میں پیغمبر ﷺ جس کے مہمان بنیں گے اُس کا مخالف قبیلہ آپ ﷺ کا بھی دشمن ہو جائے گا۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے جب دونوں قبیلوں کے درمیان دیرینہ دشمنی کا خاتمہ کر دیا اور دونوں ہی آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر رہنے لگے تو قریش مایوس ہو کر دوسرے ذرائع تلاش کرنے لگے۔ عبداللہ بن ابی بن سلول منافقین کی ایک جماعت کا سرغنہ تھا۔ اس جماعت کے لوگ کسی مصلحت کی بنا پر بظاہر اسلام لے آئے تھے مگر در پردہ اپنے قدیم عقائد پر قائم تھے۔ قریش کو اُس کے بارے میں معلوم ہوا تو اُس کی وساطت سے اہل مدینہ کو ایک خط لکھا جس کا مضمون کچھ یوں تھا: ”اے مدینہ والو! تم نے ہمارے خاندان کے ایک شخص محمد (ﷺ) کو اپنے ہاں ٹھہرایا ہے۔ ہم تمہیں مطیع کرتے ہیں کہ تمہاری خیریت اسی میں ہے کہ اُن کو مدینہ سے نکال دو یا اُن سے جنگ کرو اور اُنہیں گرفتار کر کے ہمارے حوالے کر دو۔ ہم نے متفقہ طور پر حلفاً عہد کیا ہے کہ اگر تم نے ہماری مرضی کے مطابق عمل نہ کیا تو ہم تم پر حملہ کر کے تمہارے جوانوں کو قتل کر دیں گے اور تمہاری عورتوں کو اپنے قبضے میں لے لیں گے۔“ یہ خط ملنے پر عبداللہ بن ابی نے اپنے ساتھیوں کو جمع کر کے ایک اجلاس منعقد کیا جس میں وہ رسول اللہ ﷺ پر قاتلانہ حملے کا منصوبہ بنا رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کو دلوں کے بھید جاننے والے خداوند ذوالجلال نے اُس کے منصوبے سے مطلع فرما دیا اور آپ ﷺ عین موقع پر وہاں پہنچ گئے۔ آپ ﷺ نے انہیں مخاطب کر کے فرمایا، ”تم قریش کے دھوکے میں آ گئے ہو، اگر تم نے اس سرزمین پر خون ریزی کرنے کا ارادہ کیا تو تمہیں سخت نقصان ہوگا اور تمہیں اپنے اُن بھائیوں کا خون بہانا ہوگا جو ہمارا ساتھ دیں گے۔ پس جیسا کہ تمہاری قوم نے میرا ساتھ دینے کا عہد کیا ہے، تمہارا فرض بھی یہی ہے کہ اگر کوئی اس شہر پر حمہ آور ہو تو تم سب ہمارے ساتھ مل کر دفاع کرو۔“^①

① مسٹر کے اے حمید، مسلمانانِ عالم حصہ اول ص ۷۲

عبداللہ بن اُبی کی سازش بے نقاب ہو جانے اور رسول اللہ ﷺ کے خطاب سے وہ منصوبہ خاک میں مل گیا۔

مدینہ کی فضا اگرچہ اسلام اور مسلمانوں کے لئے سازگار تھی لیکن محفوظ نہیں تھی اور نہ صرف مشرکین مکہ کی طرف سے ہنوز خطرہ باقی تھا بلکہ یہود اور ارد گرد کی غیر مسلم قوتوں کی طرف سے بھی جنگ و جدال کا امکان تھا۔ جناب رسالت مآب ﷺ صرف پیغمبر خدا اور تبلیغ و نصیحت کرنے والے اللہ کے بندے ہی نہیں تھے بلکہ کامل سیاست، عسکری بصیرت اور علم و حکمت کا ایسا مکمل پیکر تھے جن کی سیاست و بصیرت اور دانائی و حکمت کے سامنے آج کے زیرک سیاست دان، بڑے بڑے حکمران اور ذہین ترین انسان بھی انگشت بدندان ہیں۔ آپ ﷺ بخوبی سمجھتے تھے کہ عرب کی ظلمتوں میں روشن ہونے والا یہ چراغ ہدایت کسی وقت بھی منہ زور آندھیوں کی زد میں آسکتا ہے پس آپ ﷺ نے مدینہ میں قیام پذیر ہوتے ہی دفاعی منصوبہ بندی کا آغاز فرما دیا۔

آپ ﷺ کا دفاعی منصوبہ تین حصوں پر مشتمل تھا۔

پہلا حصہ مسلمانوں کی عسکری تربیت پر مشتمل تھا جس کے لئے آپ ﷺ نے مسجد نبوی کو فوجی صدر مقام بنا کر مومنین کی عسکری تربیت کا آغاز فرمایا۔ آپ ﷺ اسلام کے نقطہ نظر سے جہاد کی اہمیت و فضیلت کو واضح کر کے مسلمانوں میں جذبہ جہاد پیدا کرتے۔ یہ جذبہ اتنا طاقتور تھا کہ مومنین دُنیا کی چند روزہ زندگی پر راہِ خدا میں شہید ہو جانے کو ترجیح دیتے تھے۔

دوسرا حصہ اپنے دفاعی حصار کو مضبوط کرنے سے متعلق تھا۔ اس کے لئے رسول اللہ ﷺ نے قریش کی نقل و حرکت کی نگرانی شروع کروادی۔ اس کا مقصد قریش پر یہ ثابت کرنا تھا کہ مسلمان دفاعی صلاحیتوں سے مالا مال ہیں اور اپنی سرحدوں کی حفاظت سے غافل نہیں ہیں اور یہ بھی مقصود تھا کہ ارد گرد کے علاقوں کے سیاسی، عسکری اور جغرافیائی حالات سے آگاہی ہو سکے۔

اور تیسرا حصہ قریش کے علاوہ ارد گرد کی ریاستی طاقتوں اور منافقین کی مکمل سازشوں کی حوصلہ شکنی

کرنا تھا تا کہ وہ کسی بھی موقع پر مومنین کے خلاف اغیار کی حمایت میں کھڑے نہ ہو سکیں۔
 ہمارے عقیدے کے مطابق رسول اللہ ﷺ کی ہستی سب سے زیادہ محترم اور بزرگ و برتر تو
 ہے ہی مگر علمی، سیاسی اور عسکری نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو آپ ﷺ کی شخصیت میں کمال کی
 حکمت و بصیرت اور سیاست و دوراندیشی نظر آتی ہے اور آپ ﷺ پوری توانائی اور حکمت عملی
 سے میدانِ کارزار میں سرگرم عمل دکھائی دیتے ہیں۔

جہاد

(رمضان المبارک ۱ھجری / مارچ ۶۲۳ء)

تاریخ کے طالب علم جانتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ کے مدینہ منورہ تشریف لے جانے اور اسلام
 کے تیزی سے پھیلنے کی خبر قریش پر بجلی بن کر گری۔ اُن کا جذبہ انتقام بھڑک اُٹھا اور اسلام کی
 بڑھتی ہوئی قوت کو کچلنے کے لیے وہ مزید سرگرم ہو گئے۔ چنانچہ دنیا کے نقشے پر ابھرتی ہوئی ایک نئی
 اسلامی مملکت اور نئے دین کو سخت خطرات درپیش تھے جن سے بچنے کے لئے ضروری تھا کہ ارد گرد
 کی ریاستوں اور قبیلوں پر عموماً اور قریش پر خصوصاً نظر رکھی جائے، اور کسی دراندازی کی صورت
 میں دشمن پر ایسی کاری ضرب لگائی جائے کہ آئندہ انہیں مسلمانوں کی طرف میلی آنکھ سے دیکھنے
 کی جرأت نہ ہو سکے۔ شروع میں چونکہ خداوند متعال کی طرف سے اذن جنگ نہیں تھا اس
 لیے مسلمانوں کی مہمات محض دشمن کی سرگرمیوں پر نظر رکھنے اور دفاعی منصوبہ بندی تک ہی محدود
 رہیں اور ہر طرح کی خونریزی سے اجتناب کیا گیا، پھر حکم الہی ہوا: ^①

اِذْنٌ لِلَّذِينَ يُقْتُلُونَ بِاٰمِهِمْ ظَلَمُوْا ۗ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرٌ ۝۹۰ الَّذِيْنَ
 اٰخَرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّا اَنْ يَقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ

بَعْضُهُمْ بِبَعْضٍ لَّهْدِمَتْ صَوَامِعُ وَبِيْعٌ وَصَلَوْتُ وَمَسْجِدٌ يُذَكِّرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ
كَثِيرًا ۖ وَلْيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿٥٠﴾

(ان مظلوموں کو (دفاعی جہاد کی) اجازت دی جاتی ہے جن سے جنگ کی جارہی ہے اس بناء پر کہ ان پر ظلم کیا گیا ہے۔ اور بیشک اللہ ان کی مدد کرنے پر قادر ہے۔ یہ وہ (مظلوم) ہیں جو ناحق اپنے گھروں سے نکال دیئے گئے صرف اتنی بات پر کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے اور اگر خدا بعض لوگوں کو بعض کے ذریعہ سے دفع نہ کرتا رہتا تو نصرانیوں کی خافا ہیں اور گرے اور (یہود کے) عبادت خانے اور (مسلمانوں کی) مسجدیں جن میں بکثرت ذکرِ خدا ہوتا ہے سب گرا دی جاتیں، جو کوئی اللہ (کے دین) کی مدد کرے گا اللہ ضرور اُس کی مدد کرے گا۔ بیشک وہ طاقت والا (اور) غالب آنے والا ہے)

اس آیت کریمہ کی ابتدا لفظ ”أَذِنَ“ سے ہو رہی ہے جس کا مطلب ”اجازت“ ہے، اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت مبارکہ سے پہلے مسلمانوں کو جنگ کی اجازت نہیں تھی۔ پس مندرجہ بالا آیت کریمہ کے نزول کے بعد باقاعدہ جہاد کا آغاز کیا گیا جو کہ غزوات اور سریات پر مشتمل تھا۔

غزوہ اور سریہ وغیرہ کی تعریف

ایسی مہمات کو جن میں حضور ﷺ نے خود شرکت فرمائی، غزوہ کہا جاتا ہے اور جن میں آپ ﷺ نے صحابہؓ میں سے کسی کو فوج کا سالار بنا کر بھیجا، سریہ کہا جاتا ہے۔ سریہ کو بعثت بھی کہا جاتا ہے۔ بعثت کے لفظی معانی پیغام بر بھیجنا اور سریہ کا مطلب رات میں سیر کرنا ہے۔ اہل سیر کی اصطلاح میں لشکر کا وہ ٹکڑا جسے دشمن پر حملہ کے لئے بھیجا جاتا ہے سریہ کہلاتا ہے، اس کی تعداد پانچ سو تک ہوتی ہے یہ لشکر سے جدا ہو کر جاتا ہے اور پھر واپس اُسی لشکر میں لوٹ آتا ہے۔ پانچ سو سے زیادہ تعداد پر مشتمل لشکر کے ایسے ٹکڑے کو ”منسر“ کہتے ہیں، اگر اس کی تعداد آٹھ سو سے

زیادہ ہو تو ”جیش“، چار ہزار سے زیادہ ہو تو ”جھفل“ اور لشکرِ عظیم کو ”خمیس“ کہا جاتا ہے۔ خمیس مجتمع ہوتا ہے، اس میں پانچ ٹکڑے ہوتے ہیں، مقدمہ، قلب، میمنہ، میسرہ، ساقہ اور کتیہ۔^①

واضح رہے کہ عہدِ نبوی ﷺ میں رقم کیے گئے تمام سریات و غزوات میں، اور خصوصاً اُن مہمات میں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ممانعتِ جنگ کے عرصہ میں رونما ہوئیں، دشمن پر حملہ کرنا یا اُسے لوٹنا مقصود نہیں تھا اور نہ ہی ایسا کیا گیا، یہ تمام مہمات دفاعی تھیں یعنی ان کا مقصد دین اسلام اور مسلمانوں کا دفاع کرنا تھا نہ کہ مخالفین کو بے جا نقصان پہنچانا یا اُن کا خون بہانا۔ یہ نظریہ اغیار کا ہے کہ اسلام تلوار کے زور پر پھیلنا، ہمارا ایمان یہ ہے کہ اسلام رسول اللہ ﷺ کے اخلاقِ حسنہ کی بدولت پھیلا اور حقیقت بھی یہی ہے۔

مزید برآں اکثر مہمات جنہیں تاریخ میں سریات یا غزوات کا نام دیا گیا ہے، آج کل کی اصطلاح میں اُنہیں جنگ یا لڑائی کا نام نہیں دیا جاسکتا، ہاں البتہ اُنہیں تادیبی کارروایاں کہا جاسکتا ہے جو کہ کسی معاہدے کی خلاف ورزی کی صورت میں یا مجرموں کی سرکوبی کے لئے کی جاتی ہیں۔ زمانہ قدیم میں چونکہ ایسی اصطلاحات موجود نہیں تھیں اور مہمات کی تفریق کے لئے ذخیرہ الفاظ ناپید تھا چنانچہ مؤرخین نے جس طرح بدرواُحد اور خندق کو غزوات کے لفظ سے تعبیر کیا اسی طرح اُن مہمات کے لئے بھی ایسے ہی لفظ چُن لئے۔ اب کیونکہ غزوہ اور سریہ وغیرہ کے ناموں سے یہ اصطلاحات رائج ہو چکی ہیں لہذا ہم بھی اس کتاب میں یہی الفاظ استعمال کریں گے لیکن اس فرق کو جس پر یہاں بقدرِ ضرورت روشنی ڈالی گئی ہے، ان تمام مہمات میں پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ سب غزوات و سریات کی نوعیت وہ نہیں ہے جو غزوہ بدرواُحد وغیرہ کی ہے۔ غزوہ اُحد و بدر میں مخالف قوم سے مقابلہ تھا اور یہ ثابت ہے کہ وہ مقابلے بھی مدافعتانہ طور پر ہوئے تھے نہ کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے کسی جارحانہ پیش قدمی کی بنا پر۔

① شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۱۲

غزوات کی مجموعی تعداد چھپیس ہے جن کے نام یہ ہیں: ابواء، بواط العشیرہ، بدر اولیٰ، بدر کبریٰ، اُحد، خُجران، بنو سلیم، بنو نظیر، ذات المرقاع، بدر الاخوہ، دومتہ الجندل، خندق، بنو قریظہ، بنو لحيان، بنو قرد، بنو مصطلق، الحدیبیہ، خیبر، الفتح، حنین، طائف، تبوک، بنو قینقاع، سویق اور بنو اسد۔ ان میں سے اکثر میں جنگ نہیں ہوئی۔ صرف دس غزوات میں جنگیں ہوئیں جن کے نام یہ ہیں: بدر، اُحد، خندق، بنو قریظہ، بنو لحيان، خیبر، فتح (مکہ)، حنین، بنو المصطلق اور طائف۔^(۱)

کتاب ”مدارج النبوت“ کے مطابق غزوات کی تعداد ستائیس ہے جیسا کہ ”مواہب“ میں بھی ہے۔ ”روضۃ الاحباب“ کے قول کے بموجب اکیس اور ایک اور قول کے مطابق چوبیس بھی منقول ہے، نو غزوات میں قتال واقع ہوا، اُن میں غزوہ بنو لحيان کا نام شامل نہیں ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت زید بن ارقمؓ سے روایت ہے کہ اُنیں غزوات تھے اور سینتالیس سریات۔ بعض چھپن بھی کہتے ہیں۔^(۲)

علامہ نجم الحسن صاحب نے سریوں کی تعداد چھتیس لکھی ہے جن میں سب سے مشہور ”موتہ“ ہے جس میں حضرت جعفر طیار شہید ہوئے۔^(۳)

ابن اسحاق سے مروی ہے کہ سب سے پہلا غزوہ ”ابواء“ تھا پھر ”بواط“ اور پھر ”عشیرہ“۔^(۴) ”ابواء“ جحفہ کے قریب ایک مقام کا نام ہے۔ ابواء کی اصل ”وبا“ سے تھی جو ”وبا“ سے ہے۔ اس کو بدل کر ابواء کہا جانے لگا۔ ابواء کو ”وَدَّان“ بھی کہتے ہیں، بعض کتابوں میں یہ نام بھی

^(۱) مولانا سید ظفر حسن، مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، ج ۱ ص ۹۰

^(۲) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۱۲ بحوالہ احمد بن محمد قسطلانی

(متوفی ۹۲۳ ہجری)، المواہب اللدنیۃ۔ جمال الدین محدث، روضۃ الاحباب

^(۳) علامہ نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۲ء)، چودہ ستارے ص ۶۵

^(۴) صحیح بخاری، باب غزوۃ عشیرہ، حدیث ۳۹۴

آیا ہے۔ صاحبِ مواہب کا کہنا ہے کہ ابواء اور وڈان دو مختلف جگہوں کے نام ہیں جو ایک دوسرے کے قریب واقع ہیں اور اُن میں تین میل کا فاصلہ ہے۔ ”بواط“ جہینہ کے پہاڑوں میں سے ایک کا نام ہے جو منع کے قریب ہے اور ”عشیرہ“ کو ”عمیرہ“ بھی کہتے ہیں جیسا کہ ”بخاری“ میں آیا ہے۔ غزوہ عسرة بمعنی دشواری غزوہ تبوک کا نام ہے جو آخری غزوہ ہے، اس میں لوگوں کو بہت دشواریاں پیش آئیں اور بہت تکالیف اٹھائی گئیں۔^①

سریہ حمزہ بن عبدالمطلب ﷺ یا سریہ سیف البحر یا سریہ عیص (رمضان ۱ ہجری / مارچ ۶۲۳ء)

رسول اللہ ﷺ نے اس سریہ کی کمان حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کو سونپی اس لیے اس کو سریہ حمزہ رضی اللہ عنہ یا سریہ سیف البحر کہا جاتا ہے اور اس کے مقام ”عیص“ کی وجہ سے اسے ”سریہ عیص“ بھی کہتے ہیں۔ یہ پہلا سریہ تھا جو رمضان ۱ ہجری (مارچ ۶۲۳ء) میں واقع ہوا۔ مروی ہے کہ مدینہ منورہ میں خبر پہنچی کہ قریش کی ایک جماعت مکہ مکرمہ میں لُٹ مار کر رہی ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں اسی مہاجرین کا ایک دستہ مرتب فرما کر اُس جماعت کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ دستہ انصار کے لوگوں پر مشتمل تھا لیکن محققین کے نزدیک انصار کو غزوہ بدر سے پہلے کسی مہم پر روانہ نہیں کیا گیا چنانچہ یہ مہاجرین ہی کا دستہ تھا۔ روانگی سے پہلے ایک سفید جھنڈا تیار کیا گیا اور ابو مرثد غنوی کو لشکر کا علمدار بنایا گیا۔ بعض مؤرخین کے مطابق فوج اسلام میں تیار کیا جانے والا یہ سب سے پہلا علم تھا۔^②

اس سریہ سے متعلق یہ بھی روایت کیا گیا ہے (ہمیں اس روایت سے اتفاق نہیں۔ مؤلف) کہ ابو جہل تین سوانٹوں پر مشتمل قریش کا ایک تجارتی کارواں لیے ”عیص“ کی طرف سے گذرنے

① شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۱۲

② شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۱۳

والا تھا جسے روکنے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے تیس مجاہدین کا ایک دستہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی کمان میں روانہ کیا۔ اگرچہ مجاہدین کو جراحانہ کاروائی کا حکم نہیں تھا اور ان کا مقصد محض قافلے کو روک کر اپنی جرات و طاقت کا اظہار کرنا تھا مگر ابو جہل ان کے تیور دیکھ کر گھبرا گیا اور اپنے تجارتی قافلے کے لٹ جانے کے خوف سے اُس علاقے کے سردار مجدی بن عمرو جہنی کو بیچ میں ڈالا۔ مجدی بن عمرو نے بچ بچاؤ کروایا۔^(۱) ابو جہل اور اس کا قافلہ مکہ کی طرف کوچ کر گیا اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مدینہ منورہ لوٹ آئے۔ یعنی اُس موقع پر جنگ نہیں ہوئی۔

قریش کے تجارتی قافلوں پر حملوں کی تردید

ماضی اور حال کے بعض مؤرخین اور مولفین نے سریہ حمزہ کی طرح دیگر سریات میں بھی مسلمانوں کی طرف سے قریش کے تجارتی قافلوں کو روکنے، ان پر حملہ آور ہونے اور لوٹ مار کرنے کا ذکر کیا ہے جو ہمارے نقطہ نظر سے بالکل غلط اور بے بنیاد ہے۔ اس کی وجہ مندرجہ ذیل حوالوں سے کی جاسکتی ہے:

- (۱) تجارتی قافلوں پر حملہ آور ہونا یا ان کو لوٹنا راہزنی اور ڈکیتی ہے۔ آنحضرت ﷺ اللہ کے رسول ہیں جنہیں اُس نے تمام عالمین کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے (وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ)^(۲) اور آپ ﷺ کی ذاتِ طیبہ میں پیروی کے لئے اللہ نے بہترین نمونہ قرار دیا ہے (لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ)^(۳) پس آپ ﷺ ایسے کسی فعل کی اجازت کسی صورت میں نہیں دے سکتے تھے جو نوعِ انسانی کے ساتھ ظلم و زیادتی میں شمار ہوتا ہو۔
- (۲) مدینہ میں آکر آپ ﷺ کا مقصد اہل مکہ سے چھیڑ چھاڑ کرنا، ان کو لوٹنایا ان سے جنگ کرنا

^(۱) ذاکر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر ﷺ، ص ۴۲۲

^(۲) سورة الانبياء، آیت ۱۰۷

^(۳) سورة الانبياء، آیت ۱۰۷

ہرگز نہیں تھا۔ آپ ﷺ تو اپنے مشن رسالت کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے اللہ کے اذن سے مدینہ آئے تھے۔ اس کا اعتراف بعض غیر مسلم دانشور بھی کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کے مشن کی کامیابی کی وجہ آپ ﷺ کا بہترین کردار تھا یعنی اسلام تلوار سے نہیں آپ ﷺ کے کردار کی وجہ سے پھیلا۔ (اس کی تفصیل باب ”میثاقِ مدینہ غیر مسلم دانشوروں کی نظر میں“ میں گزر چکی ہے) (۳) تاریخ شاہد ہے کہ انصار غزوہ بدر سے پہلے کسی سر یہ میں نہیں گئے۔ مہاجرین تعداد میں قلیل اور بے سرو سامان تھے اور رسول اللہ ﷺ اُن کی آباد کاری کے لئے متفکر اور کوشاں تھے۔ ایسے میں وہ لوگ جو طاقتور دشمن کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر ہجرت پر مجبور ہو گئے ہوں بھلا اُن کے قافلوں پر کیسے حملہ آور ہو سکتے تھے؟

(۴) اگر یہ فرض کر بھی لیا جائے کہ مسلمان دستے قریش کے تجارتی قافلوں پر حملہ آور ہوتے تھے تو اُن کے پاس لوٹ مار کا کثیر مال موجود ہونا چاہیے تھا، بہترین لباس، اسلحہ اور شاندار سواریاں وغیرہ۔ جبکہ اسلام کی سب سے پہلی اور بڑی جنگ، غزوہ بدر میں مسلمانوں کی حالتِ زار ایسی تھی کہ محدود وسائل کی وجہ سے اُن کے پاس اسلحہ، رسد اور سواری کا خطر خواہ انتظام بھی نہیں تھا۔ اُن کے لشکر میں صرف دو یا تین گھوڑے اور ستر اُونٹ تھے جن پر مسلمان باری باری سواری کرتے تھے اور اسلحے میں صرف چھ زربیں اور آٹھ تلواریں تھیں اور رسول اللہ ﷺ دعا فرما رہے تھے، ”اے ربِّ عالم! مسلمان پیادہ ہیں، اپنے فضل سے انہیں سوار کر، یہ بھوکے ہیں ان کو شکم سیری عطا فرما، یہ عریاں ہیں انہیں لباس دے، یہ فقیر ہیں انہیں تو نگر کر۔“^①

(۵) گزشتہ صفحات پر ”دفاعی منصوبہ بندی“ اور ”جہاد“ کے ابواب میں آیت قرآنی کے حوالوں سے بیان کیا جا چکا ہے کہ مسلمانوں کو شروع شروع میں جنگ کی اجازت نہیں تھی۔ جب اللہ عزوجل جنگ سے منع فرما رہا تھا تو اُس کے کلمہ گو اُس کی حکم عدولی کی جسارت کیسے کر سکتے تھے؟ کیا تجارتی

① شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۱۹

قافلوں کو روکنا یا اُن پر حملہ آور ہونا جنگ کے لئے اُکسانے یا جنگ کے لئے پہل کرنے کے ضمن میں نہیں آتا؟

(۶) قریش مکہ کے لوگ دستوں کی صورت میں آ کر مدینہ کے گرد و نواح میں لوٹ مار کیا کرتے تھے، ایسے دستوں کے ساتھ مسلمان مہاجرین کا ٹکراؤ البتہ ہوتا رہا ہے جن کا ذکر اکثر مہمات میں ملتا ہے۔

پس ان مختصر دلائل کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ قریش کے تجارتی قافلوں کو روکنے یا اُن پر حملہ آور ہونے کی روایات درست نہیں ہیں ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے قریش کی نقل و حرکت پر نظر رکھنے کے لئے یا اُن قافلوں کے ساتھ سفر کرنے والے شریکوں کی ممکنہ سازشوں سے آگاہ رہنے کے لئے مختلف مواقع پر مسلمانوں کو روانہ کیا ہو۔ کیونکہ اُن کی طرف سے کسی بھی قسم کی تخریبی کاروائی اور حملے کا امکان تو بہر حال تھا۔

سریہ رابغ یا سریہ عبیدہ بن حارثؓ

(شوال ۱ ہجری / اپریل ۶۲۳ء)

شوال ۱ ہجری / اپریل ۶۲۳ء میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبیدہ بن حارثؓ کو اسی مہاجرین کے ایک دستے کے ساتھ ”رابغ“ روانہ کیا۔ اس لیے اس کو ”سریہ رابغ“ اور حضرت عبیدہ بن حارثؓ کی وجہ سے ”سریہ عبیدہ بن حارث“ کہا جاتا ہے۔ مؤرخین نے اسے دوسرا سریہ لکھا ہے۔ دوسو افراد پر مشتمل قریش کا ایک قافلہ ابو جہل اور ابوسفیان کی قیادت میں ”ثنیۃ البرق“ سے گزر رہا تھا کہ اُس کا سامنا حضرت عبیدہؓ کے دستے سے ہو گیا۔ مسلمان مجاہدین نے قافلہ پر حملہ نہیں کیا اور لوٹ آئے۔^①

① ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم ﷺ، ص ۴۴۲

حضرت عائشہؓ کی رخصتی

(شوال ۱ ہجری، اپریل ۶۲۳ء)

حضرت عائشہؓ کی رخصتی شوال ۱ ہجری، اپریل ۶۲۳ء کو مدینہ منورہ میں ہوئی۔^① حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ کے پاس انصار کے مرد و زن کی ایک جماعت حلقہ بنائے بیٹھی تھی کہ میری والدہ مجھے لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ یہ آپ ﷺ کی زوجہ ہیں۔^② واضح رہے کہ حضرت عائشہؓ کا نکاح شوال ۳ قبل ہجرت / مارچ ۶۱۹ء میں ہو چکا تھا۔

سریہ خزار یا سریہ سعد بن ابی وقاص

(ذیقعدہ ۱ ہجری / مئی ۶۲۳ء)

ذیقعدہ ۱ ہجری / مئی ۶۲۳ء میں نبی اکرم ﷺ نے سعد بن ابی وقاص کو بیس سواروں کا ایک دستہ دے کر مدینہ کے جنوب مغرب میں وادی خزار کی طرف روانہ کیا۔ خزار پتھروں کی ایک وادی ہے جو جحفہ کے قریب واقع ہے۔ اس سریہ میں بھی مسلمانوں کا دستہ بغیر لڑے واپس آ گیا۔^③ یہ مسلمانوں کی تیسری مہم تھی۔ اس لشکر کے لئے بھی سفید علم تیار کیا گیا تھا جو حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے اٹھا رکھا تھا۔

① ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر ﷺ، ص ۴۴۳

② شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۰۲

③ محمد ابن سعد (متوفی ۲۳۰ ہجری)، طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۹۰۶

ابن ہشام (متوفی ۸۳۳ء)، سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۶۵۰

سنہ ۲ ہجری

غزوہ وُدّان اور غزوہ ابوا

(ماہ صفر ۲ ہجری / اگست ۶۲۳ء)

یہ پہلی مہم تھی جس کی قیادت رسول اللہ ﷺ نے خود فرمائی۔^(۱) ہجرت کے پہلے سال کے آخر میں یاد دوسرے کے آغاز میں ماہ صفر یعنی اگست ۶۲۳ء میں آپ ﷺ نے مدینہ کی ذمہ داری حضرت سعد بن عبادہؓ کو سونپی اور ستر صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت کے ساتھ قریش کے ایک قبیلہ بنی ضمیرہ کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ ﷺ پہلے ”وُدّان“ پہنچے پھر ”ابوا“ تشریف لے گئے۔ یہ دونوں مقام ضلع ”فرع“ میں ایک دوسرے سے تقریباً آٹھ میل کے فاصلے پر واقع ہیں اس لئے اس غزوہ کو تاریخ میں دونوں ناموں یعنی ”غزوہ وُدّان“ اور ”غزوہ ابوا“ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ”ابوا“ تجارتی شاہراہ پر واقع ایک اہم مقام تھا جہاں کارواں ٹھہرا کرتے تھے اس لیے یہ غزوہ ابوا کے نام سے زیادہ مشہور ہے۔ ابوا کی ایک وجہ شہرت یہ بھی ہے کہ اس مقام پر رسول اکرم ﷺ کی والدہ ماجدہ سیدہ آمنہ علیہا السلام نے وفات پائی اور مدفون ہوئیں۔ اس غزوہ میں حضرت حمزہ بن عبدالمطلبؓ علمبردار تھے۔

رسول اللہ ﷺ ابوا پہنچے تو قبیلہ بنی ضمیرہ کا سردار مخنشی بن عمرو ضمیری ایک معاہدہ کرنے پر آمادہ ہو گیا چنانچہ آپ ﷺ بھی راضی ہو گئے، کوئی جنگ نہیں ہوئی اور صلح نامہ لکھا گیا۔^(۲) اُس صلح نامہ کا مضمون کچھ یوں تھا:

۱۔ اللہ رحمن الرحیم کے نام سے۔

^(۱) صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب العُشیرہ

^(۲) محمد ابن سعد (متوفی ۲۳۰ ہجری)، طبقات ابن سعد ۲: ۲

محمد حمید اللہ، رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی ص ۵۸

۲۔ رسول اللہ ﷺ کی جانب سے بنی ضمرہ کے لیے یہ ایک تحریر ہے۔

۳۔ بنی ضمرہ کو جان و مال کی امان ہے۔

۴۔ اور جو کوئی ان پر ظلم سے اچانک حملہ کرے گا تو اُسکے مقابلے میں ان کی مدد کی جائے گی۔

۵۔ ان پر ضروری ہے کہ یہ نبی ﷺ کی مدد اُس وقت تک کریں جب تک سمندر صدف کو گیلیا کرتا رہے گا سوائے اس کے کہ اللہ کے دین کے بارے میں لڑیں (یا ان سے جنگ کی جائے)۔

۶۔ اس بارے میں ان پر اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کا ذمہ ہے۔

۷۔ انہیں مدد اس شرط پر دے جائے گی کہ یہ وعدہ وفا کرتے رہیں اور عہد شکنی و بے وفائی وغیرہ سے بچتے رہیں۔

غزوہ ابواء کے واقعہ سے یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی پیش قدمی کا مقصد دشمن کا کشت و خون کرنا ہرگز نہیں ہوتا تھا۔ آپ ﷺ اسلام کی ترویج و اشاعت کے لئے قدم اٹھاتے تھے اور اگر کوئی دشمن قبیلہ قبول اسلام کی بجائے کسی معاہدے پر آمادہ ہو جاتا تھا تو بھی آپ ﷺ اپنا دامن رحمت واکرتے ہوئے امن کو ترجیح دیتے تھے۔ زیادہ تر غزوات و سریات میں اسی وجہ سے کوئی کشت و خون نہیں ہوا۔

غزوہ بواط

(ربیع الاول یا ربیع الثانی ۲ ہجری / اکتوبر ۶۲۳ء)

روایت ہے کہ ہجرت کے تیرہویں مہینے، ربیع الاول یا ربیع الثانی ۲ ہجری / اکتوبر ۶۲۳ء میں حضور ﷺ ایک سویادو و سوا صاحب کے ساتھ ”بواط“ کی طرف دشمن اسلام اُمیہ بن خلف کی سرکوبی کے لئے عازم سفر ہوئے۔ اُمیہ بن خلف کے ساتھ اُس وقت قریش کے سوا آدمی تھے۔^(۱) اُسے رسول

^(۱) جمال الدین محدث، روضۃ الاحباب

اللہ ﷺ کی پیش قدمی کی خبر ہوئی تو فرار ہو گیا۔

آنحضرت ﷺ نے بواط تک اُس کا تعاقب کیا۔ اسی نسبت سے اس غزوہ کو غزوہ بواط کہا جاتا ہے۔ بقول آنحضرت ﷺ نے اس غزوہ کے لئے تشریف لے جاتے ہوئے مدینہ کی ذمہ داریاں حضرت سائب بن عثمان بن مظعون کو سونپیں۔^(۱)

غزوہ سفوان یا غزوہ بدر اولیٰ

یا غزوہ طلبِ کرز بن جابر فہری

(ربیع الثانی ۲ ہجری / اکتوبر ۶۲۳ء)

ربیع الثانی ۲ ہجری / اکتوبر ۶۲۳ء میں، یہ غزوہ وادی سفوان میں ہوا اس لئے اسے غزوہ سفوان کہتے ہیں۔ وادی سفوان، بدر کے نواح میں واقع ہے اس حوالے سے اسے غزوہ بدر اولیٰ بھی کہا جاتا ہے۔ ”روضۃ الاحباب“ میں اس غزوہ کا نام ”طلبِ کرز بن جابر فہری“ بھی آیا ہے، ”مواہب“ میں اسے غزوہ بدر اولیٰ کہا گیا ہے۔

روایت ہے کہ مکہ کا ایک رئیس کرز بن جابر فہری ایک فوجی دستہ لے کر مدینہ کے مضافات میں مسلمانوں کی سرکاری چراگاہ پر حملہ آور ہوا اور کئی جانور ہانک کر لے گیا۔ اُن جانوروں میں رسول خدا ﷺ کے اونٹ بھی تھے۔ جب آپ ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے حضرت زید بن حارثہؓ کو مدینہ کا عامل مقرر کیا اور ستر صحابہؓ کی ایک جماعت لے کر کرز بن جابر فہری کے تعاقب میں روانہ ہوئے۔ اس مہم میں آپ ﷺ نے علم امیر المؤمنین حضرت علیؓ کے ہاتھ میں دیا۔ آپ ﷺ وادی سفوان پہنچے تو معلوم ہوا کہ کرز بن جابر فہری یہاں سے گزر چکا ہے چنانچہ وہ ہاتھ نہ آسکا^(۲) اور آپ ﷺ واپس تشریف لے آئے۔

^(۱) شیخ عبدالحق محدث دہلوی، (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲، ص ۱۱۵

^(۲) ابن خلدون، تاریخ ابن خلدون۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی، (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲، ص ۱۱۶

غزوہٴ عَشِيرَہ

(جمادی الاول یا جمادی الثانی ۲ ہجری / نومبر، دسمبر ۶۲۳ء)

جمادی الاول یا جمادی الثانی ۲ ہجری / نومبر، دسمبر ۶۲۳ء میں حضور ﷺ، حضرت ابوسلمہ بن عبد الاسد مخزومیؓ کو مدینہ کا عامل بنا کر ڈیڑھ سو مہاجرین کے ساتھ اور بروایت دوسو کے ساتھ مدینہ منورہ سے باہر تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے سفید عکم حضرت حمزہ بن عبدالمطلبؓ کے سپرد فرمایا اور ”عشیرہ“ کی طرف روانہ ہوئے۔ حضور ﷺ نے عشیرہ کے قبیلوں کو دعوتِ اسلام دینے اور دفاعی معاہدے کرنے کے لیے وہاں چند روز قیام فرمایا اور پھر بنی مدلج سے جو کہ مسلمانوں کے حلیف قبیلے بنو نضمرہ کے دوست تھے، ایک دفاعی معاہدہ کیا اور واپس تشریف لے آئے۔^① یہ معاہدہ بھی انہی شرائط پر ہوا جن پر بنو نضمرہ کے ساتھ ہوا تھا۔

حضرت علیؓ کی کنیت ابوتراب کی وجہ

”روضۃ الاحباب“ اور ”معارج النبوة“ میں مذکور ہے کہ غزوہٴ عَشِيرَہ کے سفر میں حضور اکرم ﷺ نے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو ”ابوتراب“ کے نام سے نوازا۔ یہ نام بعد میں اُن کی کنیت کے طور پر مشہور ہو گیا۔ حضرت عمار یا سرؓ سے روایت ہے کہ میں اور حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام غزوہٴ عَشِيرَہ میں کھجور کے ایک درخت کے نیچے سو رہے تھے، زمین پر لیٹنے کی وجہ سے ہمارے جسموں پر مٹی لگ گئی۔ حضور ﷺ ہمارے سرہانے تشریف لائے اور ہمیں جگایا۔ آپ ﷺ نے علی المرتضیٰ علیہ السلام (کے بدن پر مٹی لگی دیکھ کر انہیں) ”یا ابوتراب!“ کہہ کر مخاطب کیا اور فرمایا: ”اے علی (علیہ السلام)! کیا میں تمہیں اس کی خبر نہ کروں کہ تمام

① جمال الدین محدث، روضۃ الاحباب۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۱۵

لوگوں میں بد بخت کون ہے؟“ حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام نے عرض کیا، ”یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! ضرور خبر کیجئے۔“ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ”تمام لوگوں میں دو شخص سب سے زیادہ بد بخت ہیں، ایک وہ جس نے حضرت صالح علیہ السلام کی اُونٹی کی کوئی کھجور کاٹیں اور دوسرا جو تمہارے محاسن (یعنی داڑھی) کو گلگلوں کرے گا اور خون سے رنگے گا۔“ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے جاتے اور اپنے دست مبارک سے حضرت علی علیہ السلام کے سر اور چہرے سے گرد جھاڑتے جاتے تھے۔ اُن دونوں کتابوں میں اسی طرح مذکور ہے لیکن مشہور واقعہ یہ ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی کنیت ابوتراب ہونے کے وجہ یہ ہے، جسے بخاری و مسلم نے حضرت سہل بن سعد ساعدیؓ سے نقل کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کے گھر سیدہ فاطمہ علیہا السلام کے پاس تشریف لائے۔ علی علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے قبل گھر سے باہر تشریف لے جا کر مسجد میں سو گئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہ علیہا السلام سے فرمایا کہ تمہارے ابن عم (یعنی علی علیہ السلام) کہاں ہیں؟ (اہل عرب کی عادت ہے کہ وہ شوہر وغیرہ کہنے کی بجائے اسی طرح کہتے ہیں) سیدہ فاطمہ علیہا السلام نے عرض کیا، ”... وہ باہر چلے گئے ہیں۔“ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے فرمایا کہ دیکھو وہ کہاں ہیں؟ اُس شخص نے آکر بتایا کہ علی (علیہ السلام) مسجد میں آرام کر رہے ہیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں اُن کے سرہانے تشریف لائے اور اُن کو پہلو کے بل سوتے ہوئے ملاحظہ فرمایا۔ اُن کے پہلو پر نشانات پڑے ہوئے تھے اور جسم اطہر پر مٹی لگی ہوئی تھی۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ”قم ابا تراب!“ (ابوتراب اٹھو!)۔ اُس روز سے اُن کی کنیت ابوتراب ہو گئی۔ علی علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رکھی ہوئی یہ کنیت اپنی اصل کنیت ابوالحسن کے مقابلہ میں بہت محبوب اور گرامی جانتے تھے۔ اُن کے مخالفین و معاندین اس کنیت کو بغرض تنقیص و تحقیر بولتے تھے حالانکہ اس میں اُن کی کمال تعظیم و تکریم ہے۔^①

① جمال الدین محدث، روضۃ الاحباب۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۱۵، ۱۱۶

سریہ دارِ اِرم

(سنہ ۲ ہجری)

روایت ہے کہ قریش کی ایک مسلح جماعت مسلمانوں کے خلاف کسی مہم پر مکہ سے نکلی تھی۔ اُس کا سردار بقول ابوسفیان بن حرب اور ایک قول کے مطابق عکرمہ بن ابو جہل تھا۔ حضور اکرم ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے ساٹھ مہاجرین کا ایک دستہ حضرت عبید بن حارث بن عبدالمطلبؓ کی سرکردگی میں اُس جماعت کی سرکوبی کے لیے ”دارِ اِرم“ کی جانب روانہ کیا۔ قریش کی اُس جماعت سے سامنا ہوا تو مسلمانوں نے اُن کو بھگانے کے لئے کچھ تیر ہوا میں چھوٹے چنانچہ وہ میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ مسلمانوں نے اُن کا پیچھا نہیں کیا اور مدینہ لوٹ آئے۔^①

عِلْم

احادیث میں لواء یعنی علم کا ذکر آیا ہے۔ علم اُس جھنڈے کو کہتے ہیں جو جنگوں میں کھڑا کیا جاتا ہے اور اس سے سپہ سالار کے مقام کا پتہ چلتا ہے۔ بسا اوقات علم کو مقدمۃ الجیش اٹھاتا ہے۔ اہل لغت کی ایک جماعت نے صراحت کی ہے کہ ”لواء“ اور ”راية“ ہم معنی ہیں۔ بعض کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ”لواء“ چھوٹے جھنڈے کو اور ”راية“ بڑے جھنڈے کو کہتے ہیں۔

مسند امام احمد اور ترمذی میں حضرت ابن عباسؓ سے ایک حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ”راية“ سیاہ اور ”لواء“ سفید تھا۔ طبرانی کے نزدیک بھی حضرت بریدہ سے ایسا ہی مروی ہے۔ ابن عدی کے نزدیک حضرت ابو ہریرہ سے اتنا زیادہ مروی ہے کہ اُس پر لکھا ہوا تھا ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ“۔^②

① شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۱۳

② شیخ عبدالحق محدث دہلوی، (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۱۴

سب سے پہلا علم

سریہ دار ارقم کے لیے ایک سفید علم تیار کیا گیا تھا جسے مسطح بن اثاثہ بن عباد بن مطلب بن عبد مناف قرشی نے اٹھایا تھا۔ بروایت سب سے پہلا علم جو لشکر اسلام کے لئے تیار ہوا وہ یہی تھا۔^(۱)

مندرجہ بالا قول سے لگتا ہے کہ یہ سریہ غزوہ ابواء سے پہلے ہوا کیونکہ غزوہ ابواء میں بھی علم تھا جسے حضرت حمزہ بن عبدالمطلب ؓ نے اٹھا رکھا تھا۔ ایک روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ پہلا علم سریہ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب ؓ میں تھا، اس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔ ایک اور روایت ابن اسحاق اور ابوالاسود نے عروہ سے کی ہے جس کے مطابق سب سے پہلا علم غزوہ خیبر میں تیار کیا گیا تھا۔^(۲)

سریہ عبد اللہ بن جحش یا سریہ نخلہ

(رجب ۲ ہجری / جنوری ۶۲۴ء)

مؤرخین لکھتے ہیں کہ سریہ عبد اللہ بن جحش جسے سریہ نخلہ بھی کہتے ہیں، رجب ۲ ہجری / جنوری ۶۲۴ء میں واقع ہوا۔ یہ سریہ حضرت عبد اللہ بن جحش ؓ سے منسوب ہے جو کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی اور اُم المومنین حضرت زینب بنت جحش ؓ کے بھائی تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو اٹھ اور بقولے بارہ افراد کے ساتھ جن میں سعد بن ابی وقاص، عکاشہ بن حُمن، عتبہ بن غزوان اور اقد بن عبد اللہ تمیمی وغیرہ شامل تھے، نخلہ کی ہم پر روانہ فرمایا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبد اللہ بن جحش کو روانہ کرتے وقت ایک بند لافافہ دیا اور فرمایا کہ دودن بعد اسے کھول کر پڑھنا اور اس میں دی گئی ہدایات پر عمل کرنا۔ دودن بعد حضرت عبد اللہ بن جحش نے اُس خط کو پڑھا، خط میں لکھا تھا کہ اے عبد اللہ! خدائے عَزَّوَجَلَّ اُس کی برکت

^(۱) سید امیر جمال الدین عطاء اللہ، روضۃ الاحباب

^(۲) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۱۳، ۱۱۴

کے ساتھ اپنے ساتھیوں کو لے کر اُس جگہ تک جاؤ جس کا نام ”بطن نخلہ“ ہے اور وہاں قیام کرو، تم پر لازم ہے کہ کسی کو اپنے ساتھ جبراً نہ لے جانا، جو جانا چاہے جائے اور جو نہ جانا چاہے لوٹ آئے۔“ چنانچہ حضرت عبداللہ بن جحشؓ حسبِ فرمان بطن نخلہ کی جانب روانہ ہوئے۔ مروی ہے کہ اُن کے ساتھیوں میں سے سعد بن ابی وقاص اور عتبہ بن غزو ان کہنے لگے کہ ہمارا اُونٹ جس پر ہم دونوں سوار ہوتے تھے گم ہو گیا ہے اور ہم اُسے تلاش کرنا چاہتے ہیں۔ پس وہ دونوں اُونٹ کو تلاش کرنے نکل گئے اور پیچھے رہ گئے۔ (رسول اللہ ﷺ کے خط میں یہ واضح ہدایت کہ ”اور تم پر لازم ہے کہ کسی کو اپنے ساتھ جبراً نہ لے جانا، جو جانا چاہے جائے اور جو نہ جانا چاہے لوٹ آئے۔“ کیا انہی دو اصحاب سعد بن ابی وقاص اور عتبہ بن غزو ان کے بارے میں تھی؟ کیا رسول اللہ ﷺ پہلے سے یہ جانتے تھے کہ یہ دونوں اصحاب حضرت عبداللہ بن جحش کے ساتھ ہم پر نہیں جائیں گے؟) پس حضرت عبداللہؓ بطن نخلہ پہنچے جہاں اُن کا ٹکراؤ عمرو بن حضرمی، حکم بن کیسان، عثمان بن عبداللہ اور اس کے بھائی نوفل بن عبداللہ مخزومی سے ہوا۔ بروایت اُس دن جب کی پہلی تاریخ تھی مگر مسلمانوں کو یہ شبہ ہوا کہ یہ جمادی الآخری آخری تاریخ ہے۔^①

پس اُنہوں نے جلدی کی کہ مبادا ماہِ رجب شروع ہو جائے اور اُس ماہِ حرام کی بے حرمتی ہو چنانچہ اُنہوں نے فوراً اُن پر حملہ کر دیا۔ (حرمت والے مہینے یعنی جن میں جنگ و جدال حرام تھا چار تھے، محرم، رجب، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ)^②

واقد بن تمیمی نے عمرو بن حضرمی پر ایک تیر چلایا جس سے وہ ہلاک ہو گیا۔ حکم بن کیسان اور عثمان بن عبداللہ کو گرفتار کر لیا گیا۔ باقی کفار بھاگ کھڑے ہوئے۔

حضرت عبداللہ بن جحش اُن قیدیوں کو بارگاہِ رسالت میں لائے۔ جب مشرکین اور یہود کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو اُنہوں نے طعنہ زنی شروع کر دی اور کہنے لگے کہ مسلمانوں نے ماہِ حرام کی بے

① شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۱۶، ۱۱۷

② محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری کتاب المغازی، باب حجة الوداع۔ حدیث ۴۴۰۶

حرمتی کی اور خون بہایا۔ حضور ﷺ نے حضرت عبداللہ بن جحش سے فرمایا کہ کیا میں نے تمہیں خبردار نہیں کیا تھا کہ ماہِ حرام میں قتال نہ کرنا۔ آپ ﷺ نے تنبیہ فرمائی اور اُن کے ساتھیوں پر بھی ناراضگی کا اظہار فرمایا چنانچہ حضرت عبداللہ اور اُن کے ساتھی پریشان و غمزدہ ہو گئے اور اپنے کیے پر پشیمان ہوئے۔ ہر چند کہ انہیں اس میں اشتباہ لاحق ہوا تھا پھر بھی وہ ڈر رہے تھے کہ اللہ کی طرف سے اُن پر کہیں غضب نازل نہ ہو مگر ساتھ ہی یہ اُمید بھی تھی کہ حق تعالیٰ اُن کی توبہ کو قبول فرما کر شاید درگزر فرمادے۔ بروایت اس موقع پر سورۃ البقرہ کی یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ ۖ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ ۖ وَصَدٌّ عَن
سَبِيلِ اللَّهِ وَكُفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِنْدَ اللَّهِ ۖ
وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۖ ①

(اے حبیب (ﷺ)! (مشرک) لوگ آپ (ﷺ) سے حرمت والے مہینے میں جنگ کرنے سے متعلق سوال کرتے ہیں۔ کہہ دیجئے اس میں جنگ کرنا بڑا جرم ہے (مگر) خدا کی راہ سے روکنا، اور اُس کا انکار کرنا اور مسجد (کی حرمت) کا انکار کرنا (اور لوگوں کو اس سے روکنا) اور اُس کے باشندوں کو وہاں سے نکالنا۔ خدا کے نزدیک اس (جنگ) سے بھی بڑا جرم ہے۔ اور فتنہ گری قتل سے بھی زیادہ سنگین گناہ ہے)

اس کے بعد حضرت عبداللہ بن جحش کے دل سے غم کا بوجھ اُتر گیا اور اُن کے ساتھیوں نے خوشی و مسرت کا اظہار کیا۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی مُحَمَّدٍ ۝



تحویلِ خانہ کعبہ

(شعبان سنہ ۲ ہجری / جنوری، فروری ۶۲۴ء)

شعبان سنہ ۲ ہجری (جنوری، فروری ۶۲۴ء) میں قبلہ کا رخ تبدیل کر کے بیت المقدس سے خانہ کعبہ کی طرف کر دیا گیا۔ یہ تبدیلی دورانِ نماز ہوئی تھی اور صرف حضرت علی علیہ السلام نے حضور ﷺ کی پیروی کرتے ہوئے اپنا رخ خانہ کعبہ کی طرف تبدیل کیا۔ حضرت علی علیہ السلام فرمایا کرتے تھے، ”أَنَا مُصَلِّي الْقِبْلَتَيْنِ“، یعنی میں وہ ہوں جس نے (بیک وقت) دو قبلوں کی طرف نماز پڑھی۔^①

رسول اکرم ﷺ کے مدینہ منورہ میں تشریف لانے کے بعد سولہ یا سترہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی جاتی رہی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قبلہ خانہ کعبہ تھا، آنحضرت ﷺ کی خواہش تھی کہ خانہ کعبہ ہی مسلمانوں کا قبلہ ہو اس لیے آپ ﷺ اس کے لیے وحی کے منتظر رہتے تھے۔^② چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کی تمنا پوری فرمائی اور بقولے نمازِ ظہر کے دوران یا بروایت نمازِ عصر کے دوران،^③ یعنی عین حالتِ نماز میں جبرائیل علیہ السلام یہ آیت لے کر نازل ہوئے، ”قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا ۚ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ“،^④

(اے محبوب! بے شک ہم نے آپ (ﷺ) کو آسمان کی جانب اپنا چہرہ بار بار کرتے دیکھا تو ضرور ہم اُسی قبلہ کی طرف آپ (ﷺ) کو پھیر دیں گے جس سے آپ (ﷺ) راضی ہیں، تو اے محبوب! اپنا رخ مسجدِ حرام کی جانب پھیر لو)

① علامہ نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۲ء)، چودہ ستارے، ص ۶۵

② شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۰۷

③ صحیح بخاری حدیث ۴۵۲۰، ۴۵۲۱، ۴۵۲۲، جمال الدین محدث، روضة الاحباب

④ سورة البقرة، آیت ۱۴۴

ادھر حکم الہی ہوا اُدھر رسول اللہ ﷺ نے حالتِ نماز میں ہی اپنا رخ بیت المقدس سے خانہ کعبہ کی طرف موڑ لیا، اس طرح خانہ کعبہ مسلمانوں کا قبلہ قرار پایا، چنانچہ ہر مسلمان، چاہے وہ کسی بھی خطہ ارض پر موجود ہو اُسی کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتا ہے۔ یہاں یہ سوال اہم اور دلچسپ ہو گا کہ اگر کوئی مسلمان چاند یا کسی اور سیارے پر موجود ہو تو وہ کس طرف رخ کر کے نماز پڑھے گا؟ علماء کرام کا کہنا ہے کہ وہ زمین کی طرف رخ کریگا کیونکہ خانہ کعبہ زمین پر موجود ہے۔ واضح ہو کہ چاند اور دیگر سیاروں سے زمین اُسی طرح دکھائی دیتی ہے جس طرح زمین سے وہ نظر آتے ہیں۔ تحویل کعبہ کا واقعہ جس مسجد میں پیش آیا اُسے ”مَسْجِد قِبْلَتَيْنِ“ یعنی دو قبلوں والی مسجد کہتے ہیں۔ یہ مسجد بئر رومہ کے قریب مدینہ منورہ کے محلہ بنو سلمہ میں واقع ہے۔ مسجد کی نئی عمارت کی دو منزلیں ہیں جبکہ میناروں اور گنبدوں کی تعداد بھی دو، دو ہے۔ مسجد کا مجموعی رقبہ ۳۹۲۰ مربع میٹر ہے۔ اس مسجد میں دو محراب ہیں۔ ایک حقیقی محراب ہے جس کا رخ خانہ کعبہ کی طرف ہے جبکہ بیت المقدس کی سمت والے محراب کی علامت بنائی گئی ہے جو مسجد کے داخلی دروازے کے اوپر واقع ہے۔

روزہ

(شعبان دو ہجری / فروری ۶۲۴ء)

جنگ بدر سے پہلے، شعبان دو ہجری (فروری ۶۲۴ء) میں روزہ فرض کیا گیا۔ پس ارشاد پروردگار ہوا، ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ“ (اے ایمان والو! روزہ اس طرح تم پر لکھ دیا گیا ہے (فرض کر دیا گیا ہے) جس طرح تم سے پہلے والوں پر لکھ دیا گیا تھا۔ تاکہ تم پر ہیز گار بن جاؤ)۔^①

① سورة البقرة، آیت نمبر ۱۸۳

غزوہ بدر

(۱۷ یا ۱۹ رمضان المبارک / ۱۳ یا ۱۵ مارچ ۶۲۴ء)

یہ غزوہ، بدر کے مقام پر ہجرتِ نبوی کے اُنیس ماہ بعد ۱۷ یا ۱۹ رمضان المبارک بمطابق ۱۳ یا ۱۵ مارچ سنہ ۶۲۴ء کو ^(۱) اور ایک قول کے مطابق ۱۲ تا ۱۷ رمضان المبارک بمطابق ۸ مارچ تا ۱۳ مارچ سنہ ۶۲۴ء میں وقوع میں آیا۔ ^(۲)

اس کو ”غزوہ بدر کبریٰ“ اور ”غزوہ بدر عظمیٰ“ بھی کہتے ہیں۔ یہ غزوہ چونکہ رمضان المبارک میں ہوا چنانچہ رسول اللہ ﷺ اُس سال ”اعتکاف“ نہ فرما سکے جس کے بدلے اگلے سال آپ ﷺ نے بیس دن کا اعتکاف فرمایا، دس دن اِس سال کے اور دس گزشتہ سال کی قضا کے طور پر۔ ^(۳)

بروایت ”بدر“ کا نام، بدر بن محمد بن نضر بن کنانہ کے نام پر رکھا گیا تھا کیونکہ اُس نے وہاں قیام کیا تھا۔ ایک روایت کے مطابق وہاں پر ایک بوڑھا شخص عرصہ دراز سے مقیم تھا جس کا نام بدر تھا اور یہ بستی اُسی کے نام سے موسوم ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس بستی کا نام بدر بن حارث کے نام پر مشہور ہوا جس نے وہاں ایک کنواں کھودا تھا۔ ^(۴)

غزوہ بدر کا پس منظر

غزواتِ نبی ﷺ میں سے یہ غزوہ بہت اہم اور عظیم تھا۔ کیوں کہ اس میں پہلی مرتبہ باقاعدہ اور منظم طریقے سے کفار کی فوج اور چند مسلمان مجاہدین، جنگ کے لئے ایک دوسرے کے آمنے سامنے صف آرا ہو رہے تھے۔ کفار عرصہ دراز سے اس جنگ کی تیاریوں میں مصروف تھے۔

^(۱) علامہ علی نقی، تاریخ اسلام، ص ۱۷۲ بحوالہ سید محسن امین عالمی (متوفی ۱۹۵۳ء)، اعیان الشیعہ، ج ۲ ص ۱۵۲

^(۲) ذاکر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبرِ اعظم و آخرِ صلی اللہ علیہ وسلم ص ۴۶۱

^(۳) فقہ الرضا علیہ السلام، مطبوعہ طہران ص ۲۱

^(۴) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۱۸

انہوں نے اپنے سارے وسائل اس میں جھونک دیے تھے اور وہ مسلمانوں کا قلع قمع کرنے کے لئے پوری طرح کمر بستہ تھے۔ یہ جنگ مسلمانوں کی ہلاکت و بربادی اور تحریک اسلام کے استیصال (جڑ سے اکھاڑنا) کا سبب بھی بن سکتی تھی اس لئے اس میں فتح یاب ہونا از بس ضروری تھا۔ چنانچہ گھمسان کا رن پڑا اور ربُّ الافواج نے اپنے جسمانی طور پر کمزور اور ایمانی طور پر مضبوط بندوں کو طاقتور مشرکوں پر فتح و نصرت عطا فرمائی، عزت و بزرگی سے سرفراز کیا اور فرمایا:

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ ۖ^①

(بے شک بدر میں اللہ تمہاری مدد کر چکا تھا حالانکہ تم (اُس وقت) بہت کمزور تھے)

اس غزوہ کے دن کو ”یوم الفرقان“ بھی کہتے ہیں کیونکہ اس دن حق و باطل کے درمیان فرق و امتیاز واضح ہوا تھا۔

مسلمان اگرچہ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ چلے آئے تھے لیکن کفارِ مکہ ابھی تک انہیں اپنا مجرم سمجھتے ہوئے اُن کے تعاقب میں تھے۔ وہ اس تاک میں تھے کہ کب موقع ملے تو مسلمانوں پر ایک کاری ضرب لگائیں، ایسی ضرب جس سے مسلمان اور اُن کا دین دونوں نابود ہو جائیں۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے متحد ہو کر ایک بہت بڑی جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں اور جنگ کے لئے اسلحہ اور دیگر ساز و سامان حاصل کرنے کے لئے کثیر سرمایہ بھی جمع کیا۔

تافلہ

مؤرخین لکھتے ہیں تمام کافروں نے سرمایہ جمع کرنے کی مہم میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا حتیٰ کہ خواتین نے اپنے طلائی زیورات تک جنگ کے فنڈ میں جمع کر دیے۔ جمع شدہ مال میں خوب اضافہ کرنے کی خاطر اُسے تجارت میں لگانے کا منصوبہ بنایا گیا چنانچہ یوسفیان اُس جمع شدہ مال سے تیار کیا گیا

① سورۃ آل عمران، آیت ۱۲۳

ایک بہت بڑا تجارتی قافلہ لے کر شام روانہ ہوا۔ مؤرخین کے اندازے کے مطابق قافلے میں پچاس ہزار سُرخ دینار (سونے کی اشرفیاں) کی مالیت کا تجارتی سامان تھا۔ اتنی بڑی مالیت کے تجارتی سامان کے ساتھ سفر کرتے ہوئے ابوسفیان خوفزدہ تھا کہ میرے ساتھ تو محافظ بھی صرف تیس چالیس ہیں، کہیں راہزنی کی کوئی واردات ہی نہ ہو جائے۔ چنانچہ وہ پھونک پھونک کر آگے بڑھ رہا تھا۔ واپسی پر بدر کے ایک کنوئیں پر اُس کی ملاقات اپنے ایک دوست مجدی بن عمرو جہنی سے ہوئی۔ مجدی علاقے کا سردار تھا، ابوسفیان نے اُس سے معلومات حاصل کرتے ہوئے پوچھا کہ تم نے آس پاس اجنبی یا مشکوک لوگ تو نہیں دیکھے؟ مجدی نے بتایا کہ ابھی کچھ دیر پہلے اس کنوئیں پر دو اجنبی آئے تو تھے۔ ابوسفیان نے کنوئیں کی طرف نگاہ دوڑائی تو اُسے اُونٹ کی تازہ میٹینیاں نظر آئیں۔ وہ فوراً اُن کی طرف لپکا اور اُنہیں توڑ کر اُن کا جائزہ لینے لگا۔ عرب کے لوگ قیافہ شناسی میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے، سواری کے پاؤں کے نشان اور میٹکینوں کو دیکھ کر سواری اور اُس کے سوار کے متعلق قیاس کرنا اُن کے لئے ایک عام سی بات تھی۔ اس لئے ابوسفیان بھانپ گیا کہ آنے والوں کا تعلق مدینہ سے تھا۔ وہ اس وہم میں مبتلا ہو گیا کہ مسلمان اُس کی جاسوسی کر رہے ہیں اور کسی وقت بھی قافلہ پر حملہ آور ہو سکتے ہیں، پس وہ تیزی سے لوٹا اور قافلے کا سُرخ بدر سے موڑ کر ساحلی راستے سے مکہ کی طرف روانہ ہو گیا، ساتھ ہی اُس نے ایک تیز رفتار سوار جس کا نام ضم ضم بن عمرو غفاری تھا مکہ روانہ کر دیا تاکہ وہ مکہ والوں کو مسلمانوں کے ممکنہ حملے کی خبر کرے اور وہاں سے قافلے کی حفاظت کے لئے کمک روانہ کرے۔

ضم ضم نے مکہ پہنچ کر کفار قریش کو ابوسفیان کا پیغام خوب بڑھا چڑھا کر سنایا۔ بروایت، اُس نے دہشت پھیلانے کے لئے مکہ میں داخل ہونے سے پہلے اپنے اُونٹ کی کیل کاٹ ڈالی، پالان شتر اُلٹ دیا، اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور چیخنا شروع کر دیا کہ اے قریش والو! تمہارے تمام اموال جو ابوسفیان کے ساتھ ہیں، اُن پر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اُن کے اصحاب نے حملہ کر دیا ہے، جلدی خبر لو، الغوث! الغوث! (فریاد ہے! فریاد ہے!)۔ اُس کی حالت زار کو دیکھ کر اور چیخ و پکار سن کر قریش

بدحواس ہو گئے اور فوراً قافلے کی طرف جانے پر تیار ہو گئے۔^(۱) حالانکہ حقیقت یہ تھی مسلمانوں نے کبھی کسی قافلے کو نہیں لوٹا تھا اور نہ ہی اُن کا کوئی ارادہ اُس قافلے پر حملہ آور ہونے کا تھا۔ ابو جہل کہنے لگا کہ محمد (ﷺ) اور اُن کے ساتھی اس غلط فہمی میں ہیں کہ یہ قافلہ عمرو بن الحضرمی کی جماعت جیسا ہے، خدا کی قسم! ایسا نہیں ہے۔ (اُس کا اشارہ اسی سال رجب میں ہونے والے سریہ عبداللہ بن جحش جسے سریہ نخلہ بھی کہتے ہیں، کی طرف تھا۔ اُس سریہ میں عمرو بن حضرمی مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ اس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔ مؤلف)

مؤرخین لکھتے ہیں کہ ابوسفیان کے ایلچی نے مکہ والوں کو مسلمانوں کے ہاتھوں قافلے کی متوقع غارت گری کی خبر اس انداز میں دی کہ مکہ میں ایک ہیجان پیدا ہو گیا اور قریش غضبناک ہو کر مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔

میرے خیال میں یوں کہنا زیادہ مناسب ہے کہ قریش تو پہلے ہی مسلمانوں کے ساتھ ایک بڑی جنگ کے لئے کمر بستہ تھے، ابوسفیان کا بلاوا آیا تو فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے۔

سچا خواب

مردی ہے کہ ضم ضم کے مکہ پہنچنے سے پہلے ہی حضرت عاتکہ بنت عبدالمطلب نے ایک خواب دیکھا کہ کچھ شتر سوار آئے ہیں اور مقام اُطح پر کھڑے باواز بلند کہہ رہے ہیں کہ اے قریش کے لوگو! جلدی کرو اور اپنی قتل گاہ کی طرف آؤ۔ ابو جہل نے یہ خواب سنا تو حضرت عباس (ؓ) سے کہنے لگا کہ تم میں یہ عورت کب سے ”نبی“ بنی ہے؟ کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تمہارے مرد ہی نبوت کا دعویٰ کریں جو اب یہ عورت بھی مدعی بن گئی ہے؟ میں تین دن تک انتظار کروں گا، اگر اس خواب کی کوئی تعبیر رونما نہ ہوئی تو میں عرب کے تمام قبیلوں کو لکھ بھیجوں گا کہ بنی ہاشم عرب میں سب سے زیادہ دروغ گو ہیں۔^(۲)

^(۱) ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ ہجری)، تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۷۲

^(۲) شیخ عبدالحق محدث دہلوی، (متوفی ۱۶۲۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۲۰

ایک اور روایت کے مطابق حضرت عاتکہ نے جنگ بدر سے کچھ دن پہلے خواب میں دیکھا کہ ایک سوار نے کوہ ابو قیس سے ایک پتھر اٹھا کر رکن کعبہ پر کھینچ مارا، وہ پتھر ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو گیا اور اُس کے ریزے بنو ہرہ کے سوا قریش کے ہر گھر میں جا گرے۔ یہ خواب سن کر کافروں نے خوب ہنسی اڑائی اور کہنے لگے کہ اب تو بنی ہاشم کی عورتیں بھی نبوت کرنے لگیں۔ لیکن اس خواب کا نتیجہ وہی نکلا جو خواب میں دکھایا گیا تھا۔^①

تاریخ میں ایک خواب ضم ضم سے بھی نقل کیا گیا ہے۔ اُس نے کہا کہ جس وقت میں قافلہ سے الگ ہو کر مکہ کی طرف چلا تو میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک اُونٹ پر سوار ہوں اور ایک ایسی گھائی سے گزر رہا ہوں جو خون سے لبریز ہے۔ چنانچہ بیدار ہوا تو میں سمجھ گیا کہ قریش کو کسی بڑی مصیبت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ مؤرخین بیان کرتے ہیں کہ ضم ضم کے اس خواب سے بنی ہاشم بہت خوش ہوئے کیونکہ یہ خواب حضرت عاتکہ کے خواب کی شہادت دے رہا تھا۔^②

ایسی ایک اور روایت بھی ملتی ہے جس کے مطابق جب قریش کا لشکر جحفہ پہنچا تو جہم بن صلت بن مخزوم بن مطلب بن عبد مناف نے خواب میں دیکھا کہ ایک گھڑ سوار آ رہا ہے جس کے ساتھ ایک اُونٹ بھی ہے اور وہ کہہ رہا ہے کہ عقبہ، شیبہ، ابوالحکم بن ہشام (ابو جہل) اُمیہ اور فلاں فلاں مارے گئے ہیں۔ پھر اُس نے اپنے اُونٹ کی گردن پر چھری چلائی تو خون کے چھینٹے لشکر کے تمام خیموں پر پڑے۔ اُونٹ ذبح کر کے وہ شخص چلا گیا۔ یہ خواب ابو جہل نے سنا تو کہنے لگا کہ بنی مطلب میں یہ ایک اور نبی پیدا ہو گیا ہے۔ جو قوت و اتحاد ہمیں حاصل ہے اُس کی وجہ سے غنقریب سب کو معلوم ہو جائے گا کہ خون کس کا بہتا ہے؟^③

① قاضی محمد سلمان منصور پوری، کتاب: رحمۃ للعالمین ﷺ، ج ۲ ص ۳۴۸

② شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۲۰

③ شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۲۲

لشکرِ کفار کی جنگ کے لئے روانگی

کفار نے بہت زور و شور سے جنگ کی تیاریاں کیں جو مکمل ہوئیں تو منادی کرا دی گئی کہ ہر پیرو جو اس جنگ کے لئے مکہ سے باہر آجائے اور جو کسی مجبوری کی بنا پر خود نہیں آ سکتا وہ اپنی جگہ کسی دوسرے کو بھیجے۔ قریش کے سرداروں میں سے ابولہب کے سوا کسی نے توقف نہ کیا، اُس نے اپنی جگہ ابوالنختری عاص بن ہشام بن مغیرہ کو بھیجا۔^(۱) اُمیہ بن خلف نے بھی بہت چاہا کہ مکہ سے باہر نہ جائے مگر ابو جہل نے، جو اس جنگ کے لئے پیش پیش تھا، اُس کی ایک نہ چلنے دی۔ دراصل اُمیہ بن خلف موت سے خوف زدہ تھا، اُس نے سُن رکھا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی موقع پر حضرت سعد بن معاذؓ سے فرمایا تھا کہ اُمیہ بن خلف میرے صحابہ کے ہاتھوں مارا جائے گا۔ چونکہ قریش نبی اکرم ﷺ کو ”صادق“ مانتے تھے چنانچہ آپ ﷺ کی پیشین گوئی اُس کے نزدیک بلا شک و تردید سچی تھی۔ ابو جہل کو اُس کے انکار کی خبر ہوئی تو اُس کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اے ابوصفوان! تُو مکہ والوں کا سردار ہے جب اُنہیں معلوم ہوگا کہ تُو پیٹھ دکھا رہا ہے تو سب ہمت ہار بیٹھیں گے اور یہ مہم ناکام ہو جائے گی۔ اُس نے اتنا اصرار کیا کہ آخر کار اُمیہ بن خلف کو بادل ناخواستہ آمادہ ہونا ہی پڑا۔

روایت ہے کہ ابو جہل خانہ کعبہ کی چھت پر چڑھ گیا اور چیخ چیخ کر کہنے لگا، ”اے مکہ والو! جلدی کرو، باہر نکلو اور اپنے اموال اور قافلے کے پاس پہنچو۔ اگر محمد (ﷺ) کے ساتھی تم سے پہلے پہنچ گئے تو پھر تمہاری خیر نہیں ہے۔“ اُس کی آواز پر ایک ہزار جنگجو بصد کڑ و فرا و غر و ر و تکبر نکل آئے۔ وہ لڑنے کے لئے سامانِ حرب سے پور طرح لیس تھے اور اپنی متوقع فتح کا جشن منانے کے لئے آلاتِ موسیقی بھی اٹھائے ہوئے تھے۔

^(۱) ابوجعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۷۱

بعض لوگ لکھتے ہیں کہ جب ابوسفیان اپنے قافلے کو نکال لے گیا تو ایک فرستادہ قریش کے پاس بھیجا کہ قافلہ اب خطرے سے باہر نکل آیا ہے لہذا تم لوگ لوٹ جاؤ۔ قریش کے کچھ اور لوگوں کی بھی یہی رائے تھی لیکن جبلاء کے سر پر جہالت کا بھوت سوار تھا اور وہ جنگ کے لئے بیتاب تھے۔ ابو جہل خون گرفتہ، جو کبھی بھی فتنہ و فساد سے باز نہ آتا تھا، کہتا تھا، ”ہم محمد (ﷺ) سے ضرور جنگ کریں گے، خدا کی قسم! ہم بدر پہنچنے بنا لوٹ نہیں سکتے۔“^①

بروایت اُس نے کہا، ”ہم وہاں تین دن قیام کریں گے، اُونٹوں کو ذبح کر کے کھائیں گے، شراب پیئیں گے، گانے سنیں گے، جشن منائیں گے اور خوب لطف اندوز ہوں گے تاکہ ہماری شان و شوکت کا چرچا چہار سو ہو جائے، پھر سبھی ہم سے خوف کھائیں گے۔“ بقول ابوسفیان نے اپنی تو روانہ کر دیا لیکن جب اُس کا قافلہ مکہ پہنچ گیا تو اُس کا ارادہ بدل گیا اور وہ بھی بدر جانے کے لئے قریش کے لشکر میں شامل ہو گیا۔

اکثر محققین یہ بھی لکھتے ہیں کہ قریش کا لشکر قافلے کے مکہ پہنچنے سے پہلے ہی بدر کی طرف روانہ ہو چکا تھا۔ ایک طرف سے قافلہ آ رہا تھا اور دوسری طرف سے قریش کی فوج پیش قدمی کر رہی تھی، جس کی روانگی مسلمانوں کی طرف سے کسی حملے کے امکان پر مبنی نہ تھی۔ اس کے برعکس مسلمانوں کو جنگ کے لئے روانگی کا حکم فوج کفار کے مدینہ کے قریب پہنچ جانے کے بعد ہوا۔^②

اس کی تاویل قرآن کریم کی اس آیت مبارکہ سے کی جاتی ہے:

”إِذْ أَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدَّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوَى وَالرَّكْبُ أَسْفَلَ مِنْكُمْ ط“

(جس وقت تم قریب کے ناکہ پر تھے اور وہ دور کے ناکہ پر اور قافلہ تم سے ادھر نیچے تھا)^③

① ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ ہجری)، تاریخ طبری، ج ۲ ص ۲۷۸

② علامہ علی نقوی، تاریخ اسلام، حصہ دوم ص ۱۷۶

③ سورة الانفال، آیت ۴۲

لشکرِ کفار کی تعداد

مشرکین کے لشکر میں ایک ہزار نو سو پچاس (۱۹۵۰) اور بقولے ایک ہزار (۱۰۰۰) جنگجو تھے۔^①

لشکرِ کفار کا سامانِ حرب

لشکرِ قریش کے ساتھ تین سو (۳۰۰) گھوڑے اور سات سو (۷۰۰) اُونٹ تھے جو مکمل ساز و سامان سے آراستہ تھے۔^② سوار اور پیادہ سبھی زرہ پوش تھے۔ اُن کے ہمراہ گانے والی عورتیں اور آلاتِ موسیقی بھی تھے۔ دورانِ سفر وہ جہاں ٹھہرتے، وہ عورتیں گانا بجانا شروع کر دیتیں اور اپنے گیتوں کے ذریعے اہل اسلام پر زبانِ طعن دراز کرتیں۔ قریش کے سرداروں میں سے کوئی نہ کوئی سب کے لئے کھانا تیار کروا تا جس میں روزانہ دس اُونٹ ذبح کئے جاتے تھے۔^③

جبرائیل علیہ السلام کی اطلاع اور مجلسِ مشاورت

لشکرِ کفار کے پیش قدمی کرتے ہی جبرائیل علیہ السلام بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور حضور ﷺ کو اس کی اطلاع دی۔ آپ ﷺ نے اُسی وقت مجلسِ مشاورت منعقد کی، لوگوں کو صورتِ حال سے آگاہ کیا اور فرمایا، 'أَشِيرُوكُمْ عَلَى أَيْمَنَ النَّاسِ!' اے لوگو! تمہاری کیا رائے ہے؟ کچھ لوگ پریشان ہو گئے اور کہنے لگے کہ یا نبی اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے ہمیں پہلے کیوں نہیں بتایا؟ اگر پہلے خبر کر دی ہوتی تو ہم سامانِ حرب کا انتظام کر کے جنگ کے لئے تیار ہو جاتے، اور اب ہم تیار نہیں ہے اس لئے آپ ﷺ جنگ سے اجتناب ہی کریں۔ حضور ﷺ یہ سن کر غضبناک ہو گئے اور چہرہ انور سرخ ہو گیا۔

① مسٹر کے اے حمید، مسلمانانِ عالم حصہ اول ص ۷۴

ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری ج ۲ ص ۱۲۸

② مسٹر کے اے حمید، مسلمانانِ عالم حصہ اول ص ۷۴

③ ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۷۰

مہاجرین میں سے کچھ صحابہ کرام ؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی وفاداری و جاں نثاری کا یقین دلایا، اُن میں حضرت مقداد ؓ بھی تھے۔ ابن اسحاق روایت کرتے ہیں کہ مقداد ؓ کھڑے ہوئے اور عرض کی، ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم جہاں چاہیں ہمیں لے جائیں، ہم کبھی بھی وہ بات منہ سے نہ نکالیں گے جو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہی تھی یعنی آپ اور آپ کا خدا دونوں چلے جائیں اور جا کر لڑیں ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! قسم ہے اُس ذات کی جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا، جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم جائیں گے ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جائیں گے، چاہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ”برگ الغماد“ (حبشہ کے شہروں میں سے ایک شہر) تک ہی کیوں نہ جائیں اور ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر مردانہ وار لڑیں گے۔“ حضرت مقداد ؓ کی بات سُن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا اور اُن کے لئے دعائے خیر کی۔^①

حضرت عبد اللہ بن مسعود ؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے مقداد ؓ کا جو موقف دیکھا وہ اگر مجھے حاصل ہوتا تو میرے لئے دُنیا کی ہر چیز سے زیادہ پسندیدہ ہوتا۔ وہ ایک شہسوار شخص تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب غضبناک تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں رخسار سرخ ہو گئے تھے تو اُس حالت میں وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! بخدا ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اُس طرح نہیں کہیں گے جس طرح بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ تم اور تمہارا پروردگار جاؤ، ہم تو یہاں بیٹھے رہیں گے۔ بلکہ قسم اُس کی جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا ہے کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے پیچھے اور دائیں بائیں رہیں گے یہاں تک کہ اللہ عزوجل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح و نصرت سے ہمکنار کرے گا۔^②

① ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۷۳

② ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۷۴

پھر آپ ﷺ انصار کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا، ”تم کیا مشورہ دیتے ہو؟“

یاد رہے کہ بیعت عقبہ کے موقع پر انصار نے کہا تھا کہ ہم اُس وقت تک آپ ﷺ کی حفاظت کے ذمہ دار نہیں جب تک کہ آپ ﷺ ہمارے گھر (مدینہ) نہیں تشریف لاتے۔ جب آپ ﷺ ہمارے ہاں تشریف لے آئیں گے تو ہم آپ ﷺ کی حفاظت ایسے کریں گے جیسے اپنے بیوی بچوں کی کرتے ہیں۔ عہد و پیمان کے اس انداز میں یہ پہلو نکلتا ہے کہ اُس وقت انصار مدینہ کے اندر تو آپ ﷺ کی حفاظت کی ذمہ داری قبول کر رہے تھے لیکن مدینہ سے باہر نہیں۔ پس آپ ﷺ نے اسی نقطہ نظر سے دریافت فرمایا کہ تم اس سلسلہ میں کیا رائے دیتے ہو؟

انصار میں سے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، ”یا رسول اللہ (ﷺ)! کیا یہ سوال ہم سے ہے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا، ”ہاں!“ ابن معاذ نے عرض کیا، ”یا نبی اللہ (ﷺ)! ہم آپ (ﷺ) پر ایمان لائے ہیں، آپ (ﷺ) کی تصدیق کی ہے اور ہر اُس امر کی گواہی دی ہے جو آپ ﷺ اللہ کی طرف سے لائے ہیں۔ ہم نے اپنے عہد و پیمان کے ذریعہ اطاعت اور فرمانبرداری کا آپ (ﷺ) کو یقین دلایا ہے لہذا چلیے جہاں آپ (ﷺ) کی مرضی ہو، قسم ہے اُس ذاتِ کریم کی جس نے آپ (ﷺ) کو حق کے ساتھ بھیجا، ہم آپ (ﷺ) کے پیچھے دریا میں بھی اتر جائیں گے اور ہم میں سے کوئی پیچھے نہ رہے گا، ہمیں اپنے دشمن کے ساتھ نکرانے میں کوئی عذر نہیں ہے، دشمن سے لڑائی کے وقت آپ (ﷺ) ہمیں صابروں اور صادقوں میں سے پائیں گے اور اُمید ہے کہ اُس وقت اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے آپ (ﷺ) کے قلب و نظر کو ٹھنڈک اور روشنی عطا کرے گا، لہذا آپ (ﷺ) جہاں چاہیں ہمیں لے جائیں۔“

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی پر خلوص اور جذبہ ایمانی سے لبریز گفتگو سماعت فرما کر حضور ﷺ خوش ہوئے اور فرمایا، ”اللہ تعالیٰ اپنی برکت کے ساتھ تمہیں خوش رکھے، تمہیں نوید ہو کہ فتح تمہاری ہی ہے۔“

بلاشبہ حق تعالیٰ نے مجھ سے نصرت کا وعدہ فرمایا ہے۔^(۱) روایت ہے کہ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ خدا کی قسم! (گویا کہ) میں اُن (کافروں) کا مقتل دیکھ رہا ہوں۔“ چنانچہ آپ ﷺ نے کفار کے بدر میں مارے جانے کے مقامات کی طرف اشارہ فرمایا۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے، ”رسول اللہ (ﷺ) زمین پر اپنا دست مبارک رکھ کر فرماتے تھے کہ یہ فلاں کے مرکز کرنے کی جگہ ہے، یہ فلاں کے ہلاک ہونے کی جگہ ہے، یہ فلاں کا مقتل ہے اور یہ فلاں کی قتل گاہ ہے، پس قتل ہونے والے ایک ایک کافر کا نام اور اس کے مقتل کا نشان بتایا اور اُن میں سے کوئی بھی حضور ﷺ کی بتائی ہوئی جگہ کی بجائے کہیں اور نہ مارا گیا۔“^(۲)

شکر اسلام کی روانگی

روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابولبابہؓ انصاریؓ کو مدینہ میں عامل مقرر کیا اور مسلمانوں کی ایک مختصر جماعت کے ساتھ لشکر قریش کی سرکوبی کے لئے بدر کی طرف روانہ ہوئے۔^(۳) یہ ۸ مارچ ۶۲۴ء یعنی ہجرت کا انیسواں مہینہ اور رمضان المبارک کی ۱۲ یا ۸ تاریخ تھی۔ بروایت آپ ﷺ نے حضرت عمرو بن اُمّ کلثومؓ کو مدینہ کا عامل مقرر فرمایا تھا لیکن روجاء کے مقام پر پہنچ کر حضرت ابولبابہ بن عبدالمنذرؓ کو قائم مقام حاکم بنا کر واپس بھیج دیا۔^(۴) اس مرتبہ آپ ﷺ کے ساتھ انصار بھی تھے حالانکہ اس سے پہلے انہوں نے کسی غزوہ یا سریہ میں شرکت نہیں کی تھی۔ مؤرخین نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ بیعت عقبہ میں انہوں نے یہ پیمانہ کیا تھا کہ وہ حضور ﷺ کی حفاظت اور دشمنانِ دین سے مدافعت اپنے گھروں میں یعنی

^(۱) ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۷۴

^(۲) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۲۲

^(۳) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۱۸

^(۴) ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: ہینغیر اعظم و آخر ﷺ ص ۶۳

مدینہ میں کریں گے چنانچہ انہوں نے ہمیشہ ایسا ہی کیا، یا اُس پیمان کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے ہی انہیں کبھی کسی مہم پر روانہ نہ کیا۔

اسلامی لشکر کی تعداد

اس غزوہ میں مسلمانوں کی تعداد تین سو تیرہ (۳۱۳) تھی۔ بقول ابن عباسؓ ان میں ستر (۷۷) مہاجرین اور دو سو چھتیس (۲۳۶) انصار تھے۔^① تمام مسلمان روزے سے تھے۔

بروایت حضور اکرم ﷺ کے ہمراہ صرف تین سو پانچ (۳۰۵) اصحاب تھے جن میں سے اسی (۸۰) مہاجرین اور دو سو پچیس (۲۲۵) انصار تھے۔ باقی آٹھ (۸) اصحاب وہ تھے جو کسی عذر کی وجہ سے نہیں آئے تھے اور چونکہ اموال غنیمت میں سے اُن کو بھی حصہ عطا کیا گیا تھا چنانچہ اہل سیر اُن کو بھی اہل بدر میں شمار کرتے ہیں، اُن میں سے تین (۳) مہاجرین تھے جن میں سے ایک حضرت عثمان بن عفانؓ تھے، دوسرے طلحہ اور تیسرے سعید بن زید اور باقی پانچ (۵) انصار تھے۔^②

لشکرِ اسلام کے علم اور علمبردار

اعلانِ بعثت کے وقت حضرت علیؓ کی عمر صرف دس سال تھی اس کے بعد تیرہ سال جو مکہ میں گزرے وہ تمام زحمتوں، مشقتوں اور قریش کی سازشوں کا سامنا کرتے ہوئے بسر ہوئے جن میں جنگ کی نوبت کبھی نہیں آئی جو آپؐ تیغ آزمائی کرتے۔ جنگ بدر اس لحاظ سے پہلا موقع تھا اور یہ حبیبِ خدا ﷺ کی نگاہِ انتخاب تھی جو علیؓ ابن ابی طالبؓ کی صلاحیتوں کو بغیر کسی آزمائش کے خوب دیکھ رہی تھی جیسی جناب حمزہؓ جیسے مرد میدان کے موجود ہونے کے باوجود آپ ﷺ نے مہاجرین کا علم جناب علیؓ ابن ابی طالبؓ کے سپرد کیا جبکہ انصار کا علم

① ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۷۲

② شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۱۹

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو دیا۔^(۱) بروایت اس غزوہ میں لشکرِ اسلام کے تین علم تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسرا علم حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو دیا جس کا رنگ سفید تھا۔^(۲)

اسلامی لشکر کا سامانِ حرب

اس غزوہ کی تیاری میں مسلمانوں نے حتی المقدور حصہ لیا تھا لیکن محدود وسائل کی بنا پر اسلحہ، رسدا اور سواری کا خاطر خواہ انتظام نہ ہو سکا جس کی وجہ سے اُن کے پاس صرف دو یا تین (۲ یا ۳) گھوڑے، ستر (۷۰) اونٹ، چھ (۶) زریں اور آٹھ (۸) تلواریں تھیں۔ ایک اونٹ پر چار یا پانچ مسلمان باری باری سواری کرتے تھے۔^(۳) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری میں حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ شامل تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیدل چلنے کی باری آتی تو یہ دونوں جاں نثار عرض کرتے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم سواری ہی رہے ہمیں اپنی رکاب میں پیدل چلنے کی سعادت حاصل کرنے دیجئے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ تم مجھ سے زیادہ قوی نہیں ہو اور میں اجر کے معاملے میں تم سے زیادہ بے نیاز نہیں ہوں۔^(۴)

اسلامی لشکر کا بدر میں پڑاؤ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رکاب میں مختصر سا اسلامی لشکر بدر کے قریب اُترا۔ لشکرِ کفار کا پڑاؤ وادی کی دوسری جانب تھا۔ قرآن کریم میں اس کا ذکر یوں آیا ہے، ”إِذْ أَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوَى وَالرَّكْبُ أَسْفَلَ مِنْكُمْ“^(۵) (جس وقت تم قریب کے ناکہ پر تھے اور

^(۱) ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۷۲

^(۲) ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۷۲

^(۳) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۱۹

^(۴) مسٹر کے اے حمید، مسلمانانِ عالم حصہ اول ص ۷۴

وہ دور کے ناکہ پر اور قافلہ تم سے ادھر نیچے تھا) ^(۱)

آپ ﷺ نے یہاں پہنچتے ہی ایک مستعد و ماہر حربیات اور عبقری (ذہین و فطین اور اعلیٰ پائے کا سردار) کی طرح اپنے دستِ راست حضرت علیؓ کو دو ساتھیوں کے ہمراہ میدانِ جنگ کا نقشہ لشکرِ قریش کی قوت و نقل و حرکت اور دیگر جنگی معلومات حاصل کرنے کے لیے آگے روانہ کیا۔ پس معلوم ہوا کہ دشمن کی تعداد نو سو (۹۰۰) سے ایک ہزار (۱۰۰۰) تک ہے اور اُس کا پڑاؤ پہاڑ کی دوسری جانب ہے۔ ^(۲)

مسلمان جہاں اُترے تھے وہ علاقہ ریتلا تھا اس لئے اُن کے پاؤں اور گھوڑوں کے سُم ریت میں دھنس جاتے تھے اور انہیں چلنے پھرنے میں سخت مشکل درپیش تھی۔ اس پر ستم یہ کہ وہاں پانی بھی نہیں تھا اور وہ پیاس سے نڈھال تھے۔ دوسری طرف کافروں نے جہاں پڑاؤ ڈالا وہ عام ٹیلی زمین تھی اور وہاں پانی بھی موجود تھا۔ اُس وقت شیطان مردود نے کچھ مسلمانوں کے دلوں میں یہ وسوسہ ڈالا کہ تم سمجھتے ہو کہ تمہارے ساتھ نبی اللہ (ﷺ) ہیں، تم حق پر ہو اور خدا کے پسندیدہ بندے ہو جبکہ صورتِ حال یہ ہے کہ تم پیاس سے مغلوب ہو، پانی پر مشرکوں کا قبضہ ہے اور وہ منتظر ہیں کہ تم جان بلب ہو جاؤ تو وہ تمہیں نیست و نابود کر دیں۔ ادھر شیطان نے یہ وسوسہ ڈالا ادھر رحمن کی رحمت جوش میں آئی اور ابر کرم ایسا برسا کہ پوری وادی میں جل تھل ایک ہو گیا۔ پیاس سے مسلمان پانی سے سیراب ہوئے، کسی نے غسل کیا، کسی نے وضو، اُونٹوں کو پانی پلایا اور مشکیزے بھر لیے۔ بارش کی وجہ سے مسلمانوں کی ریتلی اقامت گاہ گیلی ہو کر آرام دہ اور چلنے پھرنے کے لئے سہل ہو گئی اور کفار کی ٹیلی زمین کیچڑ زدہ ہو کر اُن کے لئے دشوار گزار ہو گئی۔ شیطان کا وسوسہ جاتا رہا اور مسلمانوں کو اطمینان و سکون میسر آیا۔

^(۱) سورة الانفال، آیت ۴۲

^(۲) ابو جعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری ج ۲ ص ۱۲۸

پس ارشادِ باری تعالیٰ ہوا:

”وَيُنْزِلُ عَلَيْكُمْ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّيُطَهِّرَ كُمْ بِهِ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ وَلِيَرْبِطَ عَلَى قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ ۝“ (اے لوگو! اللہ آسمان سے تم پر پانی برسار رہا تھا تاکہ تمہیں پاک صاف کرے اور تم سے شیطان کی نجاست و ناپاکی دور کرے اور تمہارے دلوں کو مضبوط کرے اور تمہارے قدموں کو جمائے۔)^①

قریش وادی میں نکلی طرف تھے، پانی کا بہاؤ بھی ہمیشہ نیچے کی طرف ہوتا ہے اس لئے بارش کے پانی سے اُن کی کچی زمین کیچڑ زدہ اور لدلی ہو گئی تھی اور انہیں میدان جنگ تک پہنچنے میں دشواری ہونے لگی۔ مسلمان وادی میں بلندی کی طرف تھے جہاں کی زمین ریتیلی تھی جو بارش کے بعد چلنے پھرنے کے لیے سہل ہو گئی تھی چنانچہ مسلمان، کفار سے پہلے میدان جنگ میں پہنچ گئے۔

عسکری ماہرین کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک ماہر سپہ سالار کی طرح پوری طرح مستعد اور چاک و چوبند تھے اور آپ ﷺ نے میدان جنگ میں قریش کے تاخیر سے پہنچنے کا بھرپور فائدہ اٹھایا۔ آپ ﷺ بدر کے وسط میں بیٹھے پانی کے چشموں پر اترے اور سورج اور ہوا کا رخ معلوم کر کے صف بندی کے لیے اپنے لیے بہترین جگہ کا انتخاب کیا، یعنی اپنے دستوں کو اس طرح ترتیب دیا کہ سورج لشکرِ اسلام کے عقب یا پہلو میں جبکہ لشکرِ کفار کے مقابل تھا اور ہوا کا رخ بھی قریش کی طرف تھا۔ اس حکمت عملی سے لشکرِ کفار کو بیک وقت تین دشمنوں سے لڑنا پڑتا، لشکرِ اسلام، آنکھوں کو چندھیا دینے والا سورج اور ریتیلی ہوا۔ مزید برآں، آپ ﷺ نے دشمن کی قوت کے پیش نظر اپنی قلیل فوج کو اس طرح ترتیب دیا کہ حملے کے وقت دشمن اپنی ساری فوج کو بیک وقت نہ لڑا سکے۔ لشکر کے قلب کی حفاظت کے لیے میمنہ اور میسرہ پر آپ ﷺ نے تیر اندازوں کو متعین فرمایا اور عقب میں مجاہدین کا ایک طاقتور دستہ ہنگامی حالات کے لئے محفوظ رکھا جسے فوجی اصطلاح میں ”ملٹری ریزرو فورس (Military Reserve Force)“ یعنی محفوظ فوج کہا جاتا ہے۔

① سورة الانفال، آیت ۱۱

عریش

بقولے، رسول اللہ ﷺ کے قیام کے لئے بدر میں ایک ”عریش“ (شاخوں اور پتوں سے بنائی گئی جھونپڑی) بھی بنائی گئی جس کے باہر انصار کی ایک جماعت پہرے پر ایستادہ ہو گئی۔^①

”عریش“ کے معاملے پر علماء میں اختلاف پایا جاتا ہے، مندرجہ بالا قول کے مطابق ایک مکتب فکر کے علماء کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے لئے عریش بنائی گئی جبکہ دوسری جماعت کے علماء کا کہنا ہے کہ کوئی عریش نہیں بنائی گئی تھی۔^②

عریش کی نفی کرنے والوں کا موقف یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے ساتھیوں سے الگ ہو کر کسی محفوظ مقام پر کوئی قیام نہیں فرمایا بلکہ اُن کے ساتھ بنفس نفیس میدان جنگ میں موجود رہے۔ اس ضمن میں حضرت علی علیہ السلام کی اس روایت سے استدلال پیش کیا گیا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا، ”جب بدر کا موقع تھا اور مقابلہ اُن پر اُتو تو تمام فوج رسول اللہ ﷺ کی پناہ میں تھی اور آپ ﷺ کی جرأت و ہمت سب سے نمایاں تھی اور آپ ﷺ ہم سب سے زیادہ دشمن کے قریب تھے۔“^③

ہم اس استدلال کی نفی کرنے کی جسارت بالکل نہیں کر سکتے کیونکہ ہم آنحضرت ﷺ کی جرأت و ہمت اور شجاعت و استقامت پر مکمل ایمان رکھتے ہیں اور ہمارا عقیدہ ہے کہ آپ ﷺ اپنے اصحاب (رضی اللہ عنہم) کے ساتھ میدان کارزار میں بنفس نفیس موجود رہے، اُن کا حوصلہ بڑھاتے رہے اور اُن کو ہدایات جاری فرماتے رہے۔

① شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۱۲۳

② علامہ سید جعفر مرتضیٰ عالمی، الصحیح من سیرۃ النبی اعظم ﷺ، ج ۳ ص ۲۶۸

③ علامہ علی نقوی، تاریخ اسلام ص ۱۹۶۔ ابو جعفر محمد بن جریر طبری، تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۷۰

حق و باطل کا ٹکراؤ

مؤرخین لکھتے ہیں کہ قریش نے ایک لشکری کو مسلمانوں کی تعداد معلوم کرنے کے لئے بھیجا۔ اُس نے اسلامی لشکر کا ایک چکر لگایا اور خدا جانے کیا محسوس کیا کہ واپس جا کر بتایا، ”مسلمان کم و بیش تین سو ہیں مگر اے گروہ قریش! میں نے اموات بردوش بلاؤں کو دیکھا ہے اور یثرب کے اُن اُنٹوں کا نظارہ کیا ہے جو زہر قاتل کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہیں، پس خیریت چاہتے ہو تو لوٹ جاؤ۔“ مطلب یہ کہ مسلمانوں سے جنگ کرنا تمہاری ہلاکت کا باعث ہوگا اور تمہاری سلامتی اسی میں ہے کہ تم جنگ سے باز رہو اور واپس چلے جاؤ۔

حکیم بن حزام نے یہ سنا تو عتبہ سے کہا کہ اے ابو لید! تو قریش کا بزرگ اور سردار ہے، کیا تو چاہتا ہے کہ تیرا ذکر آخری زمانے تک رہے؟ عتبہ بولا، تم کہنا کیا چاہتے ہو اے حکیم؟ حکیم کہنے لگا، میں چاہتا ہوں کہ ہم لوگ واپس چلے جائیں۔ عتبہ بولا مجھے تمہاری بات منظور ہے لیکن تم ابنِ حنظلہ (ابو جہل) کے پاس جاؤ اور اُسے واپسی کے لئے کہو، ممکن ہے وہ آمادہ ہو جائے اور لوگوں کو واپس لے چلے۔ چنانچہ حکیم بن حزام ابو جہل کے پاس گیا اور عتبہ کے ساتھ ہونے والی بات چیت بیان کی۔ ابو جہل سیخ پا ہو گیا، فوراً عتبہ کے پاس گیا اور طعنہ زنی کرتے ہوئے بولا ”انتفع من محرك“ (تیرے پھینچڑے میں ہوا بھر گئی ہے)۔ عرب میں یہ محاورہ بزدلی و نامردی کا طعنہ دینے کیلئے بولا جاتا ہے یعنی اُس نے عتبہ سے کہا کہ تو نامرد اور بزدل ہو گیا ہے۔ عتبہ نے کہا کہ عنقریب پتہ چل جائے گا کہ کس کا پھینچڑا پھولا ہوا ہے اور کون بزدل بنا ہے۔

الغرض، لشکرِ باطل ٹڈی دل کی طرح بدر کے میدان میں نمودار ہوا۔ اُس وقت لشکرِ حق بھی میدان میں اُترا۔ نبی معظم ﷺ نے اپنی صفوں کو ترتیب دی اور فرمایا کہ جب تک میں نہ کہوں دشمن پر حملہ نہ کرنا اور اگر وہ تمہارے قریب آجائیں تو صرف تیز اندازی شروع کر دینا لیکن اتنی احتیاط سے کہ تیرا ضائع نہ ہوں۔

اس جگہ ارباب سیر ایک عجیب و غریب روایت بیان کرتے ہیں کہ جب جناب سرور انبیاء ﷺ لشکرِ اسلام کی صفیں سیدھی فرما رہے تھے تو آپ ﷺ کے دستِ مبارک میں ایک چھڑی تھی۔ سواد بن عزیہ ایک پرجوش اور خوش طبع صحابی تھے جو صفوں سے آگے نکل کر کھڑے تھے۔ حضور ﷺ نے چھڑی سے اُن کے سینے کو چھوتے ہوئے فرمایا، ”استویا سواد“، یعنی اے سواد صف کو برابر کرو۔ سواد نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے مجھے ضرب لگائی اور تکلیف پہنچائی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا اور عدل و انصاف آپ ﷺ کے دستِ اقدس میں دیا پس آپ ﷺ میرا قصاص دیجئے۔ رسول کریم ﷺ نے اپنے سینہ اقدس سے لباس کو ہٹا کر فرمایا، ”اے سواد! اسی وقت اپنا قصاص لے لو۔“ سواد نے فی الفور اپنا منہ حضور ﷺ کے سینہ اقدس پر رکھ کر بوسہ لے لیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا، ”سواد! یہ کیا کر رہے ہو؟“ سواد نے عرض کیا، ”یا رسول اللہ ﷺ! ہو سکتا ہے کہ میں اس معرکہ میں شہید ہو جاؤں، میری آرزو ہے کہ آخری وقت آنے سے پہلے میرا بدن آپ ﷺ کے مبارک جسم سے مس ہو جائے۔“ حضور ﷺ نے حضرت سوادؓ کا جذبہ عقیدت دیکھ کر اُن کے لیے دعائے خیر فرمائی۔^(۱)

یہ ۱۷ رمضان المبارک ۲ ہجری یعنی ۱۳ مارچ ۶۲۴ء کا دن تھا۔ عرب کے رواج کے مطابق سب سے پہلے دُود و بولڑائی کا آغاز ہوا۔ لشکرِ کفار کی طرف سے سے عتبہ بن ربیعہ، اُس کا بھائی شیبہ بن ربیعہ اور بیٹا ولید بن عتبہ میدان میں آئے اور مبارزت طلب کی۔ اُن کے مقابلہ کیلئے تین انصار میدان میں اُترے، عوف بن حارثؓ، معاذ بن حارثؓ اور عبد اللہ بن رواحہؓ۔^(۲) یا بروایت معاذ بن عفرہؓ، معوذ بن عفرہؓ اور عبد اللہ بن رواحہؓ۔^(۳) کافروں نے کہا تم انصاری ہو تمہارے ساتھ

^(۱) شیخ عبدالحق محدث دہلوی، (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۲۴

^(۲) شیخ عبدالحق محدث دہلوی، (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۲۵

^(۳) ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبرِ اعظم و آخرِ مَیِّ اللہ ﷺ ص ۷۱

ہمیں کوئی سروکار نہیں، ہم تو اپنے بچاؤں کے بیٹوں (قریشیوں) کو بلاتے ہیں۔ پھر اُن میں سے ایک نے آواز لگائی، اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! ہماری قوم میں سے ہمارے ہم پہلے لوگ بھیججو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ، حضرت حمزہؓ، اور حضرت عبیدہ بن حارثؓ سے فرمایا کہ جاؤ ان کا مقابلہ کرو۔ مورخ لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ”یا علی قم یا حمزہ قم یا عبیدہ بن الحارث قم“ (اے علی! آپ اُٹھیے، اے حمزہ! آپ اُٹھیے، اے عبیدہ بن حارث! آپ اُٹھیے)۔^① حیدر کرار جناب علی ابن ابی طالبؓ شاید اسی حکم کے منتظر تھے، میدان میں ایسے کو پڑے جیسے شیر اپنے شکار کی طرف جست لگاتا ہے، اُن کے ساتھ ہی حضرت حمزہ بن عبدالمطلبؓ اور جناب عبیدہ بن حارثؓ بھی لپکے۔ یہ تینوں مردانِ حق میدان میں آئے تو کافروں نے کہا کہ ہاں! یہ ہماری ٹکر کے ہیں۔ حضرت عبیدہؓ اسی سالہ ضعیف آدمی تھے، وہ عتبہ کے مقابلے پر آئے اور حضرت حمزہؓ جو اُس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم عمر تھے، وہ شبیبہ سے ٹکرائے۔ ایک روایت میں اس کے برعکس یوں آیا ہے کہ حضرت عبیدہؓ شبیبہ کے اور حضرت حمزہؓ عتبہ کے مقابل آئے۔ حضرت علی مرتضیٰؓ نو جوان تھے، آپ نے قریش کے جوان ولید بن عتبہ کو واصل جہنم کیا اور حضرت حمزہؓ نے اپنے مقابل کو ہلاک کیا لیکن حضرت عبیدہؓ اور اُن کے حریف کے درمیان مقابلہ ہوتا رہا، پھر ایک ضرب اُن کے زانو پر پڑی اور وہ شدید زخمی ہو گئے۔ حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ اُن کی نصرت کے لئے پہنچے اور دشمن کو قتل کرنے میں اُن کی مدد کی۔ حضرت عبیدہؓ شدید زخمی تھے اُن کی پینڈیوں سے خون اور گودہ بہہ رہا تھا، انہیں اُٹھا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا تو انہوں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا میں شہید نہیں ہوں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں! تم شہید ہو۔ حضرت عبیدہؓ کا یہ سوال اس بنا پر تھا کہ وہ زخمی حالت میں میدانِ جنگ سے زندہ لوٹے تھے اور محسوس کر رہے تھے کہ شہادت میں ابھی کچھ دیر ہے، اس لئے پریشان تھے کہ میدانِ جنگ سے باہر موت آجانے پر کہیں شہادت کے

① ابو جعفر محمد بن جریر طبری، (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۷۰

درجہ پر فائز ہونے سے رہ نہ جائیں۔ مذکور ہے کہ اُن کا انتقال بدر سے واپسی پر وادی صفر یا وادی روحا میں ہوا اور انہیں وہیں دفن کیا گیا۔ دست بدست لڑائی کے بعد قریش کی طرف سے عام حملہ شروع ہوا، مسلمان بھی سر پر کفن باندھ کر میدان جنگ میں اُترے۔ حضور ﷺ نے قلیل لشکرِ اسلام اور کثیر لشکرِ کفار کے باہم ٹکرانے کا مشاہدہ فرمایا تو بارگاہِ الہی میں عرض کیا، ”یا رب! جو وعدہ تُو نے مجھ سے کیا تھا اُسے پورا فرما۔“^(۱) ایک روایت کے مطابق آپ ﷺ نے یوں دُعا فرمائی، ”یا اللہ! یہ قریش اپنے فخر و غرور کے ساتھ آئے ہیں، یہ تیری مخالفت کرتے ہیں اور تیرے رسول کو جھٹلاتے ہیں۔ یا اللہ! میں تیری مدد کا طلبگار ہوں جس کا تُو نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے۔ یا اللہ! انہیں ہلاک کر دے۔“^(۲) بقولے آپ ﷺ نے یہ دُعا بھی مانگی ”اَللّٰهُمَّ اِنْ تَهْلِكْ هَذِهِ الْعَصَابَةُ فَلَا تَعْبُدْ فِي الْاَرْضِ“^(۳) (الہی! اگر تیرے بندوں کی یہ چھوٹی سی جماعت آج ہلاک ہوگئی تو روئے زمین پر تیرا سچا عبادت گزار کوئی نہیں رہے گا)۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ روزِ بدر میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ بارگاہِ الہی میں سجدہ ریز تھے اور یہ دُعا مانگ رہے تھے، ”يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ“ (اے زندہ و جاوید! اے ساری کائنات کا نظام چلانے والے! اپنی رحمت سے مدد فرما) پھر حضور ﷺ نے فرمایا، ”لوگو! سنو! قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، جو حق تعالیٰ کی رضا اور ثواب کی طلب میں ان کافروں سے جنگ کرے گا اور خدا کی راہ میں شہید ہو جائے گا، اُس کے لئے بہشتِ جاوداں ہے۔“ روایت ہے کہ اُس وقت حضرت عمیر بن حمام رضی اللہ عنہ کھجوریں کھا رہے تھے، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کا یہ کلام سنا تو بولے، ”میرے لئے نوید ہے کہ میرے اور بہشتِ جاوداں کے درمیان اب کوئی فاصلہ نہیں تاوقتیکہ میں (لڑتا ہوا) ان کافروں

^(۱) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۲۴ تا ۱۲۶

^(۲) ابن ہشام (متوفی ۸۳۳ء)، سیرت ابن ہشام ص ۲۷۵

^(۳) ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبرِ اعظم و آخرِ مرسلین ﷺ ص ۶۸، بحوالہ ابوالکلام احمد، ترجمان القرآن ۵۲: ۲، ۵۷

کے ہاتھوں شہید ہو جاؤں۔ یہ کہہ کر ہاتھ سے کھجوریں پھینک دیں اور تلوار سونت کر میدانِ جنگ میں کود پڑے اور بالآخر شہید ہو کر عازمِ بہشتِ جاوداں ہو گئے۔^(۱)

ایک مجاہد حضرت عوف بن حارث بن الحضراء رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ بندے کا کون سا عمل ہے جو پروردگار کو ہنسا دے (یعنی بہت خوش کر دے)؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ جہاد کے وقت دشمن کے سامنے اپنی زرہ کو جسم سے اتار پھینکے (یعنی اپنی حفاظت کا خوف دل سے نکال دے)۔ یہ سننا تھا کہ انہوں نے اپنی زرہ اتار کر پھینک دی اور تلوار سونت کر جنگ کرنے لگے یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔^(۲)

قریش کا لشکر سیلابی ریلے کی طرح اُڈ رہا تھا، وہ مسلمان تیر اندازوں کے نشانے پر آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت پر تیر اندازوں نے اُسے اس طرح تیروں پر لیا کہ وہ اسلامی لشکر کے بازوؤں پر یا عقب میں وارد نہ ہو سکا۔

مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مٹھی بھر ریت فوج کفار کی طرف پھینکی اور فرمایا ”شاہت الوجوہ“ یعنی ان کے چہرے مسخ ہوں۔ اُسی وقت تیز ہوا چلی جس کا رخ کافروں کی طرف تھا۔ وہ ریت تمام کافروں کے چہروں پر پڑی اور اُس کے زرے اُن کی آنکھوں اور نتھنوں میں گھس گئے۔ بعض مؤرخین اس واقعے کو ایک اور زاویے سے دیکھتے ہیں، اُن کے نزدیک ہوا کا رخ فوج کفار کی طرف بدلا پھر ریگ بدوش ہوائیں چلنے لگیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُسی موقع کے منتظر تھے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مٹھی بھر ریت اٹھائی اور دشمن کی طرف پھینکی جو کہ اشارہ تھا اپنی عقب کی محفوظ فوج کو آگے بڑھ کر دشمن پر بھرپور حملہ کرنے کا۔^(۳)

^(۱) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۲

^(۲) ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری ج ۲ ص ۱۸۳

^(۳) ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم ص ۷۲

جنگ میں ملائکہ کی مدد

اُسی وقت لشکرِ اسلام کی نصرت کے لئے اللہ ﷻ نے فرشتے نازل فرمائے جو کافروں پر بلائے ناگہانی کی طرح وارد ہوئے۔ اُن کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ میدانِ جنگ سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ اللہ ﷻ نے کسی کافر کو ہلاک کرایا اور کسی کو اپنے بندوں کا اسیر بنایا، جو ہلاک ہوئے اور قیدی بنے اُن میں اکثر مشرکوں کے سردار اور اشراف تھے۔

پس ارشادِ پروردگار ہے: ”إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَبَ لَكُمْ أَنِّي مُهِدُّكُمْ بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُرَدِّفِينَ“ (اے حبیب ﷺ! اُس وقت کو یاد کرو) جب تم اپنے پروردگار سے فریاد کر رہے تھے اور اُس نے تمہاری فریاد سن لی (اور فرمایا) کہ تمہاری مدد کے لیے یکے بعد دیگرے ایک ہزار فرشتے بھیج رہا ہوں۔^①

اور دوسری جگہ ارشادِ الہی ہوتا ہے: ”الَّذِينَ يَكْفِيَكُمْ أَنْ يُحِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلَاثَةِ آلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُنْزِلِينَ“ بَلَىٰ ۚ إِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا وَيَأْتُوكُم مِّنْ فَوْرِهِمْ هَذَا يُحِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ آلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِينَ“^②

(کیا یہ بات تمہارے کے لئے کافی نہیں ہے کہ تمہارا پروردگار تین ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کرے جو (آسمان سے) اتارے گئے ہوں۔ ہاں کیوں نہیں! اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو۔ اور وہ (دشمن) اُس وقت فوری طور پر تم پر چڑھ آئے تو تمہارا پروردگار پانچ ہزار نشان زدہ فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا)^③

علماء کرام ان آیاتِ کریمہ کے درمیان موافقت اس طرح بیان کرتے ہیں کہ پہلی آیت میں جن ایک ہزار فرشتوں کا ذکر ہے وہ پہلے آئے تھے اور دوسری آیت والے تین ہزار فرشتے بعد میں

① سورة الانفال، آیت ۹

② سورة آل عمران، آیت ۱۲۳ تا ۱۲۵

نازل ہوئے تھے اور پانچ ہزار آخر میں آئے۔ ایسی ہی ایک روایت حضرت ربیع بن انس بھی کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد پہلے ایک ہزار فرشتوں سے فرمائی پھر تین ہزار سے اور اس کے بعد پانچ ہزار سے۔^(۱)

حضرت ابو قتادہ روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے روز بدر پانچ ہزار ملائکہ سے مدد فرمائی۔ امیر المؤمنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ روز بدر ایسی تند و تیز ہوا چلی جو پہلے کبھی نہ دیکھی تھی، وہ ہوا تین بار چلی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پہلی مرتبہ جبرائیل علیہ السلام ہزار فرشتوں کے ساتھ آئے دوسری مرتبہ میکائیل علیہ السلام ہزار فرشتوں کے ساتھ آئے اور تیسری مرتبہ اسرافیل علیہ السلام ہزار فرشتوں کے ساتھ آئے۔^(۲)

جناب امیر المؤمنین علیہ السلام کی یہ روایت اس آیت مبارکہ سے متعلق معلوم ہوتی ہے:

”الَّذِينَ يَكْفِيكُمْ أَنْ يُمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلَاثَةِ آفٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُنَزَّلِينَ“^(۳)

(اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! یاد کرو جب تم مومنوں سے کہہ رہے تھے کہ کیا یہ بات تمہارے (اطمینان) کے لئے کافی نہیں ہے کہ تمہارا پروردگار تین ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کرے جو (آسمان سے) اتارے گئے ہوں)^(۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ بنی غفار کے ایک شخص نے مجھے بتایا، ”میں اور میرا چچا زاد بھائی بدر کی جنگ میں مشرکوں کے ساتھ تھے۔ ہم دونوں ایک بلند پہاڑی پر چڑھ گئے اور انتظار کرنے لگے کہ جو لشکر بھی شکست کھا کر بھاگے گا ہم اُسے لوٹیں گے۔ اچانک ہم نے اپنے قریب سے ایک بادل کو گذرتے دیکھا جس میں سے گھوڑوں کے ہنہانے کی آوازیں آرہی

^(۱) محمد الزرقانی (متوفی ۱۱۲۲ھ)، شرح المواهب اللدنیة

^(۲) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۱۳۲

^(۳) سورة آل عمران، آیت ۱۲۴

تھیں۔ اُس وقت ہم نے سنا کہ کوئی کہہ رہا تھا ”اقدام حیزوم“ (اے حیزوم! آگے بڑھو)، میرا چچا زاد بھائی خوفزدہ ہو کر مجھ پر آگرا۔ اُس کا دل پھٹ گیا اور وہیں مر گیا۔ اُس وقت مارے خوف کے میں بھی قریب المرگ تھا لیکن میں نے ہمت سے کام لیا اور بچ گیا۔“ ^(۱) محققین کہتے ہیں کہ ”حیزوم“ حضرت جبریل علیہ السلام کے گھوڑے کا نام ہے۔ ^(۲)

روایت ہے کہ دوران جنگ جب کوئی مسلمان کسی کافر کے پیچھے لپکتا تو اس سے پہلے کہ وہ اُس تک پہنچتا اُس کافر کا سر کٹ کر زمین پر جا گرتا۔ ایک مجاہد ابوداؤد مازنی کا بیان ہے کہ میں ایک مشرک کو قتل کرنے کے لئے اُس کا پیچھا کر رہا تھا، میری تلوار ابھی اُس سے دُور تھی کہ اُس کا سر کٹ کر زمین پر آ رہا اور میں سمجھا کہ اُسے کسی اور نے قتل کر دیا ہے جو نظروں سے اوجھل تھا۔ ^(۳)

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ایک انصاری مجاہد کسی کافر کے تعاقب میں تھا کہ اُسے کوڑے کی آواز آئی اور اُس نے ایک سوار کو یہ کہتے سنا ”اقدام حیزوم“ اچانک اُس انصاری نے دیکھا کہ اُس کے سامنے وہ کافر، جس کا وہ تعاقب کر رہا تھا، گرا پڑا ہے۔ اُس کا منہ پھٹا ہوا اور گردن ٹوٹی ہوئی تھی۔ وہ انصاری حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور تمام واقعہ عرض کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ آسانی مدد تھی۔ ^(۴)

روایت ہے کہ جنگ ختم ہونے کے بعد ایک انصاری حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ کو لیے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دعویٰ کیا کہ میں نے عباس کو اسیر کیا ہے۔ حضرت عباسؓ نے کہا کہ اس نے مجھے اسیر نہیں کیا، مجھے گرفتار کرنے والا تو ایک نہایت خوبصورت شخص تھا جو ابلیق گھوڑے پر سوار تھا، مگر اب وہ کہیں نظر نہیں آ رہا۔ انصاری کہنے لگا کہ عباس غلط کہہ رہے ہیں،

^(۱) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۱۳۲

^(۲) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۱۳۲

^(۳) ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۸۳

^(۴) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۱۳۲

انہیں کسی اور نے نہیں بلکہ میں نے گرفتار کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے انصاری سے فرمایا کہ تم دونوں اپنی جگہ صحیح ہو، دراصل ایک بزرگ فرشتے نے اس کام میں تمہاری اعانت کی ہے۔^(۱)

اس جنگ میں ستر کا فرما رے گئے تھے جن میں قریش کے مختلف قبائل کے سردار اور اسلام دشمنی میں مشہور و معروف کئی اہم لوگ شامل تھے۔ اُن کی موت نے قریش کی کمر توڑ دی اور تحریک اسلام کی جڑیں اور مضبوط ہو گئیں۔ دور و نزدیک کے علاقوں پر مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی اور مدینہ میں موجود یہود اور منافقین کی سرگرمیاں بھی ڈھیلی پڑ گئیں۔^(۲)

حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی شجاعت

مؤرخین لکھتے ہیں کہ مشرکین کے ستر (۷۰) مقتولین میں سے پینتیس (۳۵) شیر خدا حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں لقمہ اجل بنے تھے جبکہ باقی نصف دوسرے مجاہدین کے ہاتھوں قتل ہوئے۔^(۳)

اسی بنا پر مولانا شبلی صاحب نے لکھا ہے، ”غزوہ بدر کے ہیرو اسد اللہ الغالب علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہیں۔“^(۴)

امیر المومنین جناب علی علیہ السلام کے ہاتھوں قتل ہونے والے زیادہ تر افراد بنو امیہ کے تھے اور یہ وہ لوگ تھے جن سے آل ابوسفیان کا گہرا تعلق تھا۔ چنانچہ مؤرخین لکھتے ہیں کہ جنگ جمل، جنگ صفین (جو حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ لڑی گئیں) اور سانحہ کربلا (جس میں نواسہ رسول ﷺ، حسین ابن علی علیہ السلام، آل رسول ﷺ اور اُن کے ساتھیوں کو شہید کیا گیا اور بچ رہنے والے بچوں اور مستورات کو اسیر کر کے دربار یزید بن معاویہ بن ابوسفیان میں پیش کیا گیا) انہی مقتولین کا انتقام لینے کے لئے کی جانے والی کاروائیاں تھیں۔

^(۱) ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری ج ۲ حصہ اول ص ۱۵۱

^(۲) دعوت دہلی، سیرت طیبہ، ۱۶ ستمبر ۱۹۵۹ء، ص ۱۹۸۔ علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام، ص ۲۱۰

^(۳) خواجہ محمد لطیف، اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ ج ۱ ص ۸۔ علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۲۰۷

^(۴) شبلی نعمانی (متوفی ۱۹۱۴ء)، سیرۃ النبی ﷺ ج اول ص ۲۵۷۔ علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۲۰۸

علی علیہ السلام کے ہاتھوں تہ تیغ ہونے والے چند مشہور کافروں کے نام

(۱) ولید بن عتبہ بن ربیعہ

(۲) عاص بن سعید بن عاص بن اُمیہ

(۳) طعیمہ بن عدی بن نوفل

(۴) نوفل بن خویلد: یہ جنگ جمل کے مشہور سردار زبیر کا چچا تھا اور مسلمانوں پر تشدد کرنے میں بہت مشہور تھا، چنانچہ جنگ ختم ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اُس سے متعلق خاص طور پر دریافت فرمایا تو جناب علی علیہ السلام نے عرض کیا کہ میں نے اُسے قتل کر دیا ہے۔ یہ سُن کر رسول اللہ ﷺ نے صدائے تکبیر بلند فرمائی۔

(۵) حنظلہ بن ابوسفیان: شیر خدا حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ولید بن عتبہ کے مارے جانے کے بعد اُس کا بھانجا (حنظلہ بن ابوسفیان) میدان میں آیا۔ میں نے اُس کے سر پر وار کیا، میری تلوار اُس کا سر چیرتی ہوئی آنکھوں تک اُتر گئی اور وہ قتل ہو کر زمین پر گر پڑا۔

(۶) زمعہ بن اسود

(۷) حارث بن زمعہ

(۸) عمیر بن عثمان بن کعب بن تیم: یہ جنگ جمل کے دوسرے سردار طلحہ کا چچا تھا۔

(۹) نصر بن حارث کلدہ: اسے حضرت علی علیہ السلام نے بدر سے واپسی پر صفراء میں قتل کیا۔

دیگر مجاہدین کے ہاتھوں قتل ہونے والے چند مشہور کافروں کے نام

دیگر مجاہدین کے ہاتھوں واصلِ جہنم ہونے والے چند معروف کافروں کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) عتبہ بن ربیعہ: قریش میں سب سے پہلے یہ شخص اپنے بیٹے ولید اور بھائی شیبہ کے ساتھ میدان میں آیا تھا۔ اس کے قتل کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔

(۲) اسود بن عبد الاسد مخزومی: یہ حضرت حمزہ بن عبد المطلب ﷺ کے ہاتھوں قتل ہوا۔

۳) شیبہ بن ربیعہ بن عبد شمس: یہ بھی حضرت حمزہ بن عبدالمطلب ﷺ کے ہاتھوں مرا۔

۴) عقبہ بن ابی معیط: اس کے قتل کی تفصیل آگے آئے گی۔

۵) ابو جہل بن ہشام: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کا سر قلم کیا۔

۶) ابوالہتیری عاص بن ہشام: اس کے قتل کی تفصیل اگلے صفحات پر ملاحظہ فرمائیں۔

۷) اُمیہ بن خلف: اسے حضرت عمار یا سرسہ رضی اللہ عنہ نے قتل کیا، تفصیل اگلے صفحات پر ملاحظہ فرمائیں۔

۸) نبیہ بن حجاج

۹) منبہ بن حجاج

۱۰) عقیل بن اسود بن عبد یغوث

۱۱) زمعہ بن اسود بن عبد یغوث

۱۲) حارث بن اسود بن عبد یغوث

اُس دور میں عموماً اور عرب میں خصوصاً یہ رواج تھا کہ جنگ میں قتل ہونے والے کی نعشوں کا مُثلہ (نعشوں کی بے حرمتی کرنا، حلیہ بگاڑنا اور اعضاء و جوارح مثلاً ناک اور کان وغیرہ کاٹنا) کیا جاتا تھا لیکن جناب رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجسم خلق عظیم تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ گوارا نہ کیا کہ کسی انسان، چاہے وہ مشرک اور دشمن ہی کیوں نہ ہو، کے میدان میں پڑے بے گور و کفن لاشے کو چیل کوٹے وغیرہ کھاتے رہیں چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر مقتولین کی نعشوں کو بدر کے ایک متروک کنویں میں ڈال کر دفن کر دیا گیا۔

ابو جہل بن ہشام کا انجام

ابو جہل بہت بڑا دشمن اسلام تھا۔ اُس کے سینہ پُر کینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بغض و عناد کوٹے کوٹے کر بھرا ہوا تھا اور وہ اسلام اور اہل اسلام کی مخالفت اور مخالفت کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا تھا۔ قریش کو مسلمانوں کے خلاف اُکسانے اور اس جنگ کے لئے تیار کرنے میں اُس کا بہت اہم کردار تھا۔

دوران جنگ، دو بھائی معوذ بن عفراءؓ اور معاذ بن عفراءؓ بڑی یتیمی سے اُسے تلاش کرتے پھر رہے تھے۔ وہ اپنے بیٹے عکرمہ کے ساتھ ایک جگہ کھڑا تھا کہ اُنہیں نظر آ گیا۔ دونوں بھائی عقاب کی طرح اُس پر چھپے۔ معاذؓ کی تلوار بلند ہوئی، ابو جہل نے بچنا چاہا، معاذ کا ہاتھ اوجھا پڑا اور تلوار سر یا گردن کی بجائے اُس کی ٹانگ پر لگی اور اُسے جسم سے الگ کر ڈالا۔ عکرمہ باپ کی مدد کو آگے بڑھا اور معاذؓ پر حملہ آور ہوا، اُس کے ایک کاری وار نے باپ کا حساب چلتا کیا اور معاذؓ کا ایک بازو کا ندھے سے کٹ کر ایک جانب لٹک گیا۔ شیر زخمی ہو کر پھر گیا، کٹ کر جسم کے ساتھ لٹکتا ہوا ہاتھ لڑائی میں رکاوٹ بننے لگا تو معاذؓ نے اُس پر پاؤں رکھ کر اُسے کھینچا اور جسم سے الگ کر دیا اور اپنے شکار پر پھر حملہ آور ہوئے۔^①

اس کے برعکس قاضی عیاض ابن وہب یوں روایت کرتے ہیں کہ حضرت معاذؓ جب حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اُن کا ہاتھ اُن کی کھال سے لٹکا ہوا تھا۔ حضور ﷺ نے اپنا لعاب دہن مبارک اُس پر لگا کر اس کی جگہ چسپاں کر دیا اور وہ ٹھیک ہو گیا۔^②

بروایت، معاذؓ اور معوذؓ دونوں بھائی ابو جہل پر جھپٹ رہے تھے، حضرت معوذؓ نے ایک کاری وار کر کے اُسے زمیں بوس کر دیا، وہ سمجھے کہ یہ ملعون ہلاک ہو گیا ہے لیکن اُس شیطان میں جان کی کچھ رُمق ابھی باقی تھی۔ دونوں بھائی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اُس کے قتل کی خبر دی۔ حضور ﷺ نے فرمایا تم میں سے اُس کا قتل کس نے کیا ہے؟ دونوں میں سے ہر ایک کا دعویٰ تھا کہ ابو جہل کو اُس نے مارا ہے۔ حضور ﷺ نے پوچھا کہ کیا تم نے اپنی تلواریں صاف کر لی ہیں؟ اُنہوں نے عرض کیا کہ ابھی نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنی تلواریں دکھاؤ۔ آپ ﷺ نے تلواروں کو ملاحظہ کر کے فرمایا کہ تم دونوں ہی نے اُسے مارا ہے۔ بروایت حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ ابو جہل پر پہنچے تو دیکھا کہ وہ ابھی مرانہیں اور اس میں رُمق

① ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری ج ۲ حصہ اول ص ۱۴۶

② شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۲۶

باقی ہے، تو انہوں نے سر قلم کر کے اُس کا قصہ تمام کر دیا۔

احادیثِ صحیحہ میں اس کا ذکر یوں بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کون ہے جو جا کر ابوجہل کی خبر لائے؟ اس پر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ گئے اور انہوں نے اُسے میدان میں (قریب المرگ) پڑا ہوا پایا تو وہ اُس کے سینہ پُر کینہ پر سوار ہوئے اور اُس کی ناپاک داڑھی کو پکڑ کر کہا کہ تُو ہی ابوجہل ہے، اللہ نے تجھے رسوا کیا اے دشمنِ خدا! اُس نے کہا کہ اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ ایک شخص کو اُس کی قوم نے مار ڈالا، کاش مجھے کسی غیر دہقانی نے مارا ہوتا (چونکہ انصار اہلِ زراعت تھے اس لئے وہ اُن کو دہقانی کہہ رہا تھا)۔ پھر حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اُس بد بخت کا سر قلم کیا اور اُسے لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور ﷺ نے اُس کا کٹا ہوا سر دیکھ کر فرمایا، ”اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ“ (اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود و مطلوب و مقصود نہیں) پھر فرمایا، ”اللہ ہی عظیم ہے اللہ ہی کے لئے حمد و ثنا ہے جس نے اپنا وعدہ نصرت پورا کیا اپنے بندے کی مدد فرمائی اور اُس یگانہ و کیلتا خدا نے تمام باطل گروہوں کو شکست دی۔“

بروایت آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ اس اُمت کا فرعون مَر گیا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے سجدہ شکر ادا کیا چنانچہ اسی لئے بعض فقہاء نعمت کے ظہور اور آفات و بلیات کے دفع ہونے کے وقت سجدہ شکر کے مستحب ہونے کے قائل ہیں۔

حضرت معوذہ اُسی روز بدر کے معرکہ ہی میں شہید ہو گئے لیکن حضرت معاذؓ، حضرت عثمانؓ کے دور تک زندہ رہے۔

اُمیہ بن خلف کا انجام

اُمیہ بن خلف کا شمار قریش کے اکابرین میں ہوتا تھا۔ یہی وہ ظالم تھا جو حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ پر ظلم کے پہاڑ توڑا کرتا تھا۔ وہ جناب بلال رضی اللہ عنہ کو مکہ کے ریگستانوں میں لے جاتا اور دو پہر کی چلچلاتی

دھوپ میں جلتی ہوئی ریت پر بے لباس کر کے لٹا دیتا پھر اُن کے ایمان سے منور سینہ پر بھاری پتھر رکھ دیتا، کوڑوں سے مارتا اور کہتا کہ دین محمد (ﷺ) کو چھوڑ دو میں تمہیں چھوڑ دوں گا۔ جواب میں سراپا ایمان حضرت بلال رضی اللہ عنہ کہتے ”أَحَدًا حَدْ“ یعنی ایک اللہ، ایک اللہ۔

اُس سفاک کو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے میدانِ بدر میں دیکھا، وہ اپنے بیٹے کے ساتھ ایک مسلمان عبدالرحمن بن عوف کے پاس موجود تھا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ پکار اُٹھے، ”ارے یہ تو راس الکفر امسیہ بن خلف ہے، بچ کے جانے نہ پائے۔“ عبدالرحمن بن عوف نے کہا کہ یہ میرا قیدی ہے۔ بلال رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ ہوا کرے لیکن اب یہ زندہ نہیں بچے گا، بلال رضی اللہ عنہ نے ساتھیوں کو پکارا، ”اے انصارِ خدا! یہ راس الکفر امسیہ بن خلف ہے، زندہ نہ جانے پائے۔“ چنانچہ مجاہدین کے ایک گروہ نے اُس کو گھیرے میں لے لیا، عبدالرحمن بن عوف نے اُسے بچانے کی بہت کوشش کی لیکن دونوں باپ بیٹا مارے گئے۔^① بروایت امسیہ بن خلف، حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں قتل ہوا۔^②

عقبہ بن ابی معیط کا انخام

عقبہ بن ابی معیط وہی ملعون تھا جس نے رسول اللہ ﷺ کو خانہ کعبہ میں نماز پڑھتے ہوئے سخت اذیت پہنچائی تھی۔ رسولِ گرامی ﷺ سجدے میں تھے کہ اس ملعون نے آپ ﷺ کے گلے اقدس میں اپنی چادر ڈال کر بل دینے شروع کر دیے تھے۔

جنگ میں یہ گرفتار ہوا تھا جسے بعد میں بدر سے واپسی پر عرقِ الطیبیہ کے مقام پر حضرت عاصم بن ثابت بن الانصاریؓ نے قتل کر کے فی النار کر دیا۔

① ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری ج ۲ ص ۱۲۲

② علامہ علی نقوی، تاریخ اسلام ص ۲۰۸

ابوالبختری بن ہشام کا قتل

اس کا پورا نام ابوالبختری عاص بن ہشام بن حارث بن اسد تھا۔ کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے لئے اس کے دل میں نرم گوشہ تھا، آپ ﷺ کے قیام مکہ کے دوران اس نے کبھی آپ ﷺ سے بدسلوکی نہیں کی، ایذا نہیں پہنچائی اور کوئی ایسی بات نہیں کی جو آپ ﷺ کو ناگوار گذرے۔ آپ ﷺ پر جب قریش ظلم و ستم کرتے تھے تو یہ انہیں منع کیا کرتا تھا۔

شعب ابی طالب میں محاصرہ کے وقت بنو ہاشم سے قطع تعلق کا جو معاہدہ کیا گیا تھا اُسے منسوخ کرانے میں بھی اس کا بہت عمل دخل تھا۔ اور بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ محسن انسانیت ﷺ کسی انسان کی خواہ وہ مشرک یا دشمن ہی کیوں نہ ہو، نیکی کو فراموش کر دیں؟ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے بدر میں اُسے دیکھا تو مسلمانوں کو اُس کے قتل سے منع فرمادیا۔

میدان جنگ میں جب اُس کا سامنا ایک انصاری مجاہد مجذربن زیاد بلوی سے ہوا تو اُس کا بھانجا جنادہ بن مایجہ بنت زہیر بن حارث بن اسد بھی اُس کے ہمراہ تھا۔ مجذربن ابوالبختری سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں تمہارے قتل سے منع فرمایا ہے اس لئے میں تمہیں موقع دیتا ہوں کہ تم یہاں سے نکل جاؤ۔ ابوالبختری کہنے لگا کہ میرے ساتھی کے بارے میں کیا حکم ہے؟ مجذربن نے کہا کہ ہمیں صرف تمہارے قتل سے منع کیا گیا ہے، اُسے ہم نہیں چھوڑیں گے۔ ابوالبختری کہنے لگا کہ نہیں! یہ نہیں ہو سکتا کہ میں اسے چھوڑ کر چلا جاؤں، قریش کی عورتیں مکہ میں کہتی پھریں گی کہ میں نے اپنی جان بچانے کے لئے اپنے ساتھی کو مروا دیا۔ مجذربن نے اُسے ہتھیار ڈالنے کو کہا لیکن اُس نے بغیر لڑے گرفتاری دینے سے انکار کر دیا اور ایک رجز پڑھا جس کا مطلب تھا کہ شریف آدمی جان دے دیتا ہے لیکن اپنے ساتھی کو دشمن کے مقابلے میں تنہا نہیں چھوڑتا۔ چنانچہ دونوں لڑ پڑے اور آخر کار وہ مجذربن زیاد کے ہاتھوں مارا گیا۔

مجذربن رسول خدا ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ قسم ہے اُس ذات کی جس نے

آپ ﷺ کو حق پر مبعوث کیا، میں نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی کہ اُسے زندہ آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کروں لیکن اُس نے مجھے لڑائی پر مجبور کر دیا اور نہ چاہتے ہوئے میرے ہاتھ سے مارا گیا۔^(۱)

یہ مجذّر کی جلد بازی یا ابوالہختری کی بدقسمتی تھی کہ وہ قتل ہو گیا۔ اگر مجذّر خود سے فیصلہ کرنے کی بجائے اُسے کہتے کہ چلو نبی اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اپنے عزیز کے لئے بھی امان طلب کرو تو ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ دونوں کو پناہ دے دیتے۔

ابولہب کا انتخاب

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ ۚ مَا أَغْنَىٰ عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ ۖ سَيَصْلَىٰ نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۚ وَامْرَأَتُهُ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۚ فِي جِيدِهَا حَبْلٌ مِّن مَّسَدٍ ۝

(ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ ہلاک و برباد ہوا۔ اُس کا مال اور جو کچھ اُس نے کمایا وہ اُس کے کچھ کام نہ آیا۔ وہ عنقریب بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈالا جائے گا۔ اور (اُس کے ساتھ) اُس کی بیوی بھی جو ایندھن اٹھانے والی ہے۔ اور اُس کی گردن میں مُونج کی بنی ہوئی رسی ہے۔)^(۲) چنانچہ ابولہب ہلاک ہو گیا اور واصلِ جہنم ہوا۔

اگرچہ ابولہب کی موت جنگ بدر میں واقع نہیں ہوئی لیکن اُس کے انجام کا تعلق بالواسطہ بدر سے یوں ہے کہ جنگ بدر کے حالات سنتے ہوئے وہ طیش میں آ گیا اور ایک ضعیف مسلمان کو پیٹنے لگا۔

^(۱) ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری ج ۲ ص ۱۴۴

^(۲) سُورَةُ الْمَسَدِ (سُورَةُ الْلَّهَبِ)

حضرت عباس بن عبدالمطلب ؓ کی زوجہ اُم الفضل نے ضعیف کو بچانے کے لئے اُس کے سر پر ایک چوب دے ماری جس کے لگنے کے سات دن بعد وہ مر گیا۔ اس واقعہ کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

منقول ہے کہ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فتح اور کافروں کی شکست فاش کی خبر مکہ پہنچی تو ابولہب وغیرہ نے سخت حیرت و تعجب کا اظہار کیا۔ ابوسفیان بن حارث مکہ پہنچا تو ابولہب نے بیتابی سے پوچھا، ”بھتیجے! آؤ تمہاری خبر مستند ہوگی۔“ ابوسفیان نے کہا، ”چچا! جب ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے مقابلہ کیا تو ہم سب اپنی جگہ ساکت و جامد ہو کر رہ گئے، ہم دیکھتے رہ جاتے اور وہ ہمارے ہتھیار ہمارے جسموں سے اتار لیتے اور ہمارے ہاتھوں کو باندھ دیتے۔ ہم نے زمین و آسمان کے درمیان سفید لباس لوگوں کو دیکھا جو ابلق گھوڑوں پر سوار تھے اور کوئی اُن کا کچھ نہ بگاڑ سکتا تھا۔“ حضرت عباس ؓ کے غلام ابورافع بیان کرتے ہیں کہ (ابوسفیان کی بات سن کر) میں نے کہا کہ بخدا وہ تو فرشتے تھے۔ اس پر ابولہب سخت غصے میں آ گیا، اُس نے میرے منہ پر زوردار طمانچہ مارا، مجھے اُٹھا کر زمین پر پٹخ دیا اور پھر میرے سینے پر چڑھ کر لائیں مارنے لگا حالانکہ میں بوڑھا اور ناتواں شخص تھا اور اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ عباس ؓ کی زوجہ اُم الفضل نے جو میرا یہ حال دیکھا تو ایک موٹی چوب اُٹھا کر ابولہب کے سر پر دے ماری اور وہ ذلیل و خوار ہو کر اپنے گھر چلا گیا۔ سات دن کے بعد ”عدسہ“ کی بیماری نے اُس پر حملہ کیا اور وہ مر گیا۔ عرب اس بیماری کو متعدی سمجھتے تھے اس لئے اُس کے مرنے کے بعد خوف کی وجہ سے کوئی بھی اُس کے قریب نہ گیا اور وہ تین دن تک مردہ حالت میں یونہی پڑا رہا۔ پھر اُجرت پر مزدور بلائے گئے جو اُسے اُٹھا کر مکہ سے باہر لے گئے، ایک گڑھا کھود کر اُس میں دبایا اور گڑھے کو بند کر کے اُس پر پتھر رکھ دیے۔^①

① ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری ج ۲ ص ۱۸۸

شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۱۳۳

شہدائے بدر کے اسمائے گرامی

جنگِ بدر میں چودہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جامِ شہادت نوش کیا جن میں چھ مہاجرین اور آٹھ انصار تھے۔ انصارین میں چھ قبیلہ خزرج کے لوگ تھے اور دو قبیلہ اوس کے۔^(۱)

”وکی پیڈیا آزاد دائرۃ المعارف“ کے مطابق شہدائے کرام کے نام اور مختصر تعارف مندرجہ ذیل ہے۔ یہی نام دیگر کتب میں بھی ملتے ہیں اور بدر کے مقام پر نصب ایک کتبے پر بھی درج ہیں:

(۱) جناب عبیدہ بن الحارث بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ: یہ بنی ہاشم میں سے تھے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ دار تھے۔ بروایت سب سے پہلے اسلامی سریہ (سریہ عبیدہ بن حارثؓ، اس کا ذکر اُپر گذر چکا ہے) کے سردار بھی تھے۔ شہادت کے وقت ان کی عمر ۶۳ سال تھی۔

(۲) جناب مہجع بن صالح رضی اللہ عنہ: مروی ہے کہ یہ پہلے شہید تھے۔ جب آغازِ جنگ تیروں سے ہوا تو ایک تیران کے آگ اور یہ شہید ہو گئے۔^(۲)

(۳) جناب حارث یا (حارثہ) بن سراقہ بن حارث رضی اللہ عنہ: یہ بنی عدی بن نجار میں سے تھے، ان کی والدہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی پھوپھی تھیں۔ یہ حوض پر پانی پی رہے تھے کہ ایک تیران کے حلق میں لگا۔ بقولے جناب مہجع بن صالح رضی اللہ عنہ کے بعد ان کو تیر لگا۔^(۳)

(۴) جناب عمیر بن حمام بن جموح بن زید بن حرام رضی اللہ عنہ: یہ بنی سلمہ میں سے تھے۔ انہوں نے حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ کے ساتھ مواخات کی تھی۔ دونوں ایک ہی میدان میں سرخرو ہو کر رونق افروزِ جنت ہوئے۔

(۵) جناب ذوالشمالین عمیر بن عبدعمیر بن نضلہ رضی اللہ عنہ: ان کا نام عمیر اور لقب ذوالشمالین تھا۔ ان کی کنیت ابو محمد تھی۔ یہ قبیلہ بنو زہرہ کے حلیف تھے۔

^(۱) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۱۳۴

^(۲) ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۱۸

^(۳) ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۱۸

(۶) جناب عمیر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ: یہ سعد بن ابی وقاص کے بھائی تھے۔ شہادت کے وقت ان کی عمر صرف ۱۶ سال تھی۔ بروایت نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کم عمری کی بنا پر جنگ سے واپس کرنا چاہا تو یہ رونے لگے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت مرحمت فرمادی۔

(۷) جناب عوف (عوز) بن عفر رضی اللہ عنہ یا عوف (عوز) بن الحارث رضی اللہ عنہ: یہ انصاری صحابی تھے۔ ان کی والدہ کا نام عفر اور والد کا نام حارث تھا۔ کچھ روایات میں ان کے نام کے ساتھ ان کی والدہ کا نام آیا اور بعض میں والد کا نام آیا ہے۔

(۸) جناب معوذ بن عفر رضی اللہ عنہ یا معوذ بن الحارث رضی اللہ عنہ: یہ عوف بن عفر رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے۔ ان کے نام کی طرح ان کا نام بھی روایات میں دونوں طرح آیا ہے۔

(۹) جناب عاقل بن الکیر بن عبد یلیل رضی اللہ عنہ

(۱۰) جناب ابن حارث بن قیس رضی اللہ عنہ: ان کا پورا نام یزید بن حارث تھا۔ یہ انصاری صحابی تھے۔

(۱۱) جناب رافع بن معلیٰ بن لوذان: یہ بھی انصاری صحابی تھے۔

(۱۲) جناب مبشر بن عبد المنذر بن زبیر بن زید رضی اللہ عنہ: یہ بھی انصاری صحابی تھے۔

(۱۳) جناب سعد بن خیشمہ انصاری رضی اللہ عنہ: ان کی کنیت ابو عبد اللہ اور لقب سعد الخیر تھا۔ ان کے والد نے انہیں جنگ پر جانے سے روکا تھا، بروایت ان کی جگہ وہ خود جانا چاہتے تھے لیکن انہوں نے کہا کہ مجھے جنت میں جانے سے نہ روکو۔ ان کے والد حضرت خیشمہ رضی اللہ عنہ غزوہ احد میں شہید ہوئے۔

(۱۴) جناب عمار بن زیاد بن رافع انصاری رضی اللہ عنہ یا جناب صفوان بن وہب رضی اللہ عنہ (بعض کتابوں میں جناب صفوان کا ذکر آیا ہے اور بعض میں جناب عمار کا۔ مؤلف)

ان شہداء بدر میں سے تیرہ تو میدان بدر ہی میں مدفون ہوئے مگر حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ نے چونکہ بدر سے واپسی پر منزل ”صفراء“ میں وفات پائی اس لئے ان کی قبر منزل ”صفراء“ میں ہے۔

تاریخ عالم کی اس عظیم اور فیصلہ کن جنگ میں طرفین کا جانی نقصان اس قدر کم ہونے کی وجہ جناب رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی صلہ رحمی اور بہترین جنگی حکمت عملی تھی۔

بدر سے واپسی

روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب دشمنوں پر غلبہ اور فتح پاتے تو تین روز اُسی میدان میں قیام فرماتے تھے چنانچہ بدر میں بھی حضور ﷺ نے تین روز قیام فرمایا، تیسرے دن آپ ﷺ نے اپنی سواری طلب فرمائی، پس سواری پیش کی گئی اور آپ ﷺ سوار ہوئے، صحابہؓ کی ایک جماعت بھی آپ ﷺ کے ہمراہ چلی، یہاں تک کہ آپ ﷺ اُس کنوئیں پر تشریف لائے جس میں کفار کی لاشوں کو ڈالا گیا تھا۔ آپ ﷺ نے لاشوں میں سے ہر ایک کا نام لے کر فرمایا کی تم بد خویش و عاقبت نا اندیش ہو کہ تم نے مجھے جھٹلایا.... الخ“ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا کہ یا رسول اللہ (ﷺ)! آپ اُن جہنموں کو مخاطب فرما رہے ہیں جن میں روحیں نہیں ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ قسم ہے اُس خدا کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، تم ان سے زیادہ اس بات کے سننے والے نہیں ہو، جو کچھ میں خطاب کر رہا ہوں وہ خوب سُن رہے ہیں لیکن وہ جواب نہیں دے سکتے۔^(۱)

رسول اللہ ﷺ بدر سے عازمِ مدینہ ہوئے تو جنگ میں حاصل ہونے والا مالِ غنیمت بھی آپ ﷺ کے ہمراہ تھا۔ مالِ غنیمت کی نگرانی آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن کعب بن زید کو تفویض کی۔ آپ ﷺ نے صفراء کی گھاٹی کو عبور کر کے، صفراء اور نار یہ کے بیچ واقع سیر نامی سرخ ریت کے ٹیلہ پر قیام فرمایا اور مالِ غنیمت سب مسلمانوں میں تقسیم کیا۔ یہاں آپ ﷺ کے لئے ایک چشمہ آبِ ارواق سے پانی لایا گیا۔ جب آپ ﷺ مقامِ روعاء پر پہنچے تو مدینہ کے مسلمان آپ ﷺ کے استقبال کے لئے حاضر ہوئے اور فتح کی مبارکباد دی۔^(۲)

^(۱) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۱۳۴

^(۲) ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری ج ۲ حصہ اول ص ۱۳۹

نبی اللہ ﷺ کے حجام حضرت ابوہند انصاری رضی اللہ عنہ

رسول اللہ ﷺ بدر سے واپسی پر صفراء اور روحا کے بعد عرق انطیہ تشریف لائے تو حضرت ابوہند انصاری رضی اللہ عنہ دودھ، مسکہ کی کھیر اور کھجور لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ حضور ﷺ کے حجام تھے اور کسی سبب سے جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے جب کہ انہوں نے باقی تمام غزوات میں شرکت کی۔ رسول اللہ ﷺ نے اُن کو دیکھ کر مسرت کا اظہار کیا اور مسلمانوں سے فرمایا کہ ابوہند انصار میں سے ہیں تم ان کو اپنی بیٹیاں دو اور ان کی لو۔ چنانچہ صحابہؓ نے اس حکم پر عمل کیا۔ یہاں سے رخصت ہو کر آپ ﷺ مدینہ تشریف لائے۔^(۱)

اسیران بدر

اس غزوہ میں کفار کے مقتولین کی تعداد ستر (۷۰) تھی اور تقریباً اتنے ہی اسیر تھے۔^(۲) مدینہ منورہ پہنچ کر رسول اللہ ﷺ نے اُن اسیران کو خوشحال صحابہؓ میں تقسیم کر دیا۔ آپ ﷺ نے صحابہ کو اُن کے قیام و طعام کی ذمہ داری سونپتے ہوئے فرمایا کہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔ اُس وقت اسلامی حکومت اگرچہ قائم ہو چکی تھی، جس کا ایک دستور اور آئین (مِثاقِ مدینہ) بھی تھا لیکن اُس مملکت میں کوئی قید خانہ نہیں تھا۔ روئے زمین پر شاید یہ پہلی اور آخری سلطنت ہوگی جس میں قید خانہ نہیں تھا اور یہ بھی جناب رحمۃ اللعالمین ﷺ کی انسانیت پر کی گئی رحمتوں میں سے ایک ایسی رحمت ہے جس کی نظیر نہیں ملتی۔

کفار کے قیدیوں میں سے ایک قیدی، ابو عزیز بن عمیر بن ہاشم سے مروی ہے کہ جب قیدیوں کو بدر سے مدینہ لایا گیا تو مجھے انصاریوں میں رکھا گیا۔ وہ میرے ساتھ ایسا برتاؤ کرتے تھے کہ جب صبح وشام کھانا کھانے بیٹھتے تو روٹی مجھے کھلاتے اور خود کھجور پر اکتفا کرتے۔ جس کے پاس

^(۱) ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری ج ۲ حصہ اول ص ۱۳۹

^(۲) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۱۳۴

روٹی ہوتی وہ مجھے دے دیتا اور مجھے شرم آتی کہ میں اکیلا روٹی کھاؤں لہذا میں انکار کر دیتا مگر وہ اُسے پھر مجھے دے دیتے۔^(۱) (واضح رہے کہ عرب میں کثرت پیداوار کی بنا پر کھجور کو ایک عام خوراک سمجھا جاتا تھا جبکہ گندم کم یاب ہونے کی وجہ سے روٹی کو خاص اہمیت حاصل تھی۔)

اسیرانِ قریش میں سے بعض ایمان لے آئے تھے۔ حضور ﷺ کے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ بھی اُن میں شامل تھے۔ اربابِ سیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت عباسؓ پہلے سے ہی مسلمان تھے لیکن اُنہوں نے اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھا ہوا تھا۔ روایات میں ملتا ہے کہ کفار کے درمیان رہتے ہوئے وہ مشرکوں کی خبریں لکھ کر رسول اللہ ﷺ کو بھیجا کرتے تھے۔ مروی ہے کہ وہ رسول اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر رہنا چاہتے تھے لیکن آپ ﷺ نے اُن کو پیغام بھیجا کہ تمہارا وہیں ٹھہرے رہنا بہتر ہے۔^(۲)

روایت ہے کہ مسلمانوں نے اسیرانِ بدر کی مشکلیں کس رکھی تھیں۔ رات آئی تو حضرت عباسؓ مشکوں کی بندش سے کراہنے لگے۔ حضور ﷺ نے اُن کے کراہنے کی آواز سنی تو آپ ﷺ بے چین ہو گئے اور اس وجہ سے آرام نہ فرما سکے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ استراحت کیوں نہیں فرما رہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنے چچا عباسؓ کے کراہنے کی وجہ سے۔ اصحابؓ نے جناب رسالت مآب ﷺ کی بے چینی دیکھی تو فو ا حضرت عباسؓ کے بند ڈھیلے کر دیئے، پس کچھ سکون ملا تو عباسؓ سو گئے۔ نبی کریم ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کیا بات ہے؟ عباسؓ کی آواز کیوں نہیں آرہی؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! اُن کے بند ڈھیلے کر دیے گئے ہیں۔ اس پر جناب رحمتِ دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ تمام اسیروں کی بندشیں ڈھیلی کر دی جائیں۔^(۳)

^(۱) ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری ج ۲ حصہ اول ص ۱۵۰

^(۲) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۱۳۸

^(۳) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۱۳۸

اُس دور میں جنگی قیدیوں کے ساتھ انتہائی بہیمانہ سلوک کیا جاتا تھا، اُن پر تشدد کیا جاتا، جسم کے بعض اعضاء و جوارح کاٹ دیے جاتے تھے یا قتل کر دیا جاتا تھا مگر عالمین کے لئے رحمت بن کر مبعوث ہونے والے رسول اعظم ﷺ نے عفو و درگزر اور رحم و کرم سے کام لیا اور قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک اور نرمی سے پیش آنے کا حکم دیا۔ آپ ﷺ کا قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک انسانی اقدار کے حوالے سے اس قدر شاندار عمل تھا کہ تیرہ سو سال بعد اقوام متحدہ کے دستور کی ایک اہم شق بن گیا۔

مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے ایک قیدی سہیل بن عمرو (جو اپنی قوم میں بہت بڑا خطیب سمجھا جاتا تھا) سے متعلق رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کے نیچے والے دو دانت اکھاڑ لوں تاکہ یہ آئندہ آپ (ﷺ) کی مخالفت میں تقریر نہ کر سکے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ مثلاً کرنا جائز نہیں ہے، اگر میں اس کا کوئی عضو قطع کروں گا تو میرے نبی ہونے کے باوجود (روزِ محشر) اللہ عز و جل میرے اعضا کو قطع کرے گا۔ پھر آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ ممکن ہے اس کا روزِ خطابت کبھی حق کی حمایت میں ہو۔ پس سہیل بن عمرو کو بغیر کوئی جسمانی ضرر پہنچائے رہا کر دیا گیا۔^①

اسیرانِ بدر کی رہائی

آنحضرت ﷺ نے مالدار قیدیوں کو فدیہ کے عوض رہا کر دیا، جو قیدی زرفدیہ ادا نہیں کر سکتے تھے مگر پڑھ لکھے تھے، اُن کا فدیہ یہ مقرر فرمایا کہ وہ ناخواندہ مسلمانوں کو ایک مقررہ مدت تک تعلیم دیں، اور جو لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے اور نادار بھی تھے، اُنہیں بغیر فدیہ کے ویسے ہی رہا کر دیا گیا۔^②

① علامہ علی نقوی، تاریخ اسلام ص ۲۰۷ بحوالہ ابو جعفر محمد بن جریر طبری، تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۸۹

② علامہ علی نقوی، تاریخ اسلام ص ۲۱۰۔ خواجہ محمد لطیف، اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ، ج ۱ ص ۸۸

بعض مؤرخین لکھتے ہیں (جن کے بیان سے ہمیں اتفاق نہیں۔ مؤلف) کہ قیدیوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے کچھ اصحاب سے مشورہ کیا اور اُس پر عمل کرتے ہوئے زِرفدیہ لے کر قیدیوں کو رہا کیا اور بعد میں اس پر پشیمان ہوئے اور گریہ بھی کیا کہ فدیہ قبول کر لینے پر عنقریب عذابِ الہی نازل ہوگا۔^(۱) ہمیں اس روایت سے اس لئے اتفاق نہیں کہ ایسا ہو ہی نہیں سکتا کہ رسول اللہ ﷺ کوئی ایسا کام کریں جو حکمِ الہی کے خلاف ہو۔ کام تو دُور کی بات ہے ہمارے نزدیک تو آپ ﷺ کا ہر قول بھی قولِ خدا ہوتا تھا، جیسا کہ مدارج النبوت میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی صاحب فرماتے ہیں، ”حضور نبی کریم ﷺ کا ہر قول و فعل حکمِ الہی کا تابع ہوتا تھا۔ آپ ﷺ فعل و ترک، لطف و قہر اور عفو و اخذ میں سے کوئی بھی چیز اللہ کے حکم کے بغیر نہ کرتے تھے اور کوئی بات اپنی مرضی و خواہش کے مطابق نہ کرتے تھے اور جو کچھ بھی ہوتا اُسے تقدیرِ الہی اور حکمِ خدا قرار دیتے تھے۔“^(۲) پس یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ ﷺ ہمارے جیسے عام انسانوں کی طرح خلافِ شریعت کوئی کام کریں اور پھر عذابِ الہی کے خوف سے پچھتانے بیٹھ جائیں۔

ایک اہم نکتہ: شیخ عبدالحق محدث دہلوی صاحب کے مندرجہ بالا بیان کے دوسرے حصے، ”آپ ﷺ کوئی بات اپنی مرضی و خواہش کے مطابق نہ کرتے تھے“ سے ہم یہ مراد نہیں لیتے کہ آپ ﷺ کی اپنی کوئی مرضی و خواہش تھی ہی نہیں، بلکہ ہم اس سے یہ مطلب اخذ کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کی ہر مرضی و خواہش حکمِ الہی کے مطابق ہوتی تھی اور جو آپ ﷺ کی خواہش ہوتی تھی وہی رضائے الہی ہوتی تھی، یعنی اللہ کی رضا میں آپ ﷺ کی رضا اور آپ ﷺ کی رضا میں اللہ کی رضا، جیسا کہ ارشادِ الہی ہوتا ہے:

”تَرْجِي مَنْ تَشَاءُ مِنْهُمْ وَتُؤَيِّ إِلَيْكَ مَنْ تَشَاءُ ط وَمَنْ ابْتَغَيْتَ مِنْ عَزَلْتُ فَلَا

(۱) ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری ج ۲ حصہ اول ص ۱۵۰

(۲) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۱۳

جُنَاحَ عَلَيْكَ ذَلِكْ ۖ اِذْنِي اَنْ تَقْرَءَ اَعْيُنُهُنَّ وَلَا يَجْزَنَ وَيَرْضَيْنَ بِمَا اَتَيْنَهُنَّ كُلُّهُنَّ ۖ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ ۖ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَلِيْمًا ﴿٥١﴾

(اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! تم) پیچھے ہٹاؤ ان میں سے جسے چاہو اور اپنے پاس جگہ دو جسے چاہو اور جسے تم نے کنارے کر دیا تھا اُسے تمہارا جی چاہے تو اس میں بھی تم پر کچھ گناہ نہیں یہ امر اس سے نزدیک تر ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور غم نہ کریں اور تم انہیں جو کچھ عطا فرماؤ اس پر وہ سب کی سب راضی رہیں اور اللہ جانتا ہے جو تم سب کے دلوں میں ہے، اور اللہ علم و حلم والا ہے) ^(۱)

سریہ عمیر بن عدی

(رمضان المبارک سنہ ۲ ہجری)

مدینہ کے نواح میں ایک یہودی ہجو گو شاعر عصماء بنت مروان خطمیہ رہتی تھی۔ وہ یزید بن خطمی کی بیوی تھی، نہایت بد کردار اور زبان دراز تھی اور اپنی ہرزہ سرائی سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت اذیت پہنچایا کرتی تھی۔ وہ اپنے شعروں کے ذریعے اسلام اور اہل اسلام کی برائیاں کرتی اور اپنی قوم کو مسلمانوں کے خلاف جنگ پراکسایا کرتی تھی۔ اُس کی یاوہ گوئی اور اشتعال انگیز شاعری کسی وقت بھی مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان بہت بڑے تصادم کا سبب بن سکتی تھی جس کی وجہ سے کئی قیمتی جانوں کا ضیاع ہو سکتا تھا۔ اس لئے ضروری تھا کہ اُس کے فتنے کو فوراً فرو کیا جاتا اور کئی لوگوں کی جان بچانے کے لئے اُس ایک شر پسند کو بھی خاموش کر دیا جاتا۔

پس سنہ دو ہجری میں رمضان المبارک کے مہینے میں حضرت عمیر بن عدی بن خرضہؓ نے اُسے قتل کر کے اُس کی زبان ہمیشہ کے لئے بند کر دی۔ ^(۲)

^(۱) سورۃ الاحزاب، آیت ۵۱

^(۲) قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، کتاب: رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم، ج ۳ ص ۱۸۷

غزوہ قرقرۃ الکدی یا غزوۃ الکدر

(۲۵ رمضان ۲ ہجری / ۲۰، ۲۱ مارچ ۶۲۴ء)

غزوہ قرقرۃ الکدی، ۲۵ رمضان ۲ ہجری / ۲۰، ۲۱ مارچ ۶۲۴ء میں پیش آیا۔^①

بعض مؤرخین نے اسے ۱۹ محرم سنہ ۳ ہجری میں بھی لکھا ہے۔^②

”قرقرۃ“ ہموار زمین کو کہتے ہیں اور ”کدی یا کدر“ گہرے سرمئی رنگ کے ایک پرندے کا نام ہے۔ یہ غزوہ جس علاقے میں پیش آیا اُس کی زمین ہموار تھی اور وہاں کدی یا کدر نامی پرندے کی بہتات تھی اس لئے اسے قرقرۃ الکدی یعنی سرمئی پرندوں والی ہموار زمین کہا جاتا تھا اور اس نسبت سے اس غزوہ کو غزوہ قرقرۃ الکدی یا غزوۃ الکدر کہا جاتا ہے۔

اس علاقے میں قبیلہ بنو سلیم رہتا تھا۔ حضور نبی کریم ﷺ کو خبر ملی کہ قبیلہ بنو سلیم اور غطفان کے لوگ مدینہ منورہ پر حملہ آور ہونے کے لئے اکٹھے ہو رہے ہیں۔ آپ ﷺ اُن کی سرکوبی کے لئے مہاجرین و انصار کی ایک جماعت کے ساتھ روانہ ہوئے۔ لشکر کا علم آپ ﷺ نے شیر خدا حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کو دیا۔^③

آپ ﷺ نے مدینہ میں حضرت سباع بن عرفطہ انصاری کو اور بقولے حضرت ابن ام کلثوم کو عامل مقرر کیا اور الکدر کی طرف کوچ فرمایا۔

جب آپ ﷺ الکدر پہنچے تو وہاں کوئی دشمن نہ ملا چنانچہ چند صحابہ کو اُن کی تلاش میں روانہ کیا اور خود باقی اصحاب کے ساتھ وادی بطن میں تشریف لے گئے۔ وہاں کچھ چرواہے ملے جو اونٹوں کو چرا رہے تھے، آپ ﷺ نے اُن میں سے ایک غلام جس کا نام ”یسار“ تھا، سے پوچھا کہ بنی سلیم اور غطفان کہاں ٹھہرے ہوئے ہیں؟ اُس نے بتایا کہ پہلے تو پانی کے کنارے ٹھہرے ہوئے

① ذاکر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر ﷺ، ص ۷۱

② علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۲۱۹

③ شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۱۳۳

تھے اب معلوم نہیں کہاں ہیں۔ دراصل بنو سلیم کو آپ ﷺ کی پیش قدمی کی خبر ہو گئی تھی اور وہ اتنے سراسیمہ ہوئے کہ راتوں رات پہاڑوں میں جا چھے۔^(۱)

آپ ﷺ نے وہاں دو یا تین دن تک قیام فرمایا۔ اس سفر کی مجموعی مدت پندرہ دن تھی۔ بعض مؤرخ اس غزوہ کو غزوہ سویق کے بعد بیان کرتے ہیں۔

عید الفطر اور صدقہ فطر

(۲۸ رمضان المبارک ۲ ہجری / ۲۴ مارچ ۶۲۴ء)

شعبان میں روزے فرض ہوئے تو مہربان رب کی طرف سے روزہ داروں کی خوشی کا سامان بھی ساتھ ہی کر دیا گیا۔ رمضان کا مہینہ ابھی تمام نہیں ہوا تھا کہ ۲۸ تاریخ (۲۸ رمضان المبارک ۲ ہجری / ۲۴ مارچ ۶۲۴ء) کو ہی عید الفطر کی نوید سنائی گئی۔ عید الفطر کی خوشیوں میں غریب و نادار لوگوں کی بھرپور شمولیت کو یقینی بنانے کے لئے دین نے ہر صاحب حیثیت پر صدقہ فطر کو واجب قرار دیا۔ (کن لوگوں پر صدقہ فطر یا زکوٰۃ فطرہ واجب ہے اور کن پر نہیں؟ اور کس طرح ادا کیا جائے؟ تفصیلات کے لئے فقہ کی مستند کتب سے استفادہ کریں۔ مؤلف)

مومنین نے پہلی نماز عید رسول اللہ ﷺ کی اقتدا میں پڑھی اور عید کا خطبہ سنا۔^(۲) یہ پہلی عید مومنین کے لئے عید الفطر بھی تھی، عید آزادی بھی اور عید فتح بھی۔ عید آزادی اس طرح کہ ہجرت کرنے کے بعد قریش کے تسلط سے آزاد ہوئے اور ميثاقِ مدینہ کے ذریعے اپنی خود مختار ریاست کو قائم کیا اور عید فتح اس حوالے سے کہ غزوہ بدر اور غزوہ الکوثر میں فتیاب ہوئے۔

^(۱) ابن ہشام (متوفی ۸۳۳ء)، سیرت النبی ﷺ (اردو)

^(۲) مشکوٰۃ باب صلوة العیدین۔ محمد ابن سعد (متوفی ۲۳۰ ہجری)، طبقات ابن سعد، ۲: ۲۴۸

سریہ سالم بن عمیر

(۲ ہجری / ۶۲۴ء)

”المواہب اللدنیۃ“ میں غزوہ قرقرة الکدئی کے بعد سریہ سالم بن عمیر بیان کیا گیا ہے۔ یہ سریہ، سریہ عمیر بن عدی (جس کا ذکر اوپر آچکا ہے) سے بہت مماثلت رکھتا ہے۔ اس میں حضرت سالم بن عمیرؓ ایک یہودی ابی عفلہ کی طرف گئے تھے۔ ابی عفلہ بھی ہجو گو شاعر عصفاء بنت مروان خطمیہ کی طرح ہرزہ سرائی کر کے لوگوں کو حضور اکرم ﷺ اور اسلام کے خلاف ورغلاتا اور ابھارتا تھا اور ایسے اشعار کہتا تھا جن میں لوگوں کو حضور ﷺ اور دین اسلام سے منحرف کرنے کی ترغیب ہوتی تھی۔ اُس کی اشتعال انگیز شاعری اور تعصب سے بھرپور باتیں مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان تصادم کا باعث بن سکتی تھی اور کئی قیمتی جانوں کا ضیاع ہو سکتا تھا۔ اس لئے ضروری تھا کہ عصفاء بنت مروان خطمیہ کی طرح اس کے فتنے کو بھی فوراً فرو کیا جاتا اور کئی لوگوں کی جان بچانے کے لئے اس ایک شیطان کو خاموش کر دیا جاتا۔ چنانچہ حضرت سالمؓ اُس کی طرف گئے اور اس کے جگر میں تلوار گھونپ کر اُسے واصل جہنم کر دیا۔^①

غزوہ قینقاع

(۱۵ شوال ۲ ہجری / ۱۱۰ اپریل ۶۲۴ء)

یہ غزوہ ۱۵ شوال ۲ ہجری / ۱۱۰ اپریل ۶۲۴ء میں ہجرت کے بیسویں مہینہ کے شروع میں، غزوہ بدر کے ایک ماہ بعد ہوا۔ قینقاع، مدینہ منورہ میں واقع یہودیوں کی ایک بستی کا نام تھا جس میں قبیلہ بنو قینقاع رہتا تھا۔

① شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۱۴۴ بحوالہ المواہب اللدنیہ

یہودیوں نے حضور اکرم ﷺ سے صلح کے ایک معاہدے (میثاقِ مدینہ، جس کا ذکر اوپر آچکا ہے) کے تحت مصالحت کر لی تھی اور عہد کیا تھا کہ وہ آپ ﷺ کے ساتھ جنگ کریں گے نہ آپ ﷺ کے دشمنوں کی مدد کریں گے بلکہ دشمن کے حملے کی صورت میں وہ آپ ﷺ کی حمایت کریں گے۔ اُس معاہدہ صلح میں یہودیوں کے تین قبیلے تھے، بنو قریظہ، بنو نضیر اور بنو قینقاع۔ بنو قینقاع وہ قبیلہ تھا جس نے سب سے پہلے عہد شکنی کی۔

روایت ہے کہ ایک نقاب پوش مسلمان عورت بنو قینقاع میں دودھ بیچنے گئی تھی۔ چند اوباش یہودیوں نے شرارت سے اُس کی نقاب الٹ دی اور اُس سے چھیڑ خانی کرنے لگے۔ عورت نے صدائے احتجاج بلند کی تو ایک مسلمان اُس کی مدد کے لیے پہنچا۔ یہودی اُس پر پل پڑے۔ مسلمان نے ایک یہودی کو مار ڈالا اور لڑتا ہوا خود بھی شہید ہو گیا۔ باوجود اس کے کہ مسلمان بھی شہید ہو چکا تھا، یہودی مشتعل ہو گئے۔ وہ مسلمانوں کو لاکارنے لگے اور خون خرابے پرتل گئے۔ مسلمانوں نے اس کے باوجود نہایت صبر و تحمل اور نظم و ضبط کا مظاہرہ کیا اور رسول اللہ ﷺ کو واقعہ کی خبر کی۔^①

”مدارج النبوت“ میں یہ روایت اس طرح بیان کی گئی ہے کہ ایک مسلمان عورت (قینقاع کے) بازار میں ایک سنار کے سامنے بیٹھی تھی کہ ایک یہودی نے عقب سے آکر اُس کا دامن اٹھایا اور اُس کی پشت کی جانب سے یوں باندھ دیا کہ جب وہ عورت کھڑی ہوئی تو اُس کا ستر کھل گیا اور لوگ اُس پر ہنسنے لگے۔ عورت فریاد کرنے لگی۔ ”المواہب اللدنیة“ میں اس فعل کو اُسی سنار سے منسوب کیا گیا ہے جس کی دکان پر وہ بیٹھی تھی۔ ایک مسلمان وہاں موجود تھا اُس نے عورت کی فریاد سن کر تلوار کھینچ لی اور اُس یہودی سنار کو قتل کر دیا۔ چنانچہ قوم یہود اکٹھی ہو گئی اور اُس مسلمان پر حملہ آور ہو کر اُسے شہید کر دیا۔^②

① ذاکر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبرِ اعظم و آخرِ صالحین ﷺ، ص ۸۸

② شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۱۴۵، احمد بن محمد قسطلانی

(متوفی ۹۲۳ ہجری)، المواہب اللدنیة

جب حضور اکرم ﷺ کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے قوم یہود کو نصیحت فرمائی کہ اس قسم کی حرکتوں سے باز آ جاؤ، امن و سلامتی کی راہ اختیار کرو اور خدا کے غضب سے ڈرو کہ کہیں تم پر بھی وہ عذاب نازل نہ ہو جائے جو قریش پر نازل ہوا ہے۔^①

اس پر وہ تمام یہودی، حضور اکرم ﷺ کے روبرو بیہودہ گوئی کرنے لگے اور نامعقول باتیں کہنے لگے۔ انہوں نے سخت بغض اور حسد و عناد کا اظہار کیا اور کہنے لگے کہ یا محمد (ﷺ)! کیا آپ (ﷺ) ہمیں بھی اپنی قوم کی طرح سمجھ بیٹھے ہیں؟ اس غلط فہمی میں نہ رہیے گا۔ آپ (ﷺ) نے اُن لوگوں کے ساتھ جنگ کی ہے جو فتنہ حرب سے واقف ہی نہیں تھے، اس لئے اُن پر غلبہ پایا، اگر ہمارے ساتھ جنگ کرتے تو آپ کو لگ پتا جاتا کہ جنگ کیا ہوتی ہے؟

حضور اکرم ﷺ نے جان لیا کہ یہ قوم نقص عہد پر آمادہ ہے۔ جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے تائید الہی بھی ہو گئی اور یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

وَمَا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَأَنْبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَى سَوَاءٍ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِينَ ۝

(اور اگر آپ کو کسی جماعت کی طرف سے خیانت (عہد شکنی کا) اندیشہ ہو تو پھر اُن کا معاہدہ اس طرح اُن کی طرف پھینک دیں کہ معاملہ برابر ہو جائے۔ بے شک اللہ خیانت کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔)^②

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کا مدینہ میں بطور عامل تقرر کیا، ایک سفید علم حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمایا اور بنو قینقاع کی جانب متوجہ ہوئے۔ آپ ﷺ نے اُن کا محاصرہ کر لیا۔ رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی بن سلول نے آپ ﷺ کو روکنے کی بہت کوشش کی لیکن آپ ﷺ نے محاصرہ جاری رکھا۔ یہودی اپنے حلیف قبیلہ بنو نضیر

① سیرۃ ابن ہشام۔ ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر ﷺ، ص ۳۸۸

② سورة الانفال، آیت ۵۸

اور اپنے ساتھی عبداللہ بن ابی کی طرف سے کسی کمک کے منتظر تھے لیکن انہیں اُن کی مدد کرنے کا حوصلہ نہ ہوا چنانچہ پندرہ دن بعد وہ اپنی محسوری سے تنگ آ گئے اور یکم ذیقعدہ ۲ ہجری بمطابق ۶۲۴ء یا ۶۲۵ء پر ۶۲۴ء کو غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈال دیے۔^(۱)

مدارج النبوت میں ہے کہ انہوں نے یہ پیشکش کی کہ محاصرہ ختم کر دیا جائے، اُن کے تمام اموال حضور ﷺ کے ہوں گے مگر اُن کی عورتیں اور بچے انہی کے پاس رہیں گے۔

حضور اکرم ﷺ نے محاصرہ ختم کر دیا۔ آپ ﷺ نے اُن کے قتل اور غارت گری سے درگزر فرمایا اور حکم دیا کہ وہ مدینہ سے نکل جائیں۔ چنانچہ بنو قینقاع جو تعداد میں سات سو تھے، شام کے علاقے از رعات میں جا بسے۔^(۲) بروایت حضرت عبادہ بن صامت کو مامور کیا گیا کہ وہ انہیں مدینہ کی سرحد تک چھوڑ کے آئیں۔^(۳)

اُن کا جو مال اور اسلحہ، مال غنیمت بنا اُس سے متعلق آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس مال میں سے پانچواں حصہ فمس نکالو۔ ”روضۃ الاحباب“ میں ہے کہ یہ پہلا فمس تھا جو حضور ﷺ کے حکم سے نکالا گیا۔ حضور اکرم ﷺ نے اُس مال میں سے اپنے لئے تین کمائیں، تین تلواریں اور تین نیزے منتخب کیے۔^(۴)

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ



(۱) ذاکر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر ﷺ، ص ۸۸

(۲) ذاکر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر ﷺ۔ محمد ابن سعد (متوفی ۲۳۰ ہجری)، طبقات ابن سعد۔

سنن ابن داؤد۔ مولانا شبلی نعمانی (متوفی ۱۹۱۳ء)، سیرۃ النبی ﷺ۔ ابن ہشام (متوفی ۸۳۳ء)، سیرۃ النبی ﷺ

(۳) علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۲۱۳۔ ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۹۷

(۴) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۱۴۵۔ جمال الدین محدث، روضۃ الاحباب

سیدۃ نساء العالمین حضرت فاطمہ الزہراء علیہا السلام کا نکاح

(یکم ذی الحجہ سنہ ۲ ہجری / ۲۵ مئی ۶۲۴ء)

ایک روایت کے مطابق یکم ذی الحجہ سنہ ۲ ہجری کو، دوسری روایت کے مطابق ۶ ذی الحجہ سنہ ۲ ہجری کو اور تیسری روایت کے مطابق ۱۵ ربیع سنہ ۲ ہجری کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی جناب سیدہ فاطمہ الزہراء علیہا السلام کا عقد جناب علی علیہ السلام سے فرمایا اور ۲۴ ذی الحجہ ۲ ہجری کو اور بروایت ۱۹ ذی الحجہ ۲ ہجری کو آپ علیہ السلام کی رخصتی فرمائی۔ امام محمد باقر و امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ نکاح رمضان ۲ ہجری میں اور رخصتی اُسی سال ذی الحجہ میں ہوئی۔ کتاب اقبال الاعمال میں شیخ مفید علیہ السلام کی کتاب حدائق الریاض کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے کہ حضرت فاطمہ زہراء علیہا السلام ۲۱ محرم ۳ ہجری بروز پنجشنبہ اپنے پدر بزرگوار کے گھر سے رخصت ہو کر حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے گھر تشریف لائیں۔^①

روایت ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ نے پھر حضرت عمرؓ نے شادی کا پیغام بھیجا جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے اعراض فرمایا۔^②

اُن کے بعد عبدالرحمنؓ نے بھی پیغام بھیجا اور کثیر حق مہر دینے کی بات کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالرحمنؓ سے فرمایا کہ فاطمہ (علیہا السلام) کی شادی خدا کے حکم سے ہوگی، تم نے جو مہر کی زیادتی کا حوالہ دیا ہے وہ افسوس ناک ہے، تمہاری درخواست قبول نہیں کی جاسکتی۔^③

کنز العمال میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ سے اعراض فرمایا تو دونوں اصحاب حضرت علی علیہ السلام کے پاس گئے۔ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں، اُس وقت

① علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء)، بحار الانوار، ج ۳ ص ۷۳، بحوالہ اقبال الاعمال و دیگر اسناد

② علامہ علاء الدین علی متقی (متوفی ۹۷۵ء)، کنز العمال ج ۷ حصہ سیزدہم ص ۳۱۲

③ علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء)، بحار الانوار، ج ۳ ص ۱۲۶، ۱۲۷

میں کھجوروں کو پانی دے رہا تھا۔ انہوں نے کہا کہ تمہارے چچا کی بیٹی کے لیے نکاح کا پیغام دیا جا رہا ہے۔ علیؑ کے الفاظ ہیں، ”انہوں نے گویا کہ مجھے جگا دیا اور میں اپنی چادر لیے اٹھ کھڑا ہوا اور (فوراً) رسول اللہ (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہوا۔“ رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا، ”علی! کیا چاہتے ہو؟“ میں نے عرض کیا، ”آپ (ﷺ) فاطمہ (ؑ) سے میری شادی کرادیں۔“ فرمایا، ”تمہارے پاس (حق مہر کے لئے) کوئی چیز ہے؟“ میں نے کہا، ”میرے پاس گھوڑا اور میری زرہ ہے۔“ آپ (ﷺ) نے فرمایا، ”گھوڑا تو (تمہارے لئے) ضروری ہے ہاں البتہ زرہ بیچ دو۔“ پس میں نے ۴۸۰ درہم میں زرہ بیچ دی اور رقم لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں دوبارہ حاضر ہوا۔ (وہ رقم جناب سیدہ عائشہؓ کا مہر قرار پائی) آپ (ﷺ) نے ایک چار پائی اور ایک تکیہ جو چھال سے بھرا ہوا تھا جیز میں دیا اور فرمایا کہ (رخصتی کے بعد) جب فاطمہ (ؑ) تمہارے گھر پہنچ جائیں تو میرا انتظار کرنا۔^①

روایت ہے کہ حضرت علیؑ نے اپنی زرہ ۵۰۰ درہم میں حضرت عثمانؓ کے ہاتھ فروخت کی اور اس رقم سے مہر ادا کیا۔^②

بروایت، حضور ﷺ کی خدمت میں حضرت علیؑ نے شادی کی درخواست پیش کی تو آپ ﷺ نے حضرت سیدہ فاطمہؑ سے اُن کی مرضی دریافت فرمائی۔ سیدۃ النساء العالمینؑ چُپ ہو رہیں۔ یہ ایک طرح کا اظہارِ رضامندی تھا۔^③

بعض علماء نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؑ سے خود فرمایا کہ اے علی! مجھے خدا نے کہہ دیا ہے کہ فاطمہ (ؑ) کی شادی تمہارے ساتھ کر دوں۔ کیا تمہیں منظور ہے؟

حضرت علیؑ نے عرض کیا، ”بیشک۔“ یہی روایت صحاح میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ،

① علامہ علاء الدین علی متقی بن حسام الدین، کنز العمال ج ۷ حصہ سیزدہم ص ۳۱۲

② مناقب ابن شہر آشوب ج ۴ ص ۱۴۔ علامہ نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۲ء)، چودہ ستارے، ص ۹۵

③ علامہ نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۲ء)، چودہ ستارے ص ۹۵ بحوالہ سیرۃ النبی ﷺ، ج ۱ ص ۲۶۱

④ محب الدین طبری، ریاض النضر ج ۲ ص ۱۸۲ طبع مصر

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور اُم المؤمنین حضرت اُم سلمیٰ رضی اللہ عنہا نے کی ہے۔

ایک روایت میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ”اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں فاطمہ (علیہا السلام) کا نکاح علی (علیہ السلام) سے کر دوں۔“^(۱)

علامہ مجلسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ شادی کا پیغام محمود نامی ایک فرشتہ لے کر آیا تھا۔^(۲) کچھ علماء نے جبرائیل علیہ السلام کا حوالہ دیا ہے کہ وہ پیغام لے کر آئے تھے۔^(۳)

”مدارج النبوت“ میں ہے کہ جناب سیدہ فاطمہ زہرا علیہا السلام اور حضرت علی علیہ السلام کا عقد ۲ ہجری ماہ رمضان میں ہوا جب کہ اس کی بناء ماہ ذوالحجہ میں ہے۔ ماہ صفر میں اور غزوہ اُحد کے بعد کی روایات بھی ملتی ہیں۔ نکاح کے وقت سیدہ فاطمہ علیہا السلام کی عمر سولہ سال اور بعض کے نزدیک اٹھارہ سال تھی اور حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام کی عمر مبارک اُس وقت اکیس سال پانچ ماہ تھی۔^(۴)

”روضۃ الاحباب“ کے مطابق صحابہؓ نے حضرت علی علیہ السلام سے کہا کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل و خواص میں سے ہیں اس لیے آپ جا کر جناب سیدہ علیہا السلام کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پیام دیں۔ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اس بارے میں شرم محسوس کرتا ہوں۔ صحابہؓ نے کہا کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں بہت زیادہ مقرب ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے چچا حضرت ابوطالب کے فرزند بھی ہیں اس لئے جائیں اور شرم محسوس نہ کریں۔ چنانچہ حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلام عرض کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ اے ابن ابی طالب کیا بات ہے؟ کیسے آنا ہوا؟ عرض کیا کہ میں اپنے لیے فاطمہ (علیہا السلام) کا پیام لے کر حاضر ہوا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ”مَرْحَبًا وَ أَهْلًا“

(۱) حافظ ابی القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی (متوفی ۳۶۰ ہجری)، المعجم الکبیر، ۱۰: ۱۵۶۔

ابن جوزی، تذکرۃ الخواص

(۲) علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء)، بحار النوار، ج ۳ ص ۱۳۴

(۳) مناقب ابن شہر آشوب، ج ۴ ص ۱۴۔ علامہ نجم الحسن کراوی (متوفی ۱۹۸۲ء)، چودہ ستارے، ص ۹۵

(۴) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۰۹

حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ اُس وقت میں رسول اللہ ﷺ کے پاس موجود تھا، آپ (ﷺ) پر وہ کیفیت طاری ہوگئی جو نزولِ وحی کے وقت ہوتی ہے اور جب وہ کیفیت دُور ہوئی تو آپ (ﷺ) نے فرمایا: ”اے انس! ربُّ العرش کی طرف سے جبرائیل (علیہ السلام) میرے پاس آئے اور کہا کہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ فاطمہ (علیہا السلام) کا نکاح علی مرتضیٰ (علیہ السلام) کے ساتھ کر دو۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو بلوایا اور جب سب حاضر ہو گئے تو آپ (ﷺ) نے بلیغ خطبہ پڑھا اور اللہ ربُّ العزت کی حمد و ثنا کے بعد حضرت فاطمہ (علیہا السلام) کا نکاح جناب علی (علیہ السلام) کے ساتھ بحق مہر چار سو مثقال چاندی، کیا اور فرمایا: ”اے علی! تم قبول کرتے ہو اور راضی ہو؟“ حضرت علی (علیہ السلام) نے عرض کیا کہ میں نے قبول کیا اور راضی ہوا۔ پھر حضور ﷺ نے ایک طباق کھجور کا لیا اور صحابہ میں تقسیم کیا۔^①

اسی بنا پر فقہاء کی ایک جماعت کہتی ہے نکاح کے وقت کھجور وغیرہ کی ضیانت مستحب ہے۔ پس جناب علی (علیہ السلام) اور سیدہ فاطمہ (علیہا السلام) کے نکاح پر رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک سے کھجور کی تقسیم کی سنت پر مومنین آج تک عمل پیرا ہیں، شاید ہی کوئی نکاح ایسا ہو جس میں اس سنت پر عمل نہ کیا جاتا ہو۔

”المواہب اللدنیة“ میں خطبہ نکاح کو یوں نقل کیا گیا ہے:

أَلْحَمْدُ لِلَّهِ الْمَحْمُودُ بِنِعْمَتِهِ الْمَعْبُودُ بِقُدْرَتِهِ الْمَطَاعُ بِسُلْطَانِهِ الْمَرْهُوبُ مِنْ عَذَابِهِ وَسَطْوَتِهِ النَّافِذُ أَمْرُهُ فِي سَمَاءٍ ۖ وَأَرْضِهِ الَّذِي خَلَقَ الْخَلْقَ بِقُدْرَتِهِ وَ مَيَّزَهُمْ بِأَحْكَامِهِ وَأَعَزَّهُمْ بِدِينِهِ وَأَكْرَمَهُمْ بِنَبِيِّهِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ اسْمُهُ وَتَعَالَى عَظَمَتُهُ جَعَلَ الْبَصَاهِرَةَ سَبَبًا لَاحِقًا وَ أَمْرًا مُفْتَرَضًا وَشَبَّحَ بِهِ الْأَرْحَامَ وَأَكْرَمَ الْأَنْكَامَ فَقَالَ عَزَّ مِنْ قَالٍ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيرًا فَأَمْرُ اللَّهِ تَعَالَى

① شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۰۹۔ جمال الدین محدث، روضة الاحباب

يَجْرِي إِلَى قَضَائِهِ وَقَضَائِيَّ يَجْرِي إِلَى قُدْرَةٍ وَلِكُلِّ قَضَاءٍ قُدْرٌ وَلِكُلِّ قَدْرٍ أَجَلٌ وَلِكُلِّ أَجَلٍ كِتَابٌ يَمْحُو اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثَبِّتُ عِنْدَهُ أَمْرَ الْكِتَابِ ثُمَّ إِنَّ اللَّهَ أَمَرَ لِي أَنْ أَرْوِّجَ فَاطِمَةَ مِنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ..... الخ^(۱)

خطیب بغدادی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کے وقت سیدہ فاطمہ علیہا السلام سے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے زمین پر دو اشخاص کو برگزیدہ فرمایا ہے۔ جن میں سے ایک تمہارا والد ہے اور دوسرا تمہارا شوہر ہے۔^(۲)

حضرت علی علیہ السلام کی زبانی شادی کی روایت

شیخ صدوق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابو الحسن محمد بن علی بن شاہ نے ہمیں یہ حدیث سنائی، انہوں نے یہ حدیث ابو العباس احمد بن مظفر بن حسین سے سنی، انہوں نے ابو عبد اللہ محمد بن زکریا بصری سے سنی، انہوں نے محمد بن سابق سے، انہوں نے امام علی رضا علیہ السلام سے، انہوں نے اپنے والد امام جعفر صادق علیہ السلام سے، انہوں نے اپنے والد امام محمد باقر علیہ السلام سے، انہوں نے امام زین العابدین علیہ السلام سے اور انہوں نے امام حسین علیہ السلام سے روایت کی، انہوں نے فرمایا کہ میرے والد علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے فرمایا، ”میں نے فاطمہ زہرا علیہا السلام سے شادی کا ارادہ کیا لیکن رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے خواستگاری کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ”یا علی!“ میں نے عرض کیا، ”لبیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ”کیا تم شادی کرنے کی خواہش رکھتے ہو؟“ میرے ذہن میں خیال آیا کہ کہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قریش کی کسی عورت سے میرا نکاح نہ کر دیں اور اگر ایسا ہوا تو میں فاطمہ علیہا السلام سے محروم ہو جاؤں گا چنانچہ میں نے عرض کیا، ”اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ

^(۱) احمد بن محمد قسطلانی (متوفی ۹۲۳ ہجری)، المواہب اللدنیۃ

^(۲) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۰۹۔ جمال الدین محدث، روضۃ الاحباب

بہتر جانتے ہیں۔“ پس آنحضرت ﷺ نے مجھے حضرت اُم سلمہؓ کے گھر بلایا۔ میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو مجھے دیکھتے ہی آپ ﷺ کا چہرہ مبارک کھل اٹھا اور آپ ﷺ مسکرائے یہاں تک کہ آپ ﷺ کے دندان مبارک کی چمک مجھے نظر آئی پھر آپ ﷺ نے فرمایا، ”علی! تمہیں مبارک ہو، تمہاری شادی کے لیے اللہ نے میری کفایت فرمائی۔“ میں نے عرض کیا، ”یا رسول اللہ ﷺ! وہ کیسے؟“ فرمایا، ”میرے پاس جبرائیل (علیہ السلام) جنت کا ایک خوشہ اور لونگ لے کر آئے۔ میں نے انہیں سونگھا اور پوچھا، ”جبرائیل! یہ خوشہ اور لونگ کیسا ہے؟“ انہوں نے کہا، ”اللہ تعالیٰ نے بہشت کے ملائکہ اور وہاں رہنے والوں کو حکم دیا کہ وہ جنت کی تہروں، پھلوں، اشجار اور محلات کو مزین کریں اور ہوا کو حکم دیا کہ عطر و خوشبو کے جھونکے نثار کرے اور حور العین کو حکم دیا کہ سورۃ طہ، طس (سورۃ نمل) اور جمع سبق (سورۃ شوریٰ) کی تلاوت کریں۔“ پھر اللہ تعالیٰ نے ایک منادی کو حکم دیا جس نے اذن خدا سے یہ منادی کی، ”اے میرے ملائکہ اور میری جنت میں رہائش پذیر مخلوق! گواہ رہو کہ میں نے فاطمہ (علیہا السلام) بنت محمدؐ کی تزویج علی ابن ابی طالب (علیہ السلام) سے کر دی اور یہ تزویج اُن دونوں کی اور میری رضا مندی سے ہوئی ہے۔“ تب اللہ تعالیٰ نے جنت کے ایک فرشتے کو جس کا نام ”راحیل“ ہے اور جو تمام ملائکہ میں سب سے زیادہ فصیح و بلیغ ہے، خطبہء نکاح پڑھنے کا حکم صادر فرمایا۔ اُس نے حکم الہی سے ایسا فصیح و بلیغ خطبہ پڑھا جیسا آج تک زمین و آسمان میں نہیں پڑھا گیا۔ اس کے بعد منادی نے حق کی طرف سے ندا دی، ”میرے ملائکہ اور میری جنت کے باسیو! تم علی بن ابی طالب (علیہ السلام) اور میرے حبیب محمد مصطفیٰ (ﷺ) اور فاطمہ بنت محمدؐ (علیہا السلام) پر برکت بھیجو، اور میں بھی اُن پر برکت بھیجتا ہوں۔“ راہیل فرشتہ نے عرض کی، ”پروردگار! ہم نے علی (علیہ السلام) اور فاطمہ (علیہا السلام) کے لیے تیری جنت اور تیری دارِ کرامت میں بھی برکت دیکھی ہے، دُنیا میں اُن پر تو کبسی برکت نازل کرے گا؟“ خداوند عالم نے فرمایا، ”راہیل! اُن دونوں پر میری برکت یہ ہے کہ میں اُن کو اپنی محبت پر جمع کروں گا اور اُنہیں اپنی مخلوق پر رحمت بناؤں گا اور اُن سے اُن کی

ذریعت جاری کروں گا، انہیں اپنی زمین میں اپنا خاڑن بناؤں گا اور انہیں اپنی حکمت کا معدن بناؤں گا، اور انبیاء و مرسلین کے بعد انہی کے ذریعے سے اپنی مخلوق پر حجت قائم کروں گا۔“ لہذا اے علی (علیہ السلام)! تمہیں مبارک اور خوشخبری ہو، میں نے تمہارا نکاح اُسی مہر پر اپنی بیٹی فاطمہ (علیہا السلام) سے کیا ہے جو اللہ نے اس کے لیے مقرر کیا ہے اور جس مہر پر اللہ راضی ہے، میں بھی اُسی پر راضی ہوں۔ تم اپنی زوجہ کو لے جاسکتے ہو، کیونکہ اب مجھ سے زیادہ تم اس کے حقدار ہو، مجھے جبرائیل امین (علیہ السلام) نے خبر دی ہے کہ جنت اور اہل جنت تم دونوں کے مشتاق ہیں، اگر اللہ نے تم دونوں سے اپنی جنتوں کا ظہور نہ کرانا ہوتا تو جنت اور اہل جنت کی خواہش کے تحت تم دونوں کو فوراً وہاں بھیج دیتا، تم میرے بہترین بھائی، بہترین داماد اور بہترین ساتھی ہو، رضائے الہی تمہاری رضامندی کے لیے کافی ہے۔ حضرت علی (علیہ السلام) نے کہا، ”پروردگار! مجھے توفیق دے کہ میں تیری اس نعمت کا شکر ادا کروں جو تو نے مجھے عطا کی ہے۔“ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ”آمین۔“^①

یہی حدیث علی بن احمد بن محمد بن عمران نے بھی بیان کی ہے، انہوں نے یہ حدیث احمد بن یحییٰ بن زکریا قطان سے، انہوں نے ابو محمد بکر بن عبد اللہ بن جندب (حبیب) سے، انہوں نے احمد بن حرث (حارث) سے، انہوں نے امام حسین (علیہ السلام) سے اور انہوں نے حضرت علی (علیہ السلام) سے روایت کی ہے۔ علاوہ ازیں یہ حدیث اور بھی کئی طریقوں سے مروی ہے جن کا تذکرہ جناب شیخ الصدوق علیہ السلام نے اپنی کتاب مدیۃ العلم میں کیا ہے۔

(بخلف اسناد) حسین بن خالد بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام علی رضا (علیہ السلام) سے اُن کے آباؤں طاہرین علیہم السلام کی سند سے سنا کہ حضرت علی (علیہ السلام) نے فرمایا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا، ”یا علی (علیہ السلام)! قریش کے کئی افراد فاطمہ (علیہا السلام) کے معاملے کی وجہ سے مجھ سے ناراض ہوئے اور کہا کہ ہم نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی صاحبزادی کا رشتہ طلب کیا تھا لیکن آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہمیں رشتہ دینا گوارہ نہ کیا اور علی (علیہ السلام) سے اُن کا نکاح کر دیا۔

① شیخ ابی جعفر الصدوق علیہ رحمۃ (متوفی ۳۸۱ ہجری)، بیون اخبار الرضا علیہ السلام ج ۱ ص ۳۹۲

میں نے اُنہیں کہا کہ خدا کی قسم تمہیں میں نے اس رشتہ سے محروم نہیں کیا اور میں نے اپنی مرضی سے علی (علیہ السلام) کو رشتہ نہیں دیا بلکہ تمہیں اللہ نے محروم رکھا اور اللہ ہی نے علی (علیہ السلام) کا نکاح کیا۔ مجھ پر جبرائیل نازل ہوئے اور کہا کہ یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر میں علی (علیہ السلام) کو پیدا نہ کرتا تو روئے زمین پر فاطمہ (علیہا السلام) کا کوئی ہمسرہ نہ ہوتا، نہ آدم (علیہ السلام) اور نہ ہی کوئی اور۔^(۱)

خاتونِ جنت علیہا السلام کا حق مہر

جناب سیدہ فاطمہ زہرا علیہا السلام کے حق مہر سے متعلق مختلف روایات ہیں:

بروایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب فاطمہ علیہا السلام کا نکاح حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ بحق مہر چار سو مثقال چاندی باندھا۔^(۲)

مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا کہ میں نے تمہارا نکاح اُسی مہر پر اپنی بیٹی فاطمہ (علیہا السلام) سے کیا ہے جو اللہ نے اس کے لیے مقرر کیا ہے اور جس مہر پر اللہ راضی ہے، میں بھی اُسی پر راضی ہوں۔^(۳)

مدارج النبوت کی روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ روایات اُس حق مہر سے متعلق ہیں جو زمین پر مقرر ہوا۔ جب کہ عیون اخبار الرضا کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب سیدہ علیہا السلام کا ایک حق مہر اللہ تعالیٰ نے بھی مقرر فرمایا تھا، اس روایت کی تائید مندرجہ ذیل روایت سے بھی ہوتی ہے:

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فرشتوں نے خداوند تعالیٰ سے درخواست کرتے ہوئے کہا کہ اے خدا اور ہمارے مالک! ہمیں آگاہ فرما کہ حضرت فاطمہ علیہا السلام کا

① شیخ ابی جعفر الصدوقؒ (متوفی ۳۸۱ ہجری)، عیون اخبار الرضا علیہا السلام ج ۱ ص ۳۹۵

② شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۰۹

③ شیخ ابی جعفر الصدوقؒ (متوفی ۳۸۱ ہجری)، عیون اخبار الرضا علیہا السلام ج ۱ ص ۳۹۴

حق مہر کس قدر تھا تا کہ ہم جان سکیں اور ہمارے اوپر واضح ہو جائے کہ وہ تمہارے نزدیک بہترین مخلوق ہے۔ خداوند تعالیٰ نے فرمایا: ”اے میرے فرشتو اور میرے آسمان پر رہنے والو! میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ فاطمہ (علیہا السلام) دختر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا حق مہر آدھی دنیا ہے۔“^①

سیدہ کونین علیہا السلام کی رخصتی

روایت ہے کہ حضرت فاطمہ الزہراء علیہا السلام کی بارات طعام کے بعد جناب امیر المومنین علی علیہ السلام کے گھر روانہ ہوئی۔ سیدہ نساء العالمین علیہا السلام اشہب نامی ناقہ پر سوار تھیں، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ساربان تھے، ازواج رسول صلی اللہ علیہ وسلم ناقہ کے آگے تھیں اور بنی ہاشم نگی تلواریں لیے بارات کے جلوس کے ساتھ ساتھ تھے۔ سب سے پہلے بارات کو مسجد کا طواف کرایا گیا اور پھر جناب سیدہ علیہا السلام کو حضرت علی علیہ السلام کے گھر اتارا گیا۔

ایک روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا خچر منگوا یا جس کا نام شہباء تھا، اُس پر چادر ڈالی اور حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام سے فرمایا کہ بیٹی اس پر سوار ہو جاؤ۔ پھر حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ خچر کی لگام تھام کر چلو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود خچر کے پیچھے پیچھے تھے اور ابھی راستے ہی میں تھے کہ جبرائیل علیہ السلام اور میکائیل علیہ السلام ستر ہزار فرشتوں کے ہمراہ پہنچے اور کہا کہ ہم فاطمہ زہرا علیہا السلام کی رخصتی میں شرکت کے لئے آئیں ہیں اور انہیں علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے گھر تک پہنچائیں گے۔ پھر ایک طرف جبرائیل علیہ السلام نے تکبیر کہی اور دوسری طرف میکائیل علیہ السلام نے اور ان کے ساتھ ملا نکلے نے بھی نعرہ تکبیر بلند کیا اور پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اللہ اکبر کہا۔

ایک روایت کے مطابق جناب سیدہ علیہا السلام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دُلُہ نامی خچر پر بٹھایا گیا اور رخصتی کے وقت جبرائیل علیہ السلام، میکائیل علیہ السلام اور اسرافیل علیہ السلام ستر ہزار فرشتوں کے ساتھ نازل ہوئے۔ جبرائیل علیہ السلام نے دُلُہ کی لگام پکڑی، اسرافیل علیہ السلام نے رکاب تھامی

① دلائل الامۃ ص ۹۱۔ ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، نوادر المعجزات ص ۹۰۔

آیت اللہ سید احمد مستنط، مناقب اہل بیت، ترجمہ: القطرۃ من بحار مناقب النبی والعترة، حصہ چہارم ص ۱۳

اور میکائیل علیہ السلام پیچھے پیچھے ہو لیے۔ پھر تمام ملائکہ نے تکبیر کہی۔^①

روایت ہے کہ سیدۃ النساء العالمین علیہا السلام کی رخصتی کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتین سے فرمایا کہ رَجَو پڑھو، اللہ کی حمد و تکبیر کہو اور کوئی ایسی بات منہ سے نہ نکالو جس سے اللہ ناراض ہوتا ہو۔ چنانچہ حضرت سیدۃ النساء العالمین علیہا السلام کی رخصتی کے جلوس کے آگے آگے ازواج رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے رَجَو پڑھے۔ حضرت اُم سلمیؓ، حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ نے مندرجہ ذیل رَجَو پڑھے:^②

حضرت اُم سلمیؓ کا رَجَو:

”اے پڑوسنو! چلو اللہ کی مدد تمہارے ساتھ ہے اور ہر حال میں اُس کا شکر ادا کرو۔ پریشانیوں اور مصیبتوں کو دور کر کے اللہ نے احسان فرمایا ہے، پس اُسے یاد کرو۔ آسمانوں کے پروردگار نے ہمیں کفر کی تاریکیوں سے نکالا اور ہر طرح کا عیش و آرام دیا۔ اے پڑوسنو! چلو سیدۃ زنانِ عالم (علیہا السلام) کے ساتھ جن پر اُن کی چھو پھیاں اور خلائیں نثار ہوں۔ اے عالی مرتبت پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹی! جسے اللہ نے وحی اور رسالت کے ذریعے سے تمام لوگوں پر فضیلت دی۔ (سلام ہو آپ پر)“

حضرت عائشہؓ کا رَجَو:

”اے عورتو! چادر اوڑھ لو اور یاد رکھو کہ یہ چیز مجمع میں اچھی سمجھی جاتی ہے۔ یاد رکھو اُس پروردگار کو جس نے اپنے دوسرے شکر گزار بندوں کے ساتھ ہمیں بھی اپنے دینِ حق کے لیے مخصوص فرمایا۔ اللہ کی حمد اُس کے فضل و کرم پر اور شکر ہے اُس کا جو عزت و قدرت والا ہے۔ فاطمہ زہرا (علیہا السلام) کو ساتھ لے کر چلو کہ اللہ نے اُن کے ذکر کو بلند کیا ہے اور اُن کے لیے ایک ایسے پاک و پاکیزہ مرد (حضرت علی علیہ السلام) کو مخصوص کیا ہے جو اُن ہی کے خاندان سے ہے۔“

① علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء)، بحار النوار ج ۳ ص ۱۴۰

② سلطان مرزا دہلوی، سیرت فاطمۃ الزہرا (علیہا السلام)۔ علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء)، بحار النوار ج ۳ ص ۱۴۳

سید محسن امین عاملی (متوفی ۱۹۵۳ء)، اعیان الشیعہ، جز الثانی

حضرت حفصہؓ کا رَحَبَز:

”اے فاطمہ (علیہا السلام)! آپ عالم انسانیت کی تمام عورتوں سے بہتر ہیں۔ آپ کا چہرہ چاند کی مثل ہے۔ آپ کو اللہ نے تمام دنیا پر فضیلت دی ہے اُس شخص کی فضیلت کے ساتھ جس کا فضل و شرف سورۃ زمر کی آیتوں میں مذکور ہے۔ اللہ نے آپ کی تزویج ایک صاحب فضائل و مناقب نو جوان سے کی ہے یعنی علی (علیہ السلام) سے جو تمام لوگوں سے بہتر ہے۔

اے پڑوسنو! فاطمہ (علیہا السلام) کو لے کر چلو کیونکہ یہ بڑی شان والے باپ کی عزت آب دختر ہیں۔“ جب بارات علی (علیہ السلام) کے گھر پہنچی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ (علیہا السلام) سے پانی منگوایا اور اُس پر دم کر کے سیدہ (علیہا السلام) اور علی (علیہ السلام) کے سر، سینے اور بازو پر چھڑکا اور بارگاہِ احدیت میں عرض کی کہ بارالہا! میں انھیں اور ان کی اولاد کو تیری پناہ میں دیتا ہوں شیطان رجیم (کے شر) سے۔^① پھر فاطمہ (علیہا السلام) سے فرمایا کہ علی (علیہ السلام) سے بے جا سوال نہ کرنا، یہ دولت مند نہیں ہیں لیکن دُنیا میں سب سے اعلیٰ اور افضل ہیں۔ اس کے بعد علی (علیہ السلام) سے فرمایا کہ یہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے، کوئی ایسی بات نہ کرنا کہ اسے ملال ہو۔^②

امیر المومنین حضرت علی (علیہ السلام) فرماتے ہیں، ”حضرت فاطمہ (علیہا السلام) اُم ایمنؓ کے ہمراہ میرے گھر تشریف لائیں اور ایک طرف بیٹھ گئیں جب کہ میں دوسری طرف بیٹھا ہوا تھا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لائے اور آتے ہی فرمایا، ”علی میرا بھائی ہے۔“ اُم ایمنؓ نے کہا، ”وہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا بھائی ہے جبکہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی بیٹی کی اُس سے شادی کرائی ہے؟“ فرمایا، ”ہاں۔“ پھر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اندر تشریف لائے اور فاطمہ (علیہا السلام) سے فرمایا، ”پانی لائیے۔“ چنانچہ فاطمہ (علیہا السلام) ایک پیالے میں پانی لے کر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس آئیں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے پانی میں گلی کی اور پھر فاطمہ (علیہا السلام) سے فرمایا، ”کھڑی ہو جائیے۔“ جب وہ کھڑی

① ابن حجر مکی (متوفی ۹۷۴ھ)، الصواعق المحرقة، ص ۸۴

② علامہ نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۲ء)، چودہ ستارے، ص ۹۶

ہو گئیں تو آپ (ﷺ) نے وہ پانی اُن کے جسم اطہر پر بہایا اور فرمایا، ”یا اللہ میں اسے اور اسکی اولاد کو تیری پناہ میں دیتا ہوں شیطان مردود (کے شر) سے۔“ پھر آپ (ﷺ) نے مجھے بھی پانی لانے کو کہا۔ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں، ”میں آپ (ﷺ) کے ارادے کو جانتا تھا، اس لئے اُٹھا اور پانی سے بھرا پیالہ لے آیا۔“ آپ (ﷺ) نے پانی میں گلی کی اور پھر میرے سینے اور سر پر بہا دیا اور فرمایا، ”یا اللہ میں اسے اور اسکی اولاد کو تیری پناہ میں دیتا ہوں شیطان مردود (کے شر) سے۔“ پھر فرمایا پیٹھ پھیرو۔ میں نے آپ (ﷺ) کی طرف پیٹھ پھیر دی۔ آپ (ﷺ) نے میرے کاندھے پر پانی بہایا اور فرمایا، ”یا اللہ میں اسے اور اسکی اولاد کو تیری پناہ میں دیتا ہوں شیطان مردود (کے شر) سے۔“ پھر آپ (ﷺ) نے فرمایا، ”اللہ تعالیٰ کے نام اور اُس کی برکت کے ساتھ اپنے اہل خانہ کے ہمراہ گھر میں داخل ہو جاؤ۔“^①

یہ روایت جزری نے ”حسن حصین“ میں ابن حبان سے اپنی صحیح میں یوں بیان کی ہے کہ حضور ﷺ، حضرت علی علیہ السلام اور سیدہ فاطمہ علیہا السلام کا نکاح کرنے کے بعد اپنے کا شانہء اقدس میں تشریف لے گئے اور سیدہ فاطمہ علیہا السلام سے فرمایا کہ تھوڑا سا پانی لائیں۔ جناب سیدہ علیہا السلام لکڑی کے پیالے میں پانی لائیں تو حضور ﷺ نے اُس میں اپنا لعابِ دہن مبارک ملایا اور وہ پانی سیدہ فاطمہ علیہا السلام کے جسم اطہر پر چھڑکا اور فرمایا، ”اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اُعِیْذُبِكَ وَ ذُرِّیَّتَهُ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ“ اے اللہ! میں اس کو اور اس کی اولاد کو تیری پناہ میں دیتا ہوں شیطان رجیم سے۔ پھر فرمایا کہ اور پانی لائیں۔ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں سمجھ گیا تھا کہ اب حضور ﷺ کیا کریں گے۔ چنانچہ میں پانی لے کر آیا۔ حضور ﷺ نے اُس میں اپنا لعابِ دہن مبارک ملایا اور مجھ سے فرمایا کہ میرے سامنے آؤ۔ میں آنحضرت ﷺ کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ آپ ﷺ نے میرے سر اور چہرے پر پانی چھڑکا اور فرمایا، ”اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اُعِیْذُبِكَ وَ ذُرِّیَّتَهُ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ“ اے اللہ! میں اس کو اور اس کی اولاد کو تیری پناہ میں دیتا ہوں شیطان

① علامہ علاء الدین علی متقی بن حسام الدین، کنز العمال ج ۷ حصہ سیزدھم ص ۳۱۲

رجیم سے۔ پھر مجھ سے فرمایا، ”بِسْمِ اللّٰهِ وَالْبَرَکَّتِ“ کہہ کر اپنی زوجہ کے پاس جاؤ۔^①

بعض روایتوں میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ، سیدہ فاطمہ علیہا السلام کو نمازِ عشاء کے بعد حضرت علی علیہ السلام کے گھر لائے۔ پھر پانی کا پیالہ لے کر اُس میں اپنا لعاب دہن ملا یا، معوذتین اور دُعا پڑھی اور حضرت علی علیہ السلام اور سیدہ فاطمہ علیہا السلام سے فرمایا کہ اس پانی کو پی جاؤ اور فرمایا، ”یا خدا! یہ دونوں جانیں مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں۔ اے رب! جس طرح تُو نے مجھ سے ناپاکی کو دُور رکھا اور پاک بنایا ہے اسی طرح ان دونوں کو پاکیزہ رکھ۔“ اس کے بعد دونوں سے فرمایا کہ جاؤ اور دُعا فرمائی، ”اے خدا! ان کے درمیان محبت و اُلفت شامل فرما اور ان میں اور ان کی اولاد میں برکت دے اور ان سے پریشانی کو دُور فرما۔ ان کے نصیب کو نیک گردان، ان پر برکت نازل فرما اور ان سے بکثرت اولاد پیدا فرما۔“^②

روایت ہے کہ جس وقت علی علیہ السلام کی شادی ہوئی اُن کے گھر میں ایک چمڑا تھا، رات کو بچھاتے تھے اور دن میں اُس پر اُونٹ کو چارہ کھلاتے تھے۔^③

بروایتے جناب سیدہ علیہا السلام کی رخصتی شوال ۲ ہجری / اپریل ۶۲۴ء میں ہوئی۔^④

ملکہ کونین سیدہ فاطمہ الزہرا علیہا السلام کا جہیز

سرورِ کائنات ﷺ دو جہان کے تاجدار ہیں۔ آپ ﷺ اپنی اہلوتی اور پیاری صاحبزادی کی شادی نہایت تزک و احتشام سے کر سکتے تھے اور شاہانہ طرز کا جہیز بھی دے سکتے تھے مگر آپ ﷺ نے اُن کی شادی بالکل سادگی کے ساتھ کی اور جہیز میں ضروریاتِ زندگی کی چند معمولی اشیاء دیں۔ حضرت سیدۃ النساء العالمین علیہا السلام کی شادی کا یہ انداز اُن لوگوں کو دعوتِ فکر دیتا ہے جو

① محمد بن محمد جزری شافعی (متوفی ۱۴۲۹ء) حصن حصین، ص ۱۵

② شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۱۰

③ علامہ نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۲ء)، چودہ ستارے، ص ۹۶ بحوالہ سبط ابن جوزی، تذکرۃ الخواص

④ ذاکر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبرِ اعظم و آخرِ مَیِّیَّہ ﷺ، ص ۸۲

شادی کو نمود و نمائش کا ایک قیمتی موقع یا بیو پارکا ایک ذریعہ سمجھتے ہیں۔ آج کل شادیوں پر ایک طرف تو بے پناہ خرچ کیا جاتا ہے، انواع و اقسام کے کھانے، ریشمی ملبوسات، قیمتی زیورات اور بے شمار جہیز کا اہتمام ہوتا ہے تو دوسری طرف لاکھوں غریب بچیاں محض جہیز نہ ہونے کے سبب ماں باپ کی چوکھٹ پر بیٹھی بیٹھی نوجوانی کی دہلیز پار کر جاتی ہیں اور ہمیشہ غیر شادی شدہ رہتی ہیں۔ اس سے نہ صرف وہ اپنے بنیادی حقوق سے محروم رہتی ہیں بلکہ معاشرے میں کئی طرح کے مسائل بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ کچھ لڑکیوں کی شادی تو کسی نہ کسی طرح ہو جاتی ہے لیکن قیمتی جہیز نہ لے جانے کے سبب وہ اپنے سسرال کی نگاہوں میں کھکنے لگتی ہیں اور آئے دن طعنوں کا سامنے کرتے کرتے ایک روز زندہ جلادی جاتی ہیں۔ اگر ہم اس معاملے میں بھی سنتِ رسول ﷺ کی پیروی کریں تو معاشرے میں کئی خرابیاں خود بخود دور ہو سکتی ہیں۔ بے شک رسول اللہ ﷺ کی ہستی میں ہمارے لیے بہترین نمونہ ہے۔

روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جناب سیدۃ العالمین علیہا السلام کو جہیز میں ایک بان کی چار پائی، ایک چمڑے کا گدا، ایک مشک، دو چکیاں اور مٹی کے دو گھڑے دے کر رخصت فرمایا۔ ایک روایت کے مطابق، سات درہم مالیت کی ایک قمیض، ایک سفید چادر، چمڑے کا فرش، دو موٹے ٹاٹ، کھجور کے پتوں سے بنا ہوا ایک بستر، چمڑے کے چار تکیے، ایک سیاہ کمبل، آٹا پیسنے کی چکی، کپڑے دھونے کا ٹب، ایک مشک، ایک لوٹا، کھجور کے پتوں سے بنا ہوا ایک برتن، مٹی کی ایک صراحی، ایک پیالہ لکڑی کا اور دو پیالے مٹی کے دیے۔ رسول کریم ﷺ جناب فاطمہ علیہا السلام کو قیمتی جہیز دے سکتے تھے مگر اپنی اُمت کے غرباء کے خیال سے اسی پر اکتفا فرمایا۔^①

مروی ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام نے اپنی زرہ فروخت کر کے جو رقم حضور ﷺ کی خدمت میں بطور حق مہر پیش کی تھی اُس میں سے کچھ رقم رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو دی اور فرمایا کہ عطر و خوشبو خرید لائیں اور باقی رقم حضرت اُمّ سلیمؓ کو دی کہ اس سے جناب سیدہ

① علامہ نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۲ء)، چودہ ستارے، ص ۹۵

فاطمہ علیہا السلام کے لیے جہیز اور اُمور خانہ داری کا سامان مہیا کریں۔ اُنہوں نے چاندی کے دو بازو بند، دو چادریں، دو بستر، گدا، تکیہ، چار بالشت کپڑا، ایک پیالہ، ایک چکی، ایک مشکیزہ اور کچھ مشروبات وغیرہ خریدے۔^(۱)

بروایتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کو رقم دے کر اشیاء خریدنے کے لیے بھیجا اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو مدد کے لیے ساتھ بھیجا۔^(۲)

اُنہوں نے چیزیں لا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھیں۔ اُس وقت حضرت اسماء بنت عمیس بھی موجود تھیں۔ مختلف روایات میں جہیز کی فہرست میں ایک قمیض، ایک مقنع (سر ڈھانکنے کے لیے کپڑا)، ایک سیاہ کمبل، کھجور کے پتوں سے بنا ہوا ایک بستر، موٹے ٹاٹ کے دو فرش، چار چھوٹے تلیے، ہاتھ کی چکی، کپڑے دھونے کے لیے تانبے کا ایک برتن، چمڑے کی مشک، ایک بادیہ (پانی پینے کا لکڑی کا برتن)، کھجور کے پتوں کا ایک برتن جس پر مٹی پھیر دیتے ہیں، دو مٹی کے آنخورے، مٹی کی صراحی، زمین پر بچھانے کا ایک چمڑا، ایک سفید چادر اور ایک لوٹا شامل تھے۔^(۳)

یہ جہیز اُسی رقم سے خریدا گیا تھا جو حضرت علی نے اپنی زرہ بیچ کر حاصل کی تھی۔^(۴)

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ



^(۱) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۱۱

^(۲) علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء)، بحار الانوار، ج ۳ ص ۱۶۸

^(۳) مسند احمد بن حنبل۔ المستدرک الحاکم۔ سنن نسائی

^(۴) المستدرک الحاکم۔ مناقب ابن شہر آشوب۔ سعید بن منصور (متوفی ۲۲۷ھ)، کتاب السنن۔

علی بن عیسیٰ اریلی (متوفی ۶۹۴ ہجری)، کشف الغمۃ

غزوہ سولق

(۵ ذوالحجہ ۲ ہجری / ۲۹ مئی ۶۲۴ء)

غزوہ بنو قینقاع کے بعد، یہ غزوہ بروز یک شنبہ (اتوار) ۲۳ ذوالحجہ کو یا بروایت ۵ ذوالحجہ ۲ ہجری / ۲۹ مئی ۶۲۴ء کو واقع ہوا۔^(۱) ابن اسحاق سے مروی ہے کہ غزوۃ الکدر سے مدینہ واپس آ کر رسول اللہ ﷺ نے بقیہ شوال اور ذوالقعدہ مدینہ میں بسر فرمایا اور ذوالحجہ میں غزوۃ السولق کے لئے مدینہ سے روانہ ہوئے۔^(۲) ابوسفیان نے بدر میں شکست کے بعد منت مانی تھی کہ جب تک وہ رسول اللہ ﷺ سے بدلہ نہ لے لے غسل نہیں کرے گا چاہے وہ غسل جنابت ہی کیوں نہ ہو۔ تاریخ طبری میں یوں بیان کیا گیا ہے، ”عبداللہ بن کعب بن مالک سے جو انصار کے سب سے بڑے عالم تھے مروی ہے کہ جب ابوسفیان مکہ واپس آیا اور قریش کی شکست خوردہ جماعت بدر سے مکہ پہنچی تو اُس نے نذر مانی کہ جب تک میں محمد (ﷺ) سے نہ لڑوں گا غسل جنابت بھی نہیں کروں گا۔“^(۳)

مگر حقیقت یہ تھی کہ بدر میں قریش کا جو عبرت ناک انجام ہوا تھا اُس کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ کا مقابلہ کرنے کی اُسے جرأت نہ ہوتی تھی۔ ماہ رمضان سے ماہ ذی الحجہ تک، تین ماہ ہو گئے تھے اور موصوف نے ابھی تک غسل نہیں کیا تھا۔ عرب میں چیلنج کر کے پیٹھ دکھانا یا قسم کو توڑ ڈالنا بہت معیوب سمجھا جاتا تھا اور ابوسفیان تو اموی خاندان کا سربراہ اور مشرکین مکہ کا قائد و سردار تھا جسے جنگ بدر کے بعد قبیلے نے باقاعدہ طور پر منتخب کیا تھا، اُس کے لئے اس نذر کی وجہ سے بہت بڑی مشکل کھڑی ہو گئی تھی۔ نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن۔

(۱) ذاکر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر علیہ السلام، ص ۸۹

(۲) ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری ج ۲ ص ۱۳

(۳) ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری ج ۲ ص ۱۳

چنانچہ بغیر غسل رہتے رہتے جسم کی آلودگی جب جان کو آنے لگی تو ابوسفیان اپنی قسم کو پورا کرنے کے لئے قریش کے دو سو سواروں کے ساتھ اور بروایت چالیس سواروں کے ساتھ مدینہ کی طرف نکلا۔^① یہ لوگ رات میں سفر کرتے اور دن میں کہیں چھپ جاتے تاکہ مسلمانوں کو اُن کی آمد کی خبر نہ ہو سکے۔

ابوسفیان کو اُمید تھی کہ یہودی اُس مہم میں اُس کا ساتھ دیں گے۔ وہ سمجھتا تھا کہ واقعہ قبیقاع کے بعد یہودیوں کے ایک قبیلے کی جلاوطنی سے باقی یہود قبائل اسلام کے سخت مخالف ہو چکے ہونگے اور بنوقبیقاع کا انتقام لینے کے لئے اُس کی مدد کریں گے، چنانچہ مدینہ سے ایک منزل پہلے کوہِ تبت پر پہنچ کر اُس نے اپنے ساتھیوں کو ادھر ادھر چھپا دیا اور خود رات کے اندھیرے میں چھپتا چھپاتا قبیلہ بنو نضیر کے سردار جی بن اخطب کے دروازے پر پہنچا۔ ابوسفیان دروازہ کھٹکھٹاتا رہا لیکن جی بن اخطب نے ڈر کے مارے دروازہ نہیں کھولا کہ نہ جانے کون ہے۔ ادھر سے مایوس ہو کر وہ یہودیوں کے ایک اور سردار سلام بن مشکم کے ہاں پہنچا۔ سلام بن مشکم یہودیوں کے خزانے کا نگران بھی تھا۔ اُس نے ابوسفیان کی خوب خاطر داری کی، کھانا کھلایا اور شراب پلائی لیکن اصل معاملے پر کوئی حوصلہ افزا بات نہ کی۔ ابوسفیان نصف شب تک یہودی سردار کا تعاون حاصل کرنے کے لئے کوشش کرتا رہا لیکن ناکام و نامراد ہو کر لوٹ آیا اور اپنی خفت مٹانے اور قسم پوری کرنے کے لئے ساتھیوں کے ساتھ مدینہ کے بیرونی حصہ میں کھجوروں کے ایک باغ میں گھس گیا۔ دو انصاری کسان باغ میں کام رہے تھے، انہیں قتل کیا، چند درختوں کو آگ لگا دی اور پو پھٹنے سے پہلے پہلے وہاں سے فرار ہو گئے۔

ابوسفیان جلد از جلد مکہ پہنچنا چاہتا تھا چنانچہ سوار یوں کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے اُن کا بار راستے میں گرانا شروع کر دیا۔ یہ بار ”سوق“ کی بور یوں کی صورت میں تھا۔ صبح ہوئی تو رسول اللہ

① شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۱۴۶

صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی خبر ملی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کے ساتھ قرقرۃ الکدر تک اُس کا تعاقب کیا لیکن وہ نکل چکا تھا۔ اس سفر میں مسلمانوں کو اُس کا گرایا ہوا ”سوق“ ملا تھا، اسی نسبت سے اس غزوہ کو غزوہ سوق کہا جاتا ہے۔^(۱) ”سوق“ عربی زبان میں ”ستو“ کو کہتے ہیں۔

شاعر اُمیہ بن صلت کی موت

اسی سال سنہ ۲ ہجری میں، اُمیہ بن صلت کی موت واقع ہوئی۔ وہ ایک شاعر تھا۔ زمانہ جاہلیت میں مذہبی رجحان رکھتا تھا اس لئے بت پرستی ترک کر کے خدا پرستی کی طرف مائل ہو گیا۔ اُس نے گزشتہ ادیان کی کتب پڑھیں اور متاثر ہو کر دین نصاریٰ اختیار کر لیا۔ پھر وہ نوریّت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ظہور کا منتظر رہنے لگا۔ اُس کے اشعار علم و حکمت سے بھرپور ہوتے تھے مگر اپنی ذات میں پائی جانے والی چند صلاحیتیں محسوس کر کے اُس کے دماغ میں اپنی نوریّت و رسالت کا خیال سما گیا اور وہ خبطی ہو گیا۔ پس اُس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلان نوریّت سنا تو حسد و شقاوت میں مبتلا ہو کر کفر و انکار کی ضلالت میں پڑ گیا اور بالآخر اسی عالم میں واصل جہنم ہو گیا۔^(۲)

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ



^(۱) محمد ابن سعد (متوفی ۲۳۰ ہجری)، طبقات ابن سعد

ابن خلدون (متوفی ۱۴۰۶ء)، تاریخ ابن خلدون ص ۹۲۔ ابن ہشام (متوفی ۸۳۳ء)، سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

^(۲) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۳۶

سنہ ۳ ہجری

نماز عید قربان اور قربانی

(۱۰ ذی الحج ۲ ہجری / ۳ جون ۶۲۲ء)

مؤرخین لکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے غزوہٴ سویق سے مراجعت فرمائی تو آپ ﷺ کو دو تحفے عنایت ہوئے، عید الاضحیٰ اور قربانی، اور وہ ۱۰ ذی الحج ۲ ہجری / ۳ جون ۶۲۲ء کا دن تھا۔^①

مدارج النبوت میں ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ غزوہٴ قنیقاع سے واپس تشریف لائے تو عید قربان کی نماز ادا فرمائی اور الدار صحابہ کے ساتھ قربانی کی۔^②

غزوہٴ ذی امر، غزوہٴ بنی ام، غزوہٴ انمار، غزوہٴ غطفان

(محرم الحرام یا ربیع الاول ۳ ہجری)

یہ غزوہ ہجرت کے تیسرے سال محرم میں^③ اور بروایت بارہ ربیع الاول کو واقع ہوا۔^④

اس مہم کو غزوہٴ ذی امر، غزوہٴ بنی ام، غزوہٴ انمار اور غزوہٴ غطفان بھی کہا جاتا ہے۔^⑤

ذی امر، قبیلہ غطفان کے ایک چشمہ کا نام تھا اور اسی نسبت سے ابن سعد نے طبقات میں اس کا نام

① ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم وآخروہ ﷺ

② شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۳۶

③ ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم وآخروہ ﷺ، ص ۴۹۲

④ شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۳۶

⑤ ابن ہشام (متوفی ۸۳۳ء)، سیرت النبی ﷺ اردو۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۳۶

غزوہ غطفان لکھا ہے۔^(۱)

نجد کے قبیلہ غطفان کے دو گروہوں، بنی ثعلبہ اور بنی محارب نے اپنے سردار ”عشور غطفان“ اور بقولے خطیب بغدادی، ”غوث“ کی سرکردگی میں مدینہ پر حملہ کا منصوبہ بنایا۔ وہ لوگ نجد کے علاقے مقام ذی امر میں جمع ہو کر ابھی غارت گری کی تیاریوں میں مصروف تھے کہ رسول اللہ ﷺ کو اُن کے ناپاک عزائم کی خبر ہو گئی۔

آپ ﷺ محرم ۳ ہجری/ جون ۶۲۲ء میں چار سو اور بقولے چار سو پچاس مجاہدین کے ساتھ اُن کی سرکوبی کے لئے نجد روانہ ہوئے۔ آپ ﷺ کی غیر متوقع پیش قدمی سے وہ لوگ گھبرا گئے اور بھاگ کر پہاڑوں میں روپوش ہو گئے۔ آپ ﷺ نے تقریباً ڈیڑھ ماہ تک وہاں قیام فرمایا مگر کسی کو سامنے آنے کی ہمت نہ ہوئی۔^(۲) نجدیوں کی بغاوت فرو ہو چکی تھی چنانچہ آپ ﷺ نے واپسی کا ارادہ فرمایا۔

آنحضرت ﷺ کے اللہ پر یقین اور جلالِ حقانیت کا ایک مشہور واقعہ جو اس غزوہ کے دوران پیش آیا، حیاتِ رسول معظم ﷺ پر لکھے گئے مضامین اور کتب میں تو اتر کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ قارئین کے استفادہ کے لئے ہم یہاں اس کا ذکر ضروری سمجھتے ہیں۔

روایت ہے کہ جناب سرورِ انبیاء ﷺ ایک درخت کے نیچے اکیلے آرام فرما رہے تھے کہ پہاڑوں میں چھپے ہوئے نجدیوں نے آپ ﷺ کو دیکھ لیا۔ اُنہوں نے اپنے سردار عشور سے کہا کہ اس وقت محمد (ﷺ) تنہا ہیں، یہ موقع خوب ہے، آگے بڑھو، ہمیں اُمید ہے کہ تم اُن پر قابو پا لو گے۔ عشور نے دیکھا کہ آپ ﷺ کے صحابہؓ کافی دُور تھے، چنانچہ اس موقع سے فائدہ اُٹھانے کے لئے وہ تلوار لیے آپ ﷺ کے سر پر پہنچ گیا اور لکار کر کہنے لگا، ”کون ہے جو آج آپ (ﷺ) کو میرے ہاتھ سے بچائے گا؟“

^(۱) سید محسن امین عالمی (متوفی ۱۹۵۳ء)، اعیان الشیعہ، ج ۲ ص ۸۷، علامہ علی نقوی، تاریخ اسلام ص ۲۱۹

^(۲) علامہ علی نقوی، تاریخ اسلام ص ۲۲۰ بحوالہ طبری ج ۳ ص ۲

نبی اللہ ﷺ نے نہایت سکون سے فرمایا، ”اللہ۔ وہی میرا محافظ ہے۔“

اُس وقت جبرائیل علیہ السلام آئے اور دشور کے سینے پر ہاتھ مارا۔ وہ زمین پر گر کر دھول چاٹنے لگا۔ آپ ﷺ نے اُس کے ہاتھ سے تلوار لے لی اور فرمایا، ”کون ہے جو تجھے میرے ہاتھ سے بچائے گا؟“ وہ کہنے لگا، ”کوئی نہیں۔“ اور پھر کہا، ”أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّكَ رَسُولُ اللَّهِ“ (میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں)۔

نبی کریم ﷺ نے اُس کی تلوار اُسے واپس کر دی اور وہ بوجھل قدموں سے اپنی قوم کی طرف لوٹ گیا۔

اُس کے ساتھی کہنے لگے کہ تُو تو تلوارِ سنت کے اُن کے سر پر پہنچ گیا تھا، پھر وار کیوں نہیں کیا؟ کیا ہو گیا تھا تجھے؟ اُس نے کہا کہ ایک بلند قامت نورانی آدمی نے میرے سینے پر ہاتھ مار کر مجھے پیٹھ کے بل گرا دیا تھا۔ بروایتِ دشور خود بھی ایمان لایا اور اُس نے اپنی قوم کو بھی اسلام کی دعوت دی۔

المواهب اللدنیۃ میں اس واقعہ کو غزوہ ذات الرقاع سے منسوب کیا گیا ہے لیکن شیخ عبدالحق محدث دہلوی صاحب کہتے ہیں، ”میں بتوفیق الہی کہتا ہوں کہ جو واقعہ غزوہ ذات الرقاع میں صلوٰۃ خوف کی حدیث کے ضمن میں صحیح بخاری میں ہے، یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ ایک درخت کے نیچے محو خواب تھے اور آپ ﷺ کی تلوار درخت کی شاخ سے آویزاں تھی۔ اُس وقت ایک اعرابی آیا اور حضور اکرم ﷺ کی تلوار کھینچ کر آپ ﷺ کے سر ہانے کھڑا ہو گیا۔ آپ ﷺ بیدار ہو گئے۔ اعرابی نے کہا، ”مَنْ يَمْنَعُكَ مِنْي“، یعنی مجھ سے آپ (ﷺ) کو کون بچائے گا؟ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا، ”اللہ۔“ اس کے بعد آپ ﷺ نے اُس کے ہاتھ سے تلوار چھین کر اُسے دھکا دے دیا۔ بخاری میں اُس کے ایمان لانے کا ذکر نہیں ہے مگر قسطلانی نے واقدی سے نقل کیا ہے کہ وہ اسلام لے آیا اور اپنی قوم کی طرف لوٹ گیا۔^①

① شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۱۴۶

سریہ محمد بن مسلمہؓ

(۱۴ ربیع الاول ۳ ہجری / ۴ ستمبر ۶۲۴ء)

سریہ محمد بن مسلمہؓ، ۱۴ ربیع الاول ۳ ہجری / ۴ ستمبر ۶۲۴ء کو پیش آیا۔ یہ سریہ بھی سریہ عمیر بن عدیؓ اور سریہ سالم بن عمیرؓ سے مطابقت رکھتا ہے۔ سریہ عمیر بن عدیؓ میں حضرت عمیرؓ نے ایک یہودی جو گوشتاغرہ عصماء بنت مروان کو قتل کیا تھا اور سریہ سالم بن عمیرؓ میں ایک یہودی شاعر ابی علفکہ کو واصل جہنم کیا گیا تھا۔ اس سریہ میں حضرت محمد بن مسلمہؓ نے کعب بن اشرف کو قتل کیا۔

کعب بن اشرف ماں کی طرف سے یہودی تھا جبکہ خود کو بت پرست ظاہر کرتا تھا۔ بروایت وہ ایک یہودی سردار اور شاعر تھا۔ وہ مسلمانوں کے خلاف باغیانہ سرگرمیوں میں حصہ لینے والے شہر پسند عناصر کا سرغنہ تھا اور انتہائی گھٹیا اور بیہودہ خیالات کا مالک تھا۔ وہ اپنی لہجہ شاعری میں مسلمان خواتین کے نام استعمال کرتا اور اُن سے متعلق فرضی اور بیہودہ قصے نظم کرتا۔ وہ بد بخت اسی پر اکتفا نہ کرتا بلکہ اپنی لغو شاعری کے ذریعے آنحضرت ﷺ کی شان میں گستاخی کا ارتکاب بھی کیا کرتا۔ بدر میں کفار کی شکست کی خبر سن کر وہ مٹہ گیا، شکست خوردہ قبائل سے ہمدردی کا اظہار کیا، اُن کے مقتولین پر نوحہ خوانی کی اور انہیں مسلمانوں کے خلاف خوب بھڑکایا اور شکست کا بدلہ لینے پر اکسایا۔ بعض مؤرخین کے نزدیک اُحد کی جنگ کے اسباب پیدا کرنے میں اُس کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔ وہ اپنی شاعری میں مسلمان عورتوں کی خوبصورتی کے قصیدے اور فرضی عشقیہ قصے اس لئے بیان کرتا تھا کہ قریش کو اُن کی طرف مائل کر کے اُن کے اندر ایسا جنون پیدا کر سکے کہ وہ مسلمان عورتوں کو حاصل کرنے کے لئے دیوانے ہو جائیں اور مدینہ پر حملہ آور ہونے کے لئے اُٹھ کھڑے ہوں۔ اسلام دشمنی پر مبنی یہ اُس کی انتہائی گھٹیا اور گھناؤنی چال تھی۔ چنانچہ جب اُس کی حرکتیں ناقابل برداشت ہو گئیں تو محمد بن مسلمہؓ ایک مختصر سی جماعت کے ساتھ اُس کی سرکوبی کو بھیجے گئے۔ انہوں نے ایسے ڈرامائی انداز میں اُسے قتل کیا کہ یہودیوں میں سراسیمگی پھیل گئی اور انہیں

اپنے سابقہ عہد کی تجدید کرنا پڑی۔

ان تینوں سریات میں قتل کئے جانے والے تمام لوگ یہودی تھے، جو اسلام اور اسلام کے ماننے والوں کے خلاف زہر اُگلتے تھے، اپنی قوم کو ان کے خلاف جنگ پر اکساتے تھے اور پیغمبرِ اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اعلیٰ میں گستاخیاں کرتے تھے۔ اس کی وجہ سمجھنے کے لئے آپ اپنے راہوار تصور کو کچھ دیر کے لئے پیچھے لے جائیں اور دیکھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بچپن میں اپنے شفیق و عظیم چچا جناب ابوطالب علیہ السلام کے ساتھ جو سفرِ شام کیا تھا اُس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی علاماتِ نبوت دیکھ کر ایک یہودی راہب بحیرا، حضرت ابوطالب سے کیا کہہ رہا ہے؟

بحیرا کہہ رہا تھا کہ ان میں جو نشانیاں میں نے ملاحظہ کی ہیں اُن کو دیکھ کر کوئی بھی یہودی انہیں پیغمبرِ اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت سے پہچان لے گا، ان کا دشمن بن جائے گا اور انہیں نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا۔

یہودیوں کی یہ دشمنی اور بغض و کینہ دراصل اس وجہ سے تھا کہ اُن کی دیرینہ آرزو تھی کہ پیغمبرِ اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور اُن کی قوم کے اندر ہو چنانچہ جب اُن کی اُمیدوں کے چراغ گل ہوئے تو سینوں میں بغض و عناد اور حسد و کینہ کی آگ بھڑک اُٹھی۔ بدر میں کفار کا انجام دیکھ کر انہیں کھل کر سامنے آنے کی جرأت تو ہوتی نہیں تھی اس لئے ادھر ادھر بیہودہ بکواس کرتے، دینِ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف شعلہ بیانی کرتے اور شعروں کے ذریعے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کر کے اپنی انتقام کی آگ کو ٹھنڈہ کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ اُن کی ایسی سرگرمیاں اور ریشہ دو انیاں دو قوموں کے درمیان خونی تصادم کا باعث بن سکتی تھیں، چنانچہ حالات کا تقاضا تھا کہ کئی لوگوں کی جانیں بچانے کے لئے صرف انہی کو ختم کر دیا جائے جو کئی جانوں کے ضیاع کا سبب بن سکتے تھے۔

یہاں ایک اہم نکتہ کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ ایک ”عام انسان“ کی اہانت کرنے پر کسی قتل

کردینا مذہبی اور معاشرتی حوالے سے ایک ناپسندیدہ فعل ہو سکتا ہے لیکن رسول خدا ﷺ کی توہین کرنا ایک ناقابل معافی جرم ہے جس کی سزا دنیا میں موت اور آخرت میں عذابِ عظیم ہے۔ اہل سنت علماء کرام کا موقف ہے کہ جو شخص (چاہے وہ کافر ہو یا مسلم) سید الاولین والآخرین، شفیع المذنبین، رحمۃ العالمین حضرت محمد ﷺ کی ذات گرامی کی ہنسی اُڑائے، یا آپ ﷺ کی سیرت و زندگی کے کسی گوشے کے بارے میں استہزائیہ انداز اختیار کرے، یا آپ ﷺ کو گالی دے، توہین و تنقیص کرے یا آپ ﷺ کی شان میں گستاخی کرے، یا آپ ﷺ کو گالی دے، یا آپ ﷺ کی طرف بُری باتوں کو منسوب کرے تو وہ شخص سراسر کافر، مرتد، زندیق اور ملحد ہے۔ اگر ایسا شخص کسی مسلمان ملک میں ہو تو اُس کو قتل کرنا اُس ملک کی حکومت پر واجب ہے۔ مشہور قول کے مطابق ایسے ملعون کی توبہ قبول نہیں کی۔ وہ کافر ہے اور جو اُس کے کفر میں شک کرتا ہے وہ بھی کافر ہے اور یہ آئمہ اربعہ کا مسلک ہے اور اس پر اُمت کا اجماع ہے۔

شیخ الاسلام تقی الدین ابوالعباس احمد بن عبدالحلیم بن عبدالسلام الحرانی الدمشقی المعروف بابن تیمیہ نے اپنی مشہور و معروف کتاب ”الْصَّارِمُ الْمَسْلُوبُ عَلَى شَأْنِهِ الرَّسُولُ“ میں نقل کیا ہے کہ عام اہل علم کا مذہب ہے کہ جو آدمی (خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر) نبی کریم ﷺ کو گالی دیتا ہے تو اُس کو قتل کرنا واجب ہے۔ ابن منذر نے بیان کیا کہ عام اہل علم کا اجماع ہے کہ جو آدمی نبی کریم ﷺ کو گالی دیتا ہے، اُس کی حد قتل کرنا ہے اور اسی بات کو (اہل سنت کے آئمہ) امام مالک، امام لیث، امام احمد اور امام اسحاق نے بھی اختیار کیا ہے اور امام شافعی کا بھی یہی مذہب ہے۔ ابوبکر فارسی نے اصحاب امام شافعی سے مسلمانوں کا اجماع نقل کیا ہے کہ شاتمِ رسول ﷺ کی حد قتل ہے۔^①

”محمد بن سحنون کہتے ہیں کہ علماء کا اجماع ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے گستاخ اور آپ ﷺ کی

① تقی الدین ابن تیمیہ، متوفی (۷۲۸ھ)، الصَّارِمُ الْمَسْلُوبُ عَلَى شَأْنِهِ الرَّسُولُ

توہین و تنقیص کرنے والا کافر ہے اور حدیث میں اس کے لئے سخت سزا کی وعید آئی ہے اور اُمتِ مسلمہ کے نزدیک اُس کا شرعی حکم قتل ہے۔ اور جو آدمی اُس شخص کے کفر اور عذاب کے بارے میں شک و شبہ کرے گا وہ بھی کافر ہوگا۔^(۱)

علامہ ابن تیمیہ نے ”ابن سحنون“ سے مزید نقل کیا ہے کہ اگر (رسول اللہ ﷺ کو) گالی دینے والا مسلمان ہے تو وہ کافر ہو جائے گا اور بلا اختلاف اُس کو قتل کر دیا جائے گا۔ اور یہ آئمہ اربعہ وغیرہ کا مذہب ہے۔^(۲)

امام احمد بن حنبل نے تصریح کی ہے کہ جو آدمی بھی خواہ مسلمان ہو یا کافر اگر رسول کریم ﷺ کو گالی دیتا ہے یا آپ ﷺ کی توہین و تنقیص کرتا ہے اُس کو قتل کرنا واجب ہے۔ اور میری رائے یہ ہے کہ اُس کو تو بہ کرنے کیلئے مہلت نہ دی جائے گی بلکہ فوراً ہی قتل کر دیا جائے گا۔^(۳) شیعہ علماء کرام کے نزدیک بھی جناب رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والا واجب القتل ہے۔^(۴)

ماضی قریب میں ایک ملعون سلمان رشدی نے رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کا ارتکاب کیا تھا۔ اُس وقت رہبر انقلاب اسلامی اور اسلامی جمہوریہ ایران کے بانی سید روح اللہ موسوی خمینی صاحب نے اُس کے خلاف فتویٰ جاری کرتے ہوئے اُسے واجب القتل قرار دیا تھا۔ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والا ملعون سلمان رشدی،

^(۱) المرجع السابق (۳، ۴)

^(۲) الصارم المسلول (۳، ۴)

^(۳) المرجع السابق (ص: ۴)

^(۴) شیخ محمد بن یعقوب کلینی (متوفی ۳۲۹ھ)، الکافی، ج ۷، ص ۲۵۹۔ محمد بن حسن طوسی، تہذیب الاحکام،

ج ۱۰، ص ۱۴۱۔ شریف مرتضیٰ، الانتصار، ص ۸۸۱۔ آغا خونی، مبانی تکلمۃ المنہاج، ج ۱، ص ۲۶۴۔

سید خوانساری، جامع المدارک، ج ۷، ص ۱۰۹۔ شیخ جواہری، جواهر الکلام، ج ۴۱، ص ۳۳۲

واجب القتل ہے اور جو اُس کو مارتا ہوا مارا جائے وہ شہید ہے۔ یہ مرتد اگر تو بہ بھی کر لے یا اپنے زمانے کا سب سے بڑا زاہد بھی بن جائے، پھر بھی اس کے خلاف فتویٰ اپنی جگہ باقی رہے گا۔
آیت اللہ سید علی خامنہ ای بھی فرماتے ہیں کہ سلمان رشدی کیخلاف فتویٰ اس کی تو بہ کی صورت میں بھی تبدیل نہیں کیا جاسکتا۔^①

امام خمینیؒ کے پیغام اور فتویٰ کا مکمل متن^②
موضوع: آیاتِ شیطانی کی کفر آمیز کتاب کے مؤلف سلمان رشدی کے قتل کا فتویٰ
تمام مسلمانانِ عالم کے نام

بسمہ تعالیٰ

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

پورے عالم کے غیور مسلمانوں کو اعلان کرتا ہوں کہ کتاب (شیطانی آیات، جو اسلام، قرآن اور پیغمبر اسلام (ﷺ) کے خلاف تدوین اور شائع ہوئی ہے، کا مؤلف و ناشرین واجب القتل ہیں۔ میں تمام غیور مسلمانوں سے چاہتا ہوں کہ ان افراد کو جہاں بھی پائیں، معدوم (قتل) کر دیں تاکہ اس کے بعد کوئی بھی مسلمانوں کے مقدسات کی توہین کی جرأت نہ کر سکے اور جو بھی اس راہ میں مارا جائے وہ شہید ہے انشاء اللہ۔ اگر کتاب کا مؤلف کسی کی دسترس میں ہے مگر وہ اس کو قتل کرنے کی طاقت نہیں رکھتا تو اس کا فرض ہے کہ دوسرے مسلمانوں کو بتادے تاکہ وہ اپنے عمل کی سزا پائے۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

^① <http://www.islamtimes.org/ur/doc/news/224951/txt/>

^② ویب سائٹ ابن ڈاٹ کوم (خبرگزاری اہل بیت علیہ السلام)

غزوہ نجران یا غزوہ بنو سلیم

(ربیع الآخر ۳ ہجری / ستمبر، اکتوبر ۶۲۴ء)

نجران، موجودہ سعودی عرب کے شمال مغرب میں یمن کی سرحد کے قریب ایک شہر کا نام ہے۔ یہ غزوہ اُسی شہر میں واقع ہوا اسلئے اسے غزوہ نجران اور وہاں رہنے والے قبیلہ بنو سلیم کی نسبت سے غزوہ بنو سلیم کہا جاتا ہے۔ محرم ۳ ہجری / جون ۶۲۴ء میں بنو غطفان کی بغاوت کے بعد ربیع الآخر ۳ ہجری / ستمبر، اکتوبر ۶۲۴ء میں نجران کے قبیلہ بنو سلیم نے سر اٹھایا۔ رسول گرامی ﷺ کو خبر ملی تو آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن اُمّ کلثومؓ کو مدینہ کا عامل مقرر فرمایا اور تین سو مجاہدین کا ایک دستہ لے کر فوراً نجران روانہ ہو گئے۔ بنو سلیم نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تو اُن پر جلالِ نبوت کی ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ سامنے آنے کی ہمت نہ ہوئی اور اپنے کنوؤں اور تالابوں پر بکھر کر کام کاج میں مصروف ہو گئے، گویا کہ اُنہوں نے میدان سے راہِ فرار اختیار کر لی۔ رسول اللہ ﷺ نے وہاں پر کچھ دیر چہل قدمی فرمائی لیکن آپ ﷺ کے مقابل کوئی نہ آیا، چنانچہ آپ ﷺ نے اُن سے درگزر فرمایا اور واپس تشریف لے آئے۔^①

تحریک اسلام کا سفر انتہائی دشوار گزار اور پُر خطر تھا۔ اس میں قدم قدم پر سازشوں کے جال بکھرے ہوئے تھے اور بغاوتوں کے طوفان سر اٹھائے کھڑے تھے، کم ظرف و فرومایہ اور چالباز دشمنوں اور منافقوں سے واسطہ تھا لیکن اس تحریک کے قائد جناب رسالت مآب ﷺ اپنی خود اعتمادی، بے مثال تدبیر، خلقِ عظیم اور اوصافِ حمیدہ کی بدولت ہر مرحلے پر کامیاب و کامران تھے۔ اس غزوہ میں بھی آپ ﷺ کی نفیس مزاجی، اعلیٰ ظرفی اور عظمت و وقار قابلِ غور ہے یعنی آپ ﷺ نے جب یہ ملاحظہ فرمایا کہ دشمن نے مقابلے پر آنے کی جرأت نہیں کی تو آپ ﷺ نے اُنہیں لکارا نہ حملہ آور ہوئے بلکہ کشت و خون سے اجتناب فرمایا اور میدانِ جنگ میں مجاہدانہ وقار کے ساتھ محض چہل قدمی فرما کر دشمن پر اپنی عظمت و جلال کو ظاہر فرمایا۔

① شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۱۵۰۔

احمد بن محمد قسطلانی (متوفی ۹۲۳ ہجری)، المواہب اللدنیہ

حضرت حفصہؓ سے نکاح (شعبان ۳ ہجری / فروری ۶۲۵ء)

شعبان ۳ ہجری، جنوری یا فروری ۶۲۵ء میں رسول کریم ﷺ نے حضرت عمر بن خطابؓ کی بیٹی حضرت حفصہؓ سے نکاح فرمایا۔

ولادتِ امام حسن علیہ السلام (۱۵ رمضان ۳ ہجری، یکم مارچ ۶۲۵ء)

۱۵ رمضان ۳ ہجری بمطابق یکم مارچ ۶۲۵ء کی رات پیغمبر اسلام ﷺ کی بیاری بیٹی حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کے ہاں پہلے فرزند جناب امام حسن علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے گھر میں یہ اپنی نوعیت کی پہلی خوشی تھی۔ کفار مکہ آپ ﷺ کو ”ابتر“ کہہ کر طعنہ زنی کیا کرتے تھے کہ آپ ﷺ کا کوئی فرزند نہیں چنانچہ سورۃ الکوثر نازل ہوا جس کی عملی تفسیر امام حسن علیہ السلام کی ولادت کی صورت میں سامنے آئی۔

حضرت فاطمہ علیہا السلام کی نسل پاک سے گیارہ امام متولد ہوئے جن کے ذریعے سے رسول اکرم ﷺ کی نسل پاک آگے بڑھی۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے قیامت میں میرے سلسلہ کے سوا سارے سلسلے ٹوٹ جائیں گے اور کسی کا رشتہ کسی کے کام نہ آئے گا۔^(۱)

علامہ حسین واعظ کاشفی لکھتے ہیں کہ تمام انبیاء کی اولاد ہمیشہ قابل تعظیم سمجھی جاتی رہی ہے لیکن ہمارے نبی ﷺ اس سلسلے میں سب سے زیادہ حق دار ہیں۔^(۲)

علامہ جلال الدین فرماتے ہیں کہ حضرات حسنین علیہم السلام کی اولاد کے لئے سیادت مخصوص ہے۔ مرد ہو یا عورت، جو بھی اُن کی نسل سے ہے وہ قیامت تک ”سید“ رہے گا اور ساری کائنات پر واجب

^(۱) ابن حجر مکی (متوفی ۹۷۷ھ)، الصواعق المحرقة، ص ۹۳

^(۲) حسین بخش واعظ کاشفی کمال الدین (متوفی ۹۱۰ھ)، روضة الشهداء، ص ۲۰۴

ہے کہ ہمیشہ اُن کی تعظیم کرتی رہے۔^(۱)

روایت ہے کہ قبل ولادت سبط اکبر علیہ السلام، حضرت اُم الفضل نے خواب میں دیکھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر کا ایک ٹکڑا اُن کے گھر میں پہنچا۔ اُنہوں نے وہ خواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عنقریب میری لخت جگر فاطمہ (علیہا السلام) کے بطن سے ایک بچہ پیدا ہوگا جس کی پرورش آپ کریں گی۔ بقولے، اُم الفضل نے یہ خواب حضرت امام حسین علیہ السلام کی ولادت سے پہلے دیکھا۔

روایت ہے کہ امام حسن علیہ السلام کی پیدائش کے بعد جبرائیل علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک سفیر ریشمی رومال پیش کیا جس پر ”حسن“ لکھا ہوا تھا۔^(۲) چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نواسے کا نام حسن (علیہ السلام) رکھا۔ ماہر علم النسب علامہ ابوالحسین کا کہنا ہے کہ خداوند عالم نے حضرت فاطمہ علیہا السلام کے دونوں شاہزادوں کے نام انظار عالم میں پوشیدہ رکھے تھے۔ یعنی ان سے پہلے حسن و حسین نام سے کوئی موسوم نہیں ہوا تھا۔ اعلام الوری کے مطابق یہ نام بھی لوح محفوظ میں پہلے سے لکھا ہوا تھا۔^(۳)

روایت ہے کہ ولادت کے بعد جب امام حسن علیہ السلام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں دیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بے حد خوش ہوئے اور اُن کے دہن مبارک کو اپنی زبان اطہر سے سیراب فرمایا۔^(۴) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نواسے کو آغوش میں لے کر پیار کیا، دائیں کان میں اذان اور بائیں میں اقامت کہی۔ زبان اطہر چوسائی اور دُعا کی کہ خدا یا! اس کو اور اسکی اولاد کو اپنی پناہ میں رکھنا۔^(۵)

^(۱) علامہ نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۲ء)، چودہ ستارے بحوالہ لوامع النزیل ج ۳ ص ۳، اسعاف

الراغبین بر حاشیہ نور الابصار شبلینجی ص ۱۱۳ طبع مصر

^(۲) علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء)، بحار النوار

^(۳) علامہ طبری (متوفی ۵۳۲ھ) اعلام الوری۔ علامہ نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۲ء)، چودہ ستارے ص ۸۷

^(۴) علل الشرائع

^(۵) علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء)، بحار النوار

غزوہ اُحد

(۶ شوال ۳ ہجری / ۲۲ مارچ ۶۲۵ء)

اُحد کی وجہ تسمیہ

”اُحد“ مدینہ منورہ کا ایک مشہور پہاڑ ہے جو شمال کی جانب تقریباً دو میل کی مسافت پر واقع ہے یہ پہاڑ دیگر پہاڑوں سے منقطع اور بالکل الگ ہونے کی وجہ سے ”اُحد“ کہلاتا ہے، یہ غزوہ اسی پہاڑ کے دامن میں واقع ہوا اس لئے اسے غزوہ اُحد کہا جاتا ہے۔

یہ غزوہ ۷ شوال اور بقولے ۱۵ شوال کو ہجرت کے بتیس ماہ بعد ۳ ہجری میں ہوا۔^(۱) مؤرخین نے اس کی تاریخ ۳ ہجری ۶ شوال، ۷ شوال، ۱۱ شوال اور نصف شوال کے بعد بھی بیان کی ہے۔

غزوہ اُحد کا پس منظر

اس غزوہ میں بعض مسلمان اُس مرکز استقامت سے جسے رسول اللہ ﷺ نے متعین فرمایا تھا متزلزل ہو گئے تھے۔ وہ ثابت قدم نہ رہے اور اسبابِ دنیا یعنی مالِ غنیمت اکٹھا کرنے کی طرف متوجہ ہو گئے۔^(۲) جیسا کہ پروردگارِ عالم نے فرمایا:^(۳)

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللَّهُ وَعْدَهُ إِذْ تَحُسُّونَهُمْ بِإِذْنِهِ ۖ حَتَّىٰ إِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِمَّنْ بَعْدَ مَا أَرْسَلَكُمْ مِمَّا تَحِبُّونَ ۖ مِّنْكُمْ مَّنْ يُرِيدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُرِيدُ الْآخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَّفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۗ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۵۶﴾

(خدا نے اپنا وعدہ پورا کر دیا جب تم اُس کے حکم سے کفار کو قتل کر رہے تھے یہاں تک کہ تم نے

^(۱) سید محسن الامین العالمی (متوفی ۱۹۵۲ء)، اعیان الشیعہ ج ۲ ص ۷۷

^(۲) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۱۵۳

^(۳) سورۃ آل عمران، آیت ۱۵۲

کمزوری کا مظاہرہ کیا اور آپس میں جھگڑا کرنے لگے اور اُس وقت خدا کی نافرمانی کی جب اُس نے تمہاری محبوب شے کو دکھلادیا تھا تم میں سے کچھ دُنیا کے طلبگار تھے اور کچھ آخرت کے۔) وحشت و مصیبت سے بھرپور اس غزوہ میں فتح و نصرت اور عزت و رفعت آخر کار اہل ایمان کا مقدر بنی۔ ”مواہب“ میں بعض علماء سے منقول ہے کہ جو یہ کہے کہ حضور اکرم ﷺ کو شکست و ہزیمت ہوئی، اُس سے توبہ کرائی جائے اور اگر توبہ نہ کرے تو وہ واجب القتل ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ یقیناً کامل پرگامزن تھے لہذا ہزیمت کی نسبت آپ ﷺ کی طرف کرنا موجب کفر ہے۔^(۱)

اسلام کی روز افزوں بڑھتی ہوئی طاقت کفار کے لئے سخت پریشانی کا باعث تھی۔ وہ اس قوت کا قلع قمع کر دینا چاہتے تھے۔ طلوع اسلام سے لے کر تاحال وہ ہر طرح سے اسلام کا نام و نشان مٹانے کی کوششوں میں مصروف تھے لیکن اُن کی کوئی کوشش بار آور ثابت نہیں ہو رہی تھی حتیٰ کہ بدر میں بھی اُن کو سخت ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا جس کی وجہ سے اُن کا جذبہ انتقام بھڑک اُٹھا تھا۔ انتقام کی اس آگ کو ایک یہودی کعب بن اشرف (بالائی صفحات پر سریہ محمد بن مسلمہؓ میں اس کا انجام بیان کیا جا چکا ہے) نے خوب ہوا دی تھی۔ اُس نے مکہ جا کر قریش کے مقتولین بدر پر نوحہ خوانی کی جوش دلانے والے اشعار کہے اور انہیں انتقام لینے پر اکسایا تھا۔ چنانچہ اب قریش کا منصوبہ یہ تھا اپنی تمام ترمالی اور عسکری قوت کو یکجا کر کے مسلمانوں پر ایسی کاری ضرب لگائی جائے کہ اسلام اور اسلام کے پیروکار صفحہ ہستی سے مٹ جائیں اور اس طرح بدر کی شکست کا جو داغ اُن کے دامن پر لگا تھا، وہ دھل جائے۔^(۲)

^(۱) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۱۵۳۔

احمد بن محمد قسطلانی (متوفی ۹۲۳ ہجری)، المواہب اللدنیہ

^(۲) مسٹر کے اے حمید، تاریخ مسلمانان عالم، ج ۱ ص ۵۔ علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۲۲۳

اس جنگ کے لئے سب سے زیادہ پرجوش ابوسفیان اور اُس کی بیوی ہندہ تھے کیونکہ جنگ بدر میں ان کا بیٹا حنظلہ، ہندہ کا باپ عتبہ، چچا شیبہ اور بھائی ولید اپنے ساتھیوں کے ساتھ مارے گئے تھے اور اُن کے انتقام نے انہیں دیوانہ کر دیا تھا۔ پس وہ اس منصوبہ پر عمل پیرا ہونے کے لیے بہت جوش و خروش کے ساتھ میدان میں آ گئے۔

روایت ہے کہ ابوسفیان نے اپنے اُس تجارتی قافلہ کے مال کو، جسے وہ بدر کے موقع پر شام سے مکہ لایا تھا، دارالندوہ میں رکھا اور لوگوں سے کہا کہ اپنے اموال سے ہماری اعانت کرو تا کہ ہم ایک عظیم لشکر تیار کریں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے جنگ کر کے بدر کا انتقام لیں۔ مورخین لکھتے ہیں کہ تجارتی قافلہ کا وہ مال ایک ہزار اُونٹ کے بوجھ کا تھا جس کی اصل قیمت پچاس ہزار مثقال تھی جبکہ اُس کا نفع بیس ہزار مثقال تھا۔ عبداللہ بن اُبی، ربیعہ، عکرمہ بن ابو جہل، صفوان بن اُمیہ اور کئی اور روساء قریش مل کر ابوسفیان کے پاس آئے اور پھر سب مل کر اُن لوگوں کے پاس گئے جن کا سرمایہ اُس تجارتی قافلے میں لگا ہوا تھا، انہوں نے تجویز پیش کی کہ اس مرتبہ تجارت میں جو رقم حاصل ہوئی ہے سب کی سب جنگ کے فنڈ میں جمع کرادی جائے، تمام لوگ اس پر متفق ہو گئے۔

اس کا ذکر قرآن مجید میں یوں آیا ہے: ^①

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ فَسَيُنفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ ۖ وَالَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ يُخْشَرُونَ ﴿٣٦﴾
(بے شک جو لوگ کافر ہیں وہ اس لئے اپنے مال خرچ کرتے ہیں کہ (لوگوں کو) خدا کی راہ سے روکیں یہ آئندہ بھی اسی طرح خرچ کریں گے اور پھر انجام کار یہ (مال خرچ کرنا) ان کے لئے حسرت اور پچھتاوے کا باعث بن جائے گا۔ اور بالآخر وہ مغلوب ہو جائیں گے۔ اور جو کافر ہیں وہ گھیر گھا کر جہنم کی طرف جمع کئے جائیں گے)

پھر انہوں نے عرب کے چرب زبانوں کی ایک جماعت کو جس میں عمرو بن عاص بھی تھا، عرب کے قبائل کنانہ، تہامہ اور سقیف وغیرہ کی طرف بھیجا تا کہ اُن کو بھی جنگ کے لئے مدد و اعانت پر آمادہ کریں۔ چنانچہ وہ اس مہم میں خوب کامیاب رہے اور عرب قبائل سے کثیر مالی معاونت اور بڑی تعداد میں جنگجو حاصل کر لیے۔ غلاموں کی ایک بہت بڑی تعداد کو بھی اس جنگ میں اس وعدہ پر شامل کیا گیا کہ فتح کے بعد انہیں آزاد کر دیا جائے گا۔ جبیر بن مطعم کا غلام وحشی بن حرب جس نے حضرت حمزہ ؓ کو شہید کیا، انہی میں سے ایک تھا۔

عربوں میں اپنی عورتوں کو جنگ پر لے جانے کا رواج نہیں تھا مگر اس جنگ کے لئے ابوسفیان کی بیوی ہندہ دختر عتبہ بن ربیعہ مصر تھی کہ لشکر کے ساتھ عورتیں بھی ہوں جو مقتولین بدر پر نوحہ کریں اور ایسے ترانے گائیں جن سے مسلمانوں کے خلاف جوش انتقام پیدا ہو اور لوگوں میں جنگ کرنے کا ولولہ اُبھرے نیز اُن کی موجودگی میں لوگ میدان جنگ سے فرار نہ ہوں۔ چنانچہ ہندہ کی تجویز کا خیر مقدم کیا گیا اور چند مردوں نے اپنی عورتوں کو بھی ساتھ لے لیا۔ اُن میں سے خاص خاص عورتوں اور اُن کے ساتھیوں کے نام مندرجہ ذیل ہیں:^①

- ۱۔ ابوسفیان بن حرب امیر جماعت کے ساتھ اُس کی بیوی ہندہ بنت عتبہ بن ربیعہ
- ۲۔ عکرمہ بن ابو جہل بن ہشام بن مغیرہ کے ساتھ، اُم حکیم بنت حارث بن ہشام بن مغیرہ
- ۳۔ عکرمہ بن ابو جہل کے چچا حارث بن ہشام بن مغیرہ کے ساتھ، بنت ولید بن مغیرہ
- ۴۔ صفوان بن اُمیہ بن خلف کے ساتھ، برزہ یا برہ بنت مسعود بن عمرو بن عمیر ثقیفہ
- ۵۔ عمرو بن عاص بن وائل کے ساتھ، عبداللہ بن عمرو بن عاص کی ماں ریطہ بنت منبہ بن ججاج
- ۶۔ طلحہ بن ابی طلحہ کے ساتھ، سلافہ بنت سعد بن شہیہ

① علامہ علی نقوی، تاریخ اسلام ص ۲۲۵۔

ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری، ج ۲ ص ۱۷۴

یہ تمام عورتیں اپنے اپنے شوہروں کے ساتھ تھیں۔

۷۔ ابو عریض بن عمیر کے ساتھ اُس کی ماں خناس بنت مالک بن القرب تھی۔

لشکر کفار

اس جنگ کے لئے کفار نے ایک بہت بڑا لشکر تیار کر لیا تھا جو ابوسفیان کی سرداری میں مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوا۔ بروایت اُس کی تعداد تین ہزار (۳۰۰۰) سے چار ہزار (۴۰۰۰) تھی۔^(۱)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ اس لشکر کی نفری تین ہزار (۳۰۰۰) تھی جن میں سات سو (۷۰۰) زرہ پوش تھے، دو سو (۲۰۰) گھوڑے، تین ہزار (۳۰۰۰) اونٹ اور پندرہ سو

(۱۵۰۰) عورتوں کے ہودج (کجاوے) تھے۔ الرقیق المختوم میں ہے کہ لشکر میں پندرہ (۱۵) عورتیں تھیں۔^(۲) (اگر عورتوں کی تعداد پندرہ ہو تو ہودج بھی پندرہ ہی ہو سکتے ہیں نہ کہ پندرہ سو،

پس مدارج النبوت میں کتابت کی غلطی کا گمان ہے۔ مؤلف)

لشکر کفار نے مدینہ سے پانچ چھ میل پہلے ذوالحلیفہ کے مقام پر قیام کیا، پھر پیش قدمی کی اور اُحد کے کنارے وادی بطن میں مدینہ طیبہ کے مقابل پڑاؤ ڈالا۔^(۳)

کہتے ہیں کہ قریش کی فوج مکہ سے روانہ ہوئی تو کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد ابواء کے مقام پر پہنچی۔ ابواء رسول اللہ ﷺ کی والدہ محترمہ کی آخری آرام گاہ تھی۔ قریش کے کچھ غیر سنجیدہ

لوگوں نے اصرار کیا کہ پیغمبر خدا (ﷺ) کی والدہ ماجدہ کا جسد مبارک قبر سے نکال لیا جائے، بروایت یہ تجویز ابوسفیان کی بیوی ہندہ بنت عتبہ نے پیش کی۔^(۴) تاہم اُن میں موجود کچھ

دوراندیش لوگوں نے اس تجویز کی مذمت کی اور کہا کہ ایسا کرنے سے ممکن ہے کہ مستقبل میں یہ

^(۱) آیت اللہ جعفر سبحانی، دی مسیج (The Message)، ص ۳۴۲

^(۲) مولانا صفی الرحمن مبارکپوری، الرقیق المختوم ص ۳۳۹

^(۳) شیخ عبدالحق محدث دہلوی، متوفی ۱۶۴۲ء، مدارج النبوت ج ۲ ص ۱۵۴

^(۴) مولانا صفی الرحمن مبارکپوری، الرقیق المختوم ص ۳۴۱

① رواج بن جائے اور ہمارے دشمن ہمارے مردوں کی قبریں اکھاڑ کر ان کی بے حرمتی کریں۔
حضرت عباس بن عبدالمطلب ؓ اُس وقت مکہ میں تھے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو ایک خط کے ذریعے قریش کی لشکر کشی سے آگاہ کیا۔ وہ خط بنی غفار کا ایک شخص لے کر آیا تھا جس میں قریش کے جنگی منصوبے کی تفصیل درج تھی۔

حضور اکرم ﷺ نے حضرت حبابؓ کو تصدیق کے لیے روانہ کیا تو انہوں نے آکر بتایا کہ قریش کی فوج کا ہراول دستہ مدینہ کے قریب پہنچ چکا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت انسؓ اور منسؓ کو بھی لشکر قریش کی خبر لانے کو روانہ کیا اور انہوں نے آکر بتایا کہ قریش مدینہ کے قریب پہنچ چکے ہیں اور انہوں نے اپنے موسیٰ مدینہ کے کھیتوں میں چرنے کے لئے چھوڑ دیے ہیں۔
② قریش کا لشکر مسلمانوں سے پہلے ہی میدان جنگ میں پہنچ گیا تھا۔ اُس نے اُحد کی وادی میں چھاؤنی ڈالی اور فوجوں کو مدینہ منورہ کے شمال میں بیر رومہ اور غابہ کے درمیان پھیلا دیا۔ جغرافیائی اور جنگی لحاظ سے وہ بہترین جگہ تھی۔ وہاں پانی بھی تھا اور جانوروں کے لیے چارے کی سہولت بھی تھی۔ عقب اور دائیں بائیں سے اچانک حملے کا امکان بھی بہت کم تھا۔

ابوسفیان کو اپنی مرضی کا محاذ و مقام جنگ منتخب کرنے کا موقع مل گیا تھا چنانچہ اُس نے میدان جنگ کے جغرافیائی و عسکری حالات کا جائزہ لیا اور اُن کے مطابق اپنی افواج کی صف آرائی کی۔ جنگ کے واقعات و کوائف کے مطالعہ سے اس بات کا سراغ ملتا ہے کہ ابوسفیان کی جنگی چال یہ تھی کہ مسلمانوں کو جُل دے کر اُن کے عقب میں کوہ عینین کے درے پر قبضہ کر لیا جائے اور اس طرح پیچھے سے بھی حملہ کر کے انہیں گھیرے میں لے کر اُن کا قلع قمع کر دیا جائے اور پھر مدینہ کو تاخت و تاراج کر دیا جائے۔ چنانچہ اُس نے میمنہ پر خالد بن ولید کو، میسرہ پر عکرمہ بن ابوجہل کو اور قلب

① آیت اللہ جعفر سبحانی، دی مپیج (The Message)، ص ۴۴۳

② آیت اللہ جعفر سبحانی، دی مپیج (The Message)، ص ۴۴۳

پرفصوان بن اُمیہ کو سالار مقرر کیا۔ تیر اندازوں کے دستے عبداللہ بن ابی ربیعہ کی کمان میں دیے۔ درّے پر قبضہ کر کے لشکرِ اسلام پر عقب سے حملہ کرنے کی ذمہ داری بھی خالد بن ولید کی تھی اور اُس کو بروقت کمک پہنچانے کا کام عکرمہ بن ابوجہل کے سپرد کیا گیا تھا۔ علاوہ ازیں لشکرِ کفار کیونکہ مسلمانوں سے پہلے میدان میں پڑاؤ ڈال چکا تھا اس لیے ابوسفیان نے ایک اور مکاری یہ کی کہ مسلمانوں کی متوقع صف بندی کے مقام کے آس پاس جا بجا گڑھے کھدوا کر اُن کو بھجور کے پتوں اور چھال وغیرہ سے ڈھانپ دیا تاکہ جب مسلمانوں پر عقب سے حملہ کیا جائے اور وہ سراسیمہ ہو کر یا دفاع کے لیے ادھر ادھر بھاگیں تو ان گڑھوں میں گر جائیں۔ اُن گڑھوں کا دوسرا مقصد اُن سے کمین گاہوں کا کام لینا تھا، اس کے لیے اُس نے اُن میں اپنے فوجی چھپا دیے تھے چنانچہ ایسے ہی ایک گڑھے سے نکل کر شداد بن اسود لیشی نے حضرت حنظلہؓ پر حملہ کر کے اُنہیں شہید کیا جب وہ ابوسفیان پر حملہ آور ہو رہے تھے۔^①

مسلمانوں میں اختلاف رائے

دوسری طرف مسلمانوں کے درمیان اس جنگ کے سلسلہ میں اختلاف رائے پیدا ہو گیا تھا۔ بعض لوگ، خصوصاً وہ انصار جو غزوہ بدر میں شامل نہ ہو سکے تھے، خواہش رکھتے تھے کہ کوئی ایسا معرکہ پیش آئے جس میں وہ شامل ہو کر فریضہ جہاد ادا کر سکیں، اُن کی تمنا تھی کہ مدینہ سے باہر نکل کر معرکہ آرا ہوا جائے۔ کچھ لوگوں کی رائے تھی کہ باہر نکل کر جنگ کرنے کی بجائے مدینہ طیبہ میں محصور ہو کر دفاع کرنا چاہیے۔ جہاد کے لیے بیقرار اہل ایمان کی بیتابی اور جوش و خروش کا یہ عالم تھا کہ وہ جنگ کے حق میں بڑھ چڑھ کر دلائل دینے لگے، حتیٰ کہ اُن کا اصرار اس قدر بڑھ گیا کہ نبی کریم ﷺ کو بحیثیت پیغمبرِ خدا اور سپہ سالارِ خود فیصلہ کرنا پڑا۔ آپ ﷺ نے جنگ کرنے

① ابن خلدون (متوفی ۱۴۰۶ء)، تاریخ ابن خلدون، ج ۱ ص ۱۰۲

ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبرِ اعظم ﷺ، ص ۵۰۸

پر رضامندی ظاہر فرمادی۔ وہ جمعہ کا دن تھا، آپ ﷺ نے جمعہ کا خطبہ دیا، جہاد اور شہادت کے فضائل بیان فرمائے، صبر و استقامت کی تلقین و وضاحت فرمائی اور نماز سے فارغ ہو کر اپنے گھر تشریف لے گئے۔ اس دوران چند اصحاب نے خطاب کیا اور جنگ کے لیے مُصر لوگوں کو ہٹ دھرمی چھوڑنے کی نصیحت کی جو کافی حد تک مؤثر ثابت ہوئی چنانچہ حضور ﷺ جب مسلح ہو کر گھر سے باہر تشریف لائے تو جنگ پر آمادہ کئی لوگوں نے اپنی رائے سے دستبرداری اور ندامت کا اظہار کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا، ”اللہ کے رسول ﷺ کے شایانِ شان نہیں کہ ہتھیار پہن کر اُتار دے جب تک کہ اللہ تعالیٰ اُس کے اور دشمن کے درمیان فیصلہ نہ کر دے۔“ بیشک آپ ﷺ کا یہ فرمان وحی الہی کے عین مطابق تھا۔ ارشاد پروردگار ہے: ^①

فِيمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ ۚ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۚ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ﴿٥٩﴾

(اے رسول ﷺ)! یہ اللہ کی بہت بڑی مہربانی ہے کہ تم ان لوگوں کے لیے اتنے نرم مزاج ہو۔ ورنہ اگر تم درشت مزاج اور سنگدل ہوتے تو یہ سب آپ کے گرد و پیش سے منتشر ہو جاتے۔ انہیں معاف کر دیا کریں۔ ان کے لیے دعائے مغفرت کیا کریں اور معاملات میں ان سے مشورہ بھی لے لیا کریں۔ مگر جب کسی کام کے کرنے کا حتمی ارادہ ہو جائے تو پھر خدا پر بھروسہ کریں بے شک اللہ بھروسہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔)

لشکرِ اسلام

^② اسلامی لشکر کی تعداد نو سو (۹۰۰) اور بروایت ایک ہزار (۱۰۰۰) تھی جن میں سوزرہ پوش تھے۔

^① سورة آل عمران: آیت ۱۵۹

^② شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۵۷

اس لشکر میں سے تین سو (۳۰۰) ساتھیوں کو لے کر عبد اللہ بن اُبی الگ ہو گیا تھا اس طرح لشکرِ اسلام کی تعداد صرف سات سو (۷۰۰) رہ گئی تھی۔ لشکر میں صرف دو (۲) گھوڑے تھے۔^①

لشکرِ اسلام میں تین علم مرتب کیے گئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین کا علم حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کو، قبیلہ اوس کا پرچم حضرت سعد بن عبادہؓ کو اور قبیلہ خزرج کا جھنڈا حضرت خباب بن المنذرؓ کو دیا۔^②

روائی

رسول خدا ﷺ نے حضرت ابن اُم مکتومؓ کو مدینہ کا حاکم مقرر فرمایا اور ۶ شوال ۳ھ بمطابق ۲۲ مارچ ۶۲۵ء کو نمازِ جمعہ کے بعد لشکرِ اسلام کے ساتھ اُحد کی طرف کوچ فرمایا۔ آپ ﷺ اُس وقت گھوڑے پر سوار تھے، کندھے پر کمان اور ہاتھ میں نیزہ تھا۔ صحابہ کرامؓ آپ ﷺ کے آگے پیچھے اودائیں بائیں تھے۔

منافقین کی غداری

جب آپ ﷺ مقام شوط پر پہنچے تو عبد اللہ بن اُبی اپنے تین سوسواروں کے ساتھ یہ کہہ کر لشکر سے الگ ہو گیا کہ آپ ﷺ نے میری رائے سے اتفاق نہیں کیا لہذا ہم اپنی جانوں کو ہلاکت میں کیوں ڈالیں؟ (اُس نے مشورہ دیا تھا کہ جنگ کرنے کی بجائے مدینہ کے اندر محصور ہو کر دفاع کیا جائے) عبد اللہ بن اُبی کی منافقت کا اثر اور لوگوں پر بھی ہوا اور وہ بھی واپسی کی باتیں کرنے لگے۔ منافقوں کی غداری کے ساتھ ساتھ فوج، اسلحہ، سواری اور رسد کی قلت بھی تھی لیکن آپ ﷺ کو کوئی خوف اور غم نہیں تھا۔ جیسا کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے فرمایا:^③

أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿١٦﴾ (آگاہ رہو کہ جو اللہ کے دوست

① ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ، تاریخ طبری)، ج ۳ ص ۱۲

② شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۲۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۵

③ سورۃ یونس، آیت ۶۲

ہیں اُن کے لئے نہ کوئی خوف ہے اور نہ ہی غم۔)

پس آپ ﷺ کا عزم پختہ، ہمت جوان اور حوصلہ بلند تھا۔ چونکہ شام ہونے والی تھی اس لئے آپ ﷺ نے راتِ شبنم میں گزارنے کا فیصلہ کیا۔ آپ ﷺ دشمن سے غافل نہیں رہتے تھے اس لیے حفاظتی اقدامات کو خاص اہمیت دیا کرتے تھے چنانچہ پچاس مجاہدین کے ایک دستے کو پہرہ پر مامور فرمایا۔ پھر رات کے کچھلے پہر کوچ کا حکم دیا۔ القنطرہ میں نمازِ فجر ادا فرمائی۔ دن چڑھے یعنی بروز ہفتہ آپ ﷺ وادیِ اُحد میں وارد ہوئے۔

عینین کا درہ

اگرچہ آپ ﷺ لشکرِ کفار کے بعد میدانِ جنگ میں پہنچے تھے لیکن آپ ﷺ کی نگاہ ایک ذہین و مثالی ماہرِ حربیات اور سپہ سالار کی طرح فوراً عینین کے درّے پر پڑی۔ آپ ﷺ نے صفِ بندی کے وقت جغرافیائی ماحول سے بھرپور استفادہ کرتے ہوئے لشکر کے عقب اور دائیں بائیں اُحد کی پہاڑیوں کو رکھا اور فوج کو تین اطراف سے محفوظ کر لیا۔ عینین کے اُس درّہ پر جس سے عقبی جانب سے حملہ ہو سکتا تھا، حضرت عبداللہ بن جبیرؓ کی کمان میں پچاس تیز اندازوں کا ایک دستہ مقرر کر دیا اور اُنھیں واضح اور قطعی ہدایات دیں کہ لڑائی کے دوران یا بعد میں، نیز فتح ہو یا شکست، کسی حال میں بھی درّے کو خالی چھوڑ کر نہ جانا۔ بروایت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر لشکرِ کفار اس طرف سے حملہ آور ہو تو تیر اندازی کے ذریعے اُسے ناکام کر دینا اور کسی صورت میں بھی اس جگہ سے مت ہلنا چاہیے مسلمان غالب ہوں یا مغلوب۔^①

آپ ﷺ نے مثال دیتے ہوئے فرمایا کہ اگر تم دیکھو کہ ہمیں پرندے اُٹھا کر لے جا رہے ہیں تب بھی اپنی جگہ سے جنبش نہ کرنا جب تک کہ میں کسی کو تمہارے بلانے کے لئے نہ بھیجوں اور

اگر دیکھو کہ ہم نے کفار کو شکست دے دی ہے تب بھی تم اپنی جگہ مت چھوڑنا اور اگر وہ ہم سب کو قتل کر دیں تو بھی یہاں سے جنبش نہ کرنا۔^①

یہ مقام اس اعتبار سے بھی اہم تھا کہ اگر قریش کے دباؤ کی صورت میں مجاہدین پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو جائیں تو تیر انداز اُن کی بھرپور مدد کر سکیں۔ صف بندی میں بھی آنحضرت ﷺ کو یدِ طولیٰ حاصل تھا۔ مجاہدین اور قریش کی عددی نسبت ایک اور چار کی تھی لیکن آپ ﷺ نے مجاہدین کی صف بندی اس طریق سے کی کہ قریش اپنی ساری فوج بیک وقت اُن کے مقابل نہیں لاسکتے تھے اور نہ اُنھیں گھیرے میں لے سکتے تھے۔

آغازِ جنگ

آغازِ جنگ قریش کی طرف سے ہوا۔ سب سے پہلے اُن کی عورتیں، سپہ سالار ابوسفیان کی بیوی ہندہ کی قیادت میں دف بجاتی اور رجزیہ اشعار لاپتی ہوئی میدان میں آئیں اور گا گا کر اپنے سوراؤں کا حوصلہ بڑھاتی رہیں۔ اس موقع پر ہندہ کے گائے ہوئے اشعار تاریخ میں بہت مشہور ہیں، وہ کہہ رہی تھی:^②

نحن بنات طارق نمشي على النمارق

ان تقبلوا نعائق او تدبروا انفارق

فراق غیر واسق

(ہم ستاروں کی بیٹیاں ہیں جو ناز و نعم میں پلی ہیں، آگے قدم بڑھاؤ گے تو ہم تمہارے گلے ملیں گی اور اگر پیٹھ دکھاؤ گے تو تم سے منہ موڑ لیں گی اور ایسے جدا ہو جائیں گی جیسے کبھی محبت تھی ہی نہیں)

① شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۵۹

② ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری، ج ۲ حصہ اول ص ۱۷۹

حافظ ابن عبد البر قرطبی (متوفی ۴۶۳ ہجری)، الاستیعاب، ج ۲ ص ۲۳۰

پھر قریش کے حلیف قبیلہ ہوازن کے دستے نے طاقت کے نشے میں پیش قدمی کی لیکن قوتِ ایمانی سے سرشار مسلمان تیر اندازوں نے اُن کا نشہ ہرن کر دیا۔^①

ایک روایت کے مطابق کفار کی طرف سے سب سے پہلے ابو عامر راہب نے، جسے ابو عامر فاسق بھی کہا جاتا تھا، لشکرِ اسلام کی جانب تیر پھینکا تھا۔ وہ اپنی قوم کے پچاس آدمیوں کو ہمراہ لے کر آیا تھا۔ اُنہوں نے تل کر تیر چلائے لیکن مسلمانوں کی جوابی کاروائی سے ابو عامر بھاگ کھڑا ہوا۔^②

پھر کفار میں سے بنو عبدالدار پر چم لے کر آگے بڑھے۔ اُن کے علمبردار طلحہ بن عثمان ابوطلحہ نے مردِ مقابل کے لیے نعرہ بلند کیا تو حضرت علی علیہ السلام اُس کے مقابلے کو نکلے اور شیر کی طرح اُس پر چھپے۔ علی علیہ السلام نے چشمِ زدن میں تلوار کے ایک ہی وار سے اس کے سر کے دو ٹکڑے کر دیے۔^③

مدارج النبوت اور تاریخ طبری میں حضرت علی علیہ السلام کی شجاعت کا یہ واقعہ ذرا تفصیل سے مگر مختلف انداز میں درج ہے، طبری کی روایت یوں ہے کہ طلحہ بن عثمان جو کفارِ قریش کا علمدار تھا میدان میں نکلا اور پکارا، ”اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ بھاگنا تمہارا دعویٰ ہے کہ اللہ ہم کو تمہاری تلواروں سے جہنمِ اصل کرے گا اور تمہیں ہماری تلواروں کے ذریعے جنت میں پہنچائے گا، تو ہے کوئی تم میں ایسا جو اپنی تلوار سے مجھے جہنم رسید کرے یا میری تلوار سے جنت میں جانا چاہے؟“

اُس کی للکارُن کر شیر خدا سیدنا علی مرتضیٰ علیہ السلام میدان میں تشریف لائے اور فرمایا، ”قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، میں تجھے اپنی تلوار سے اصلِ جہنم کر کے چھوڑ دوں گا۔“ پھر علی علیہ السلام نے تلوار کے ایک ہی وار سے اُس کا پاؤں قطع کر دیا۔^④

مدارج النبوت میں جناب امیر المومنین علیہ السلام کی شجاعت کے ساتھ ساتھ بے مثال شرم و حیا

① ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبرِ اعظم وآخراً صلی اللہ علیہ وسلم، ص ۱۰

② شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۱۵۹

③ ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبرِ اعظم وآخراً صلی اللہ علیہ وسلم، ص ۱۰

④ ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری، ج ۲ حصہ اول ص ۱۷۹

اور کمالِ ظرف کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ روایت یوں ہے کہ جناب علی علیہ السلام نے اُس کے سر پر ایسی ضرب لگائی جس سے وہ شدید زخمی ہو گیا۔ وہ ابھی ہلاک نہیں ہوا تھا مگر علی علیہ السلام واپس تشریف لائے اور اپنی صف میں شامل ہو گئے۔ صحابہ نے پوچھا کہ آپ نے طلحہ کا کام تمام کیوں نہ کر دیا؟ فرمایا کہ جب وہ گرا تو اُس کا ستر کھل گیا تھا (یعنی وہ برہنہ ہو گیا تھا) اور اُس نے مجھے قسم دی کہ میں اُسے چھوڑ دوں، اس حالت میں اُس پر دوبارہ حملہ آور ہونے میں مجھے حیا آئی اور میں نے یہ بھی جان لیا کہ وہ بہت جلد ہلاک ہو جائے گا (پس میں نے اُسے اُس کے حال پر چھوڑ دیا)۔^①

طلحہ کے بعد اُس کے بھائی عثمان بن طلحہ نے لپک کر جھنڈا اٹھایا لیکن اُسے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے ہلاک کر دیا۔ اب کفار کا علم ابوسعید بن ابی طلحہ کے ہاتھ میں آیا لیکن اُسے سعد بن ابی وقاص نے موت کے گھاٹ اُتار دیا۔^②

بروایتِ طلحہ کے بعد بنی عبدالدار کا دوسرا تیسرا اور چوتھا شخص یکے بعد دیگرے میدان میں آئے اور سبھی امام علی علیہ السلام کے ہاتھوں قتل ہوئے۔^③

علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ طلحہ کے بعد قریش کا علم اُس کے بیٹے ابوسعید نے اٹھایا۔ حضرت علی علیہ السلام نے اُس کو بھی قتل کر دیا اور علم گر پڑا۔ پھر ابو طلحہ کے دوسرے بیٹے عثمان نے علم اٹھایا، امیر المومنین علیہ السلام نے اُسے بھی واصل جہنم کر دیا۔ علم زمین پر گرا تو ابو طلحہ کے تیسرے بیٹے منافع نے اُسے اٹھایا، وہ بھی حضرت علی علیہ السلام کی تلوار سے مع علم زمین بوس ہوا۔ تب ابو طلحہ کے چوتھے لڑکے حارث نے علم اٹھایا اور شاہِ ولایت حضرت علی علیہ السلام کی ضربت سے وہ بھی خاکِ مذلت پر گرا۔ اب کی بار عزیز بن عثمان نے علم اٹھایا اور تیغِ اسد اللہ سے وہ بھی جہنم میں پہنچا۔ پھر عبداللہ بن جمیلہ

① شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۶۰

ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری، ج ۲ حصہ اول ص ۱۷۸

② ذاکر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبرِ اعظم وآخراہ ص ۵۱۰

③ سید محمد صفحی، حکایات القرآن، طبع جامعہ تعلیمات اسلامی پاکستان

نے علم کو بلند کیا وہ بھی قتل ہو گیا تو علم کو عبدالدار کے غلام صواب نے اٹھایا، حضرت علی علیہ السلام نے اُس کو ایک ضربت لگائی اور اُس کا داہنا ہاتھ قطع ہو گیا، اُس نے بائیں ہاتھ میں علم لیا، آپ نے وہ ہاتھ بھی کاٹ دیا لیکن اُس نے علم کو اپنے کٹے ہوئے ہاتھوں سے سنبھالا اور کہا اے بنی عبدالدار! کیا جو شرط نصرت تھی میں نہیں بجالایا؟ حضرت علی علیہ السلام نے اُس کے سر پر تلوار کا ایک ہاتھ مارا اور اُس کو جہنم واصل کر دیا۔ یہ دیکھ کر کفار کے دلوں پر بے حد خوف و ہراس چھا گیا۔^(۱)

عین اُسی وقت مسلمانوں نے شدید حملہ کیا اور دشمن کی صفیں الٹا کر رکھ دیں۔

ابوسفیان نے اس موقع پر ایک چال چلی جو بری طرح ناکام ہو گئی۔ اُس نے چلا کر انصار سے کہا کہ اے اوس و خزرج! ہماری تم سے کوئی لڑائی نہیں، تم واپس چلے جاؤ ہم تم سے جنگ نہیں کریں گے، تم ہمیں اور ہمارے بھائیوں (مہاجرین) کو آپس میں نمٹنے دو۔ مگر انصار نے اُس کی پیش کش نفرت و حقارت سے ٹھکرا دی۔^(۲) مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کی ایک اور اُمید ابھی ابوسفیان کے دل میں باقی تھی، اور وہ تھی راہب ابوعامر کی کوشش۔ ابوعامر مدینہ میں رہنے والا ایک تارک الدنیا قسم کا آدمی تھا جس کے گرد کمزور عقیدہ اور توہم پرست لوگ اکٹرا کر منڈلاتے رہتے تھے۔ وہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و بزرگی دیکھ کر حسد میں مبتلا ہو گیا تھا جس کی بنا پر مسلمانوں میں فاسق کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ اُس نے قریش سے کہا تھا کہ جب میں میدان میں جا کر انصار کو پکاروں گا تو وہ پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ساتھ چھوڑ کر میری جانب چلے آئیں گے۔ چنانچہ اس بار وہ بڑی نخواست سے میدان میں آیا اور قبیلہ اوس کے لوگوں کو اپنی طرف بلایا مگر مسلمانوں نے اُسے فاسق کہہ کر اُس پر لعنت بھیجی تو وہ تلملا اٹھا اور مرنے مارنے پر تل گیا۔ اس مرتبہ اُس نے خوب جنگ کی مگر بالآخر مسلمانوں کی تلواروں کا لقمہ بن گیا۔^(۳)

^(۱) علامہ باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء)، حیات القلوب، ج ۲ ص ۵۶۲

^(۲) علامہ علی نقوی، تاریخ اسلام ص ۲۳۴

^(۳) علامہ علی نقوی، تاریخ اسلام ص ۲۳۵

استدائی فتح

کفار کے اکثر لوگ بھاگ کھڑے ہوئے اور اُن کے لشکر کا شیرازہ بکھر گیا جب کہ مجاہدین اسلام جن میں سب سے ممتاز حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام، حضرت حمزہ بن عبدالمطلب ﷺ، حضرت مقداد بن اسود ﷺ اور حضرت زبیر بن عوام ﷺ تھے، پورے جوش و خروش سے لڑ رہے تھے۔^①

وہ اپنے دین کا کما حقہ دفاع کر رہے تھے، یہاں تک کہ اُنہوں نے قریش کے بڑے بت ”ہبل“ کو بھی، جسے وہ اپنے ساتھ لائے تھے، سر کے بل گرا دیا اور دشمن کی کمر توڑ دی۔ یوں رفتہ رفتہ میدان جنگ کافروں سے خالی ہو گیا اور اکثر مسلمان مال غنیمت سمیٹنے میں لگ گئے۔ ارباب سیر لکھتے ہیں کہ کفار کے جھنڈے کو یکے بعد دیگرے دس اشخاص نے اٹھایا تھا یہاں تک کہ ایک عورت جس کا نام عمرہ بنت علقمہ حارثیہ تھا علمبردارِ قریش ہوئی۔ پھر گھمسان کا رن پڑا اور مسلمانوں نے مشرکوں پر پے در پے حملے کر کے اُن کی صفوں کو درہم برہم کر دیا اور میدانِ جنگ سے بھگا دیا۔ کفار کے قتل عام پر اُن کی گانے بجانے والی عورتوں نے دف پھینک دیے اور رونے پینے اور واویلا کرنے لگیں۔ خالد بن ولید نے مشرکوں کی ایک ٹولی کے ساتھ پہاڑی درے میں داخل ہونے کی کوشش کی تو وہاں متعین تیر اندازوں کے دستے نے اُس ٹولی کو تیر اندازی سے پیچھے دھکیل دیا۔ خالد نے کئی حملے کیے لیکن کوئی بھی کارگر نہ ہوا۔ آخر کار مسلمان غالب آ گئے اور کفار کو ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا۔^②

اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور کے سابق وائس چانسلر ڈاکٹر نصیر احمد ناصر صاحب اپنی تالیف ”پیغمبر اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وسلم“ میں لکھتے ہیں کہ (قریش کے پرچم بردار بنو عبد الدار کی ہلاکت کے بعد) قریش کے پرچم کے گرد گھمسان کا رن پڑا، فریقین بے جگری سے لڑے۔ پرچم بلند رکھنے کی

① علامہ علی نقوی، تاریخ اسلام ص ۲۳۲، ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری، ج ۳ ص ۱۵

② شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۶۰

کوشش میں خاندان عبدالدار کے نو افراد لقمۂ اجل بن گئے تھے۔ اس معرکے میں حضرت ابودجانہ (ؓ)، حضرت حمزہ (ؓ) اور حضرت علی (ؓ) نے خاص طور پر بہادری کے وہ جوہر دکھائے کہ دیکھنے والے دنگ رہ گئے۔^(۱)

مؤرخ مولانا شبلی نعمانی کے الفاظ ہیں، ”علمبرداروں کے قتل اور حضرت علی (ؓ) اور حضرت ابودجانہ انصاری (ؓ) کے بے پناہ حملوں سے فوج کے پاؤں اکھڑ گئے، پریوش نازنینیں جو اپنے سریلے رجزوں سے سپاہیوں کے دل اُبھار رہی تھیں، وہ بھی بدحواسی کے ساتھ ہٹیں اور مطلع صاف ہو گیا۔“^(۲)

حضرت حمزہ (ؓ) کی شہادت

حضرت حمزہ (ؓ)، ارطاة بن عبد شریک کو قتل کر کے سباع بن عبدالعزیٰ کی طرف بڑھ رہے تھے کہ گھات لگائے بیٹھے وحشی بن حرب نے انہیں دیکھ لیا تھا۔ وہ حبشیوں کا خاص ہتھیار ”حرَبہ“ چلانے میں بہت مہارت رکھتا تھا، موقع ملتے ہی اُس نے حرَبہ مار کر حضرت حمزہ (ؓ) کو شہید کر دیا (حضرت حمزہ (ؓ) کی شہادت اور اس کے پس پردہ سازش کا تفصیلی ذکر آئندہ صفحات پر ملاحظہ فرمائیں)۔

حضرت حمزہ (ؓ) کی شہادت کے باوجود مجاہدین کا دباؤ بڑھتا جا رہا تھا حتیٰ کہ کفار کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ میدانِ جنگ سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ (حضرت حمزہ (ؓ) کی شہادت کے وقت سے متعلق مختلف روایات ہیں، بعض کے مطابق یہ جنگ کے دوسرے حصے میں شہید ہوئے)۔

قریش کی پسپائی کو عصرِ حاضر کے کچھ مؤلفین نے ابوسفیان کی چال قرار دیا ہے حالانکہ ماضی کے مشہور و معروف مؤرخین کے مطابق وہ شکست کھا کر بھاگے تھے، مثلاً:

ابوجعفر محمد بن جریر طبری، تاریخ طبری میں لکھتے ہیں کہ ابودجانہ (ؓ)، حمزہ بن عبدالمطلب (ؓ)

^(۱) ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبرِ اعظم وآخراً صلی اللہ علیہ وسلم، ص ۵۱۰

^(۲) علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام، ص ۲۳۵۔ مولانا شبلی نعمانی (متوفی ۱۹۱۴ء)، سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ص ۷۶۔

اور علی بن ابی طالب علیہ السلام نے کچھ اور مسلمانوں کے ساتھ دشمنوں کا صفایا کر دیا، اللہ نے اپنی مدد اتاری اور اپنا وعدہ اُن سے پورا کیا، اُنہوں نے مخالف فوج کو تلواروں سے اتنا مارا کہ اُنہیں ہٹا دیا اور شکست دے دی جس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہ تھی۔^(۱)

اور جیسا کہ بالائی سطور میں بیان کیا جا چکا ہے، ماضی قریب کے مشہور مؤرخ علامہ شبلی کے الفاظ ہیں، ”علمبرداروں کے قتل اور حضرت علی علیہ السلام اور ابو دجانہ انصاری (رضی اللہ عنہ) کے بے پناہ حملوں سے فوج کے پاؤں اُکھڑ گئے، پری و ش نازنینیں جو اپنے سریلے رجزوں سے سپاہیوں کے دل اُبھار رہی تھیں، وہ بھی بدحواسی کے ساتھ ہٹیں اور مطلع صاف ہو گیا۔“^(۲)

علامہ علی نقی نقن صاحب رقطراز ہیں، ”زبیر سے روایت ہے کہ میں ہند (ہندہ، یہ نام دونوں طرح سے تاریخ میں آیا ہے) بن عتبہ کے ساتھ آئی عورتوں کو دیکھ رہا تھا، (شکست کے بعد) وہ پانچ اُٹھائے بھاگی جا رہی تھیں اور اُن کے گرفتار کئے جانے میں کوئی دشواری نہیں تھی۔“^(۳)

شیخ عبدالحق دہلوی لکھتے ہیں کہ وہ مغنیات جو گارہی تھیں، (شکست کے بعد) بجائے گانے کے رونے پٹنے، چیخنے چلانے اور واویلا کرنے لگیں۔ اُنہوں نے دف ہاتھوں سے پھینک دیے اور اپنے دامنوں کو اُٹھالیا یہاں تک کہ اُن کی پنڈلیاں اور اُن کے پازیب کھل گئے اور وہ پہاڑ کی طرف بھاگنے لگیں۔“^(۴)

مالِ غنیمت کا لالچ اور درہِ عینین والوں کی غلطی

جنگ اپنے انجام کو پہنچ گئی تھی، مشرکین پسپا ہو چکے تھے لیکن مسلمانوں کی اکثریت اُن کا پیچھا کر کے اُن پر کاری ضرب لگانے کی بجائے مالِ غنیمت کے دام میں پھنس گئی۔ لشکرِ اسلام

^(۱) ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری، ج ۳ ص ۱۶

^(۲) مولانا شبلی نعمانی (متوفی ۱۹۱۳ء)، سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ص ۲۷۶

^(۳) علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام، ص ۲۳۵

^(۴) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۶۰

مالِ غنیمت لوٹنے میں مصروف ہوا تو دَرّے پر متعین تیر اندازوں کا وہ دستہ بھی جسے رسول اللہ ﷺ کی طرف سے واضح طور پر ہدایت دی گئی تھی کہ چاہے فتح ہو یا شکست تمہیں اپنی جگہ سے نہیں ہلنا، مالِ غنیمت کے لالچ میں آکر چل پڑا، اُن کے کمانڈر حضرت عبداللہ بن جبیرؓ نے اُنہیں رسول اللہ ﷺ کی ہدایت یا دلدائی اور روکنے کی بہت کوشش کی مگر اُنہوں نے ایک نہ سنی اور اُن میں سے چالیس مجاہدین دَرّے کو خالی چھوڑ کر مالِ غنیمت لوٹنے چلے گئے۔ عبداللہ بن جبیرؓ اپنے دس ساتھیوں کے ساتھ ثابت قدم رہے اور اپنی جگہ سے نہیں ہلے۔ خالد بن ولید نے دَرّے کے سپاہیوں کو منتشر ہوتے ہوئے دیکھ لیا تھا، وہ اسی تاک میں تھا، اُس نے عکرمہ بن ابو جہل کو ساتھ لیا اور ایک جماعت کے ساتھ عبداللہ بن جبیرؓ پر حملہ کر دیا۔ اُنہوں نے اپنے باقی ماندہ چند ساتھیوں کے ساتھ مقابلہ کیا لیکن زیادہ دیر تک حملہ آوروں کو روک نہ سکے اور بالآخر ساتھیوں سمیت شہید ہو گئے۔ بھاگتا ہوا ابوسفیان خالی درّہ اور مالِ غنیمت کو لوٹنے میں مصروف مسلمانوں کی غفلت دیکھ کر لوٹ آیا اور پوری قوت کے ساتھ ہلے بول دیا۔

یہ بد قسمتی اور حرماں نصیبی محض رسولِ خدا ﷺ کی نافرمانی کی وجہ سے تھی جو دَرّے پر متعین تیر اندازوں سے سرزد ہوئی تھی۔

ایک تو مسلمانوں نے مالِ غنیمت کے لالچ میں اپنی صفوں کو خود ہی درہم برہم کر دیا تھا دوسرے قریش کے چاروں طرف سے غیر متوقع حملوں نے اُنہیں بدحواس کر دیا۔ نتیجہً اُن میں نظم و ضبط نہ رہا اور اپنے سالارِ اعظم ﷺ سے اُن کا رابطہ منقطع ہو گیا۔ فوج میں نظم و ضبط اور رابطہ نہ رہے تو اُن میں عسکریت بھی نہیں رہتی اور عسکریت نہ رہے تو وہ ایک مسلح ہجوم کی طرح ہو جاتی ہے اور اُس میں قوتِ تسخیر باقی نہیں رہتی۔ تقریباً یہی حال اسلامی لشکر کا ہو گیا تھا۔ حملہ آوروں سے نمٹنے کی بجائے جس کا جدھر منہ تھا اُدھر بھاگ کھڑا ہوا۔ مدارج النبوة میں ہے کہ مسلمانوں کا لشکر تتر بتر ہو گیا اور اضطراب اور بدحواسی کا یہ عالم تھا کہ اپنے علامتی نشان تک بھول گئے اور غلطی سے ایک دوسرے کو ہی قتل کرنے لگے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ اُس بدحواسی کے سبب اسید بن حضیر کو دوزخم

اپنے ہی ساتھیوں کے ہاتھ سے آئے، ابو بردہ بھی اسی طرح زخمی ہوئے اور حذیفہ کے والد یمان بھی مسلمانوں ہی کے ہاتھوں مارے گئے۔^(۱)

آنحضرت ﷺ کے اصحاب آپ ﷺ کے پاس سے ادھر ادھر منتشر ہو گئے تھے، کچھ مدینہ میں چلے گئے اور چند ایک چٹان پر جا کر ٹھہر گئے۔ پیغمبر خدا ﷺ باوازِ بلند ان کو بلاتے تھے کہ اے بندگانِ خدا میری طرف آؤ، میری طرف۔^(۲)

اسی سے متعلق قرآن مجید میں ارشاد ہے:

إِذْ تَصْعَدُونَ وَلَا تَلُونَ عَلَى أَحَدٍ وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ فِي أُخْرَاكُمْ....^(۳)

(اُس وقت کو یاد کرو) جب تم بے تحاشا بھاگے چلے جا رہے تھے اور کسی کی طرف مڑ کر بھی نہیں دیکھتے تھے۔ حالانکہ پیغمبر (ﷺ) تمہارے پیچھے سے تمہیں پکار رہے تھے....)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی صاحب ”مدارج النبوت“ میں لکھتے ہیں، ”اُس وقت صحابہ چار قسموں میں بٹ گئے تھے۔ صحابہؓ کی ایک قسم جنگ میں مصروف تھی اور وہ شہید ہو رہی تھی، دوسرا گروہ بھاگ رہا تھا اور پہاڑ کی گھاٹیوں اور کونوں میں چھپ رہا تھا اور بعض شہر میں جا کر ٹھہر گئے تھے..... جو جنگ کی آگ ٹھنڈی ہونے کے بعد حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ اور ایک جماعت مرکزِ صدق پر ثابت قدم رہی اور راہِ فرار سے محفوظ رہی۔“^(۴)

راہِ فرار سے محفوظ رہنے والی اور مرکزِ صدق پر ثابت قدم رہنے والی جماعت وہی تھی جس کے سردار رسول معظم ﷺ تھے اور آپ ﷺ کے گرد آپ ﷺ کے جاں نثار بھائی اور وزیر جناب علی علیہ السلام اور ان کے چند ساتھی تھے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی صاحب لکھتے ہیں کہ آنحضرت

^(۱) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۶۱

^(۲) ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری، ج ۳ ص ۲۶

^(۳) سورۃ آل عمران، آیت ۱۵۳

^(۴) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۶۱

ﷺ کے پاس کوئی نہیں رہ گیا تھا سوائے اُس جماعت کے جو چودہ آدمیوں پر مشتمل تھی، اس میں سات مہاجرین اور سات انصار تھے۔ جب قریش میدانِ جنگ میں چھائے ہوئے تھے اور مسلمانوں کو تہ تیغ کیے جا رہے تھے تو صرف یہی جماعت ثابت قدم اور پر عزم تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ قریش مسلمانوں کو شکست فاش دینے میں کامیاب ہو جائیں گے، وہ رسول خدا ﷺ کے گرد گھیراؤ کرنے لگے، اُن کے حملے کا ہدف آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس تھی۔ آپ ﷺ کے گرد گھمسان کا رَن پڑا، مجاہدین پر دونوں کی طرح آپ ﷺ پر نثار ہونے لگے اور ایک وقت ایسا بھی آیا کہ آپ ﷺ کے گرد صرف حضرت علی علیہ السلام اور دو چار مجاہدین رہ گئے۔ دشمن آپ ﷺ کو زرخے میں لے کر تیروں، تلواروں اور نیزوں سے مسلسل حملے کرتے رہے لیکن آپ ﷺ کو اپنی جگہ سے ہٹانہ سکے۔^①

کہتے ہیں کہ عتبہ بن ابی وقاص، ابی قُمیہ لیثی، ابی بن خلف، عبد اللہ بن حمید اسری اور عبد اللہ بن شہاب زہری نے رسول اللہ ﷺ کو شہید کرنے کا حلف اٹھایا تھا، چنانچہ وہ کسی نہ کسی طرح آپ ﷺ کے قریب پہنچ گئے۔ عبد اللہ بن شہاب زہری ملعون نے آپ ﷺ کے چہرہ مبارک کو زخمی کیا، بد بخت عتبہ بن ابی وقاص نے سنگ باری کی اور ایک پتھر لگنے سے آپ ﷺ کا نچلا دانت شہید ہو گیا اور لب مبارک زخمی ہوئے۔ ابن قُمیہ ملعون نے آپ ﷺ کے سر اقدس پر اس زور کا وار کیا کہ آپ ﷺ کے خود کے دو حلقے چہرہ مبارک میں دھنس گئے اور روئے اقدس خون سے گلنار ہو گیا پھر عبد اللہ بن حمید اسری ملعون آگے بڑھا تو حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے اُسے فی النار کر ڈالا۔ آنحضرت ﷺ تیروں کی بوچھاڑ اور تلواروں کے سائے میں تھے لیکن عزم و ہمت کا پیکر بنے ہوئے تھے۔ لڑائی کا سارا زور آپ ﷺ کے ارد گرد تھا۔ دشمن آپ ﷺ کو شہید کرنے کی سر توڑ کوشش کر رہا تھا لیکن آپ ﷺ کے جان نثار سیدہ سمر

① شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۶۶

تھے۔ حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ بھی اُن میں ایک تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر چلائے جانے والے تیروں کو اپنے سینے کی ڈھال پر روک رہے تھے یہاں تک کہ زخموں کی تاب نہ لا کر شہید ہو گئے۔ قمیہ لیشی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ آور ہوا تو حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ بیچ میں حائل ہو گئے اور سخت مقابلے کے بعد جامِ شہادت نوش فرمایا۔ ابنِ قمیہ نے سمجھا کہ اُس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کیا ہے پس وہ جوشِ مسرت میں اپنے رفیقوں کے ساتھ پلٹا اور ابوسفیان کے پاس ایک اونچی جگہ چڑھ کر چلایا، ”سنو! محمد صلی اللہ علیہ وسلم (صلی اللہ علیہ وسلم) شہید ہو گئے۔“^①

یہ افواہ افواج میں پھیلی تو مسلمان منموم اور مایوس ہو گئے جبکہ قریش نے اسے اپنی فتح سمجھتے ہوئے لڑائی سے ہاتھ روک لیا۔ یہ اُن کی ناقابلِ تلافی غلطی تھی کیونکہ مجاہدین نے مایوسی اور حزن و ملال کے اس عالم میں بھی ہتھیار نہیں ڈالے تھے اور جب اُنہیں معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیریت سے ہیں تو اُن کے تنِ مردہ میں جان پڑ گئی، شکستہ حوصلوں میں توانائی لوٹ آئی اور وہ سرفروشانہ انداز میں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔

شیعہ علماءِ جسم کے کسی حصے کی کمی کو خلافِ شانِ رسول سمجھتے ہیں چنانچہ اُن کی روایت یہ ہے کہ جنگ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی دانت شکستہ نہیں ہوا تھا بلکہ صرف چہرہ مبارک زخمی ہوا تھا۔^②

شیرِ خدا علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی شجاعت و استقامت

روایت ہے کہ جب مسلمانوں میں بھگدڑ مچ گئی اور وہ میدان سے فرار ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دشمن کے زرعے میں گھر گئے۔ اُس وقت امام علی علیہ السلام ایک متحرک سپہر کی مانند آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد گھومتے ہوئے آپ کی حفاظت کرنے لگے اور دشمنوں کو مار مار کر بھگانے لگے۔

علی علیہ السلام نے ایسی شمشیر زنی کی کہ تلوار تابِ جلال علی نہ لاسکی اور ٹوٹ گئی۔ بقول آپ نے

① شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۷۳ تا ۱۷۴

② علامہ علی نقوی، تاریخ اسلام، ص ۲۵۱ بحوالہ اعلام الوری

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ بہادر اپنے ہتھیار سے جنگ کرتا ہے اور میری تلوار ٹوٹ گئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تلوار ”ذوالفقار“ عطا کی اور فرمایا کہ اس سے جنگ کرو۔ شیر خدا نے ذوالفقار لے لی اور جو شخص بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھتا ہوا پایا اُسے جہنم رسید کر دیا۔ پھر آپ کوہ اُحد کی طرف بڑھے اور اُس پہاڑ کی جانب پشت کر لی تاکہ جنگ ایک ہی سمت سے ہو کیونکہ اُس وقت سوائے آپ کے کوئی بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہ تھا۔ آپ تمام وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شمشیر زن رہے یہاں تک کہ آپ کے بدن پر نوے زخم آئے اور بہت سا خون بہہ گیا لیکن پائے استقامت میں لغزش نہیں آئی اور برابر جہاد اور دفاع میں مصروف رہے۔^(۱)

جبرائیل علیہ السلام نے آپ کی جاں نثاری دیکھی تو باوازِ بلند کہا: ”لَا فَتْنِي إِلَّا عَلَى لَا سَيْفٍ إِلَّا ذُو الْفِقَارِ“ (علی علیہ السلام کے سوا کوئی جو انہر نہیں اور ذوالفقار کے سوا کوئی تلوار نہیں) ہر مسلک کے علماء اور ہر دور کے مؤرخین نے اُحد کے دن امام علی علیہ السلام کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا واحد یار اور مددگار قرار دیا ہے اور اُن کے جذبہ ایمانی اور ثابت قدمی کی بے حد تعریف کی ہے۔ اگرچہ دشمن کا محاصرہ تنگ ہو رہا تھا اور وہ پوری قوت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک آرہے تھے لیکن علی علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سینہ سپر تھے جس کی وجہ سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک نہیں پہنچ پارہے تھے۔ تب انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سنگ باری شروع کر دی۔ ایک پتھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی مبارک پر آگیا جس سے گہرا زخم آگیا اور خون بہنے لگا۔ دوسرا پتھر بدبخت عتبہ بن ابی وقاص کے ہاتھوں چہرہ اقدس پر لگا جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو دندان مبارک شہید ہو گئے اس کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوش اقدس پر تلوار کا وار بھی کیا گیا لیکن وہ وار کارگر ثابت نہ ہوا۔ تاہم دشمنوں کے ہاتھوں یہ تمام تکالیف اٹھانے کے باوجود عظیم الشان پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے

^(۱) علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء)، حیات القلوب، ج ۲ ص ۵۶۵

لب ہائے مبارکہ بددعا کے لیے وانہ کیے بلکہ خدا تعالیٰ سے اُس قوم کی ہدایت اور نجات کی دعا فرمائی۔^①

مدارج النبوت میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی صاحب لکھتے ہیں، ”منقول ہے کہ جب مسلمانوں کو ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا اور وہ حضور اکرم ﷺ کو تنہا چھوڑ گئے تو حضور اکرم ﷺ جوش میں آئے اور آپ ﷺ کی پیشانی مبارک سے پسینہ متقاطر ہوا۔ اس حالت میں آپ ﷺ نے علی ابن ابی طالب علیہ السلام کو ملاحظہ فرمایا کہ آپ ﷺ کے پہلوئے مبارک میں کھڑے ہیں۔ فرمایا، ”یا علی! تم اپنے بھائیوں کے ساتھ کیوں نہیں مل گئے؟“ (یعنی تم کیوں فرار نہیں ہو گئے؟) حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام نے عرض کیا، ”لَا كُفْرَ بَعْدَ الْإِيمَانِ إِنَّ لِي بِكَ أَسْوَأَ“ (ایمان کے بعد کفر نہیں ہے، بے شک میرے لیے آپ ﷺ ہی کی اقتدا ہے) مطلب یہ کہ مجھے تو آپ ﷺ سے سروکار ہے، اُن ساتھیوں سے نہیں جو غنیمت کے درپے ہو گئے اور ہزیمت میں مبتلا ہو گئے۔ عین اُسی لمحے کافروں کی ایک جماعت حضور اکرم ﷺ کی جانب حملہ آور ہوئی۔ فرمایا، ”یا علی (علیہ السلام)! اس ٹولی سے میری حفاظت و خدمت کا حق بجالاؤ کیونکہ یہی وقتِ نصرت ہے۔“ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اُس جماعت کی طرف متوجہ ہوئے اور سید عالم ﷺ کے گرد سے اُن کا گھیرا توڑ کر انہیں منتشر کر دیا اور بہت سوں کو واصلِ جہنم کیا۔ اربابِ سیر بیان کرتے ہیں کہ جب علی مرتضیٰ علیہ السلام نے کمال بہادری دکھائی اور حضور اکرم ﷺ کی نصرت کی تو جبرائیل علیہ السلام نے حضور اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ علی مرتضیٰ (علیہ السلام) نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ کمال بہادری و جواں مردی دکھائی ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا، ”إِنَّهُ مِيعَةٌ وَأَنَا مِنْهُ“ (بلاشبہ یہ میرے ہیں اور میں ان کا ہوں)۔ حدیث میں ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ نے یہ کلمہ ارشاد فرمایا تو جبریل علیہ السلام نے عرض کیا، ”وَأَنَا مِنْكُمْ“ (اور میں آپ

① سید محمد صفحی، حکایات القرآن، طبع جامعہ تعلیمات اسلامی پاکستان

دونوں کا ہوں)۔ روایت ہے کہ اُس وقت لوگوں نے غیب سے ایک آواز سنی ”لَا فَتَى إِلَّا عَلِيٌّ لَا سَيْفَ إِلَّا ذُو الْفِقَارِ“ (کوئی جو امر نہیں بجز علی کے اور کوئی تلوار نہیں بجز ذوالفقار کے) ^①

”معارج النبوة“ اور ”كشف الغبه“ میں اس کے واقعہ کے آخر میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اے علی! تم نے اپنی تعریف سنی جو رضوان نامی فرشتہ کر رہا تھا؟ وہ کہتا تھا، ”لَا فَتَى إِلَّا عَلِيٌّ لَا سَيْفَ إِلَّا ذُو الْفِقَارِ“ اور ”روضة الاحباب“ میں منقول ہے کہ یہ حدیث اُسی طریقہ سے بعض اکابر محدثین سے مروی ہے اور اہل سیر نے اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے۔ الغرض حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے مقابلہ و محاربہ اور مجادلہ و شجاعت کا ایسا حق ادا کیا کہ اس سے زیادہ تصور نہیں کیا جاسکتا۔ ^②

اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور کے سابق وائس چانسلر ڈاکٹر نصیر احمد ناصر لکھتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام نے خاص طور پر بہادری کے وہ جوہر دکھائے کہ دیکھنے والے دنگ رہ گئے۔ ^③

مروی ہے کہ جنگ میں سید المرسلین ﷺ زخمی ہوئے تو امیر المومنین علیہ السلام اور سیدۃ النساء العالمین علیہا السلام آپ ﷺ کے رُوئے مبارک سے خون صاف کرتے تھے۔ حضرت علی علیہ السلام پانی لے کر آتے اور جناب سیدہ فاطمہ زہرا علیہا السلام والد گرامی کا خون دھوئیں۔ نماز ظہر کا وقت ہوا تو حالت جنگ اور زخمی ہونے کے باوجود آپ ﷺ نماز کے لیے تیار ہو گئے۔ فضا خونیں اور دہشتناک تھی، دشمن ابھی میدان جنگ میں موجود تھا مگر آپ ﷺ اپنے باقی ماندہ مجاہدین کے ساتھ اپنے پروردگار کے حضور سر بسجود تھے۔ رزم ہوتی یا بزم، غم و اندوہ ہوتا یا مسرت و شادمانی کا عالم، آپ ﷺ نہ تو اپنے معبود برحق کو بھول سکتے تھے اور نہ ہی کبھی بھولے۔

① شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۶۶

② شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۶۷

علی بن عیسیٰ اربیلی (متوفی ۶۹۴ ہجری)، كشف الغبة

③ ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم ﷺ، ص ۵۱۰

انحسام

مؤرخین لکھتے ہیں کہ نامراد کفارِ صحنِ معرکہ میں ادھر ادھر کتوں کی مانند دوڑ رہے تھے۔ وہ سیر و تفریح، رجز خوانی اور خوشی و شادمانی کا اظہار کر رہے تھے۔ اُن کی عورتیں مثلاً ہندہ وغیرہ مسلمان شہیدوں کے پاس آئیں اور حضرت حنظلہ ؓ کے سوا تمام شہیدوں کا مثلہ کرنے لگیں۔ وہ اُن کے شکم چاک کرتیں، کلیجے نکالتیں، ناک کان کاٹتیں، ڈوریوں میں پرو کر کرہا بناتیں اور اپنے گلوئے نا ہنجار اور ناپاک ہاتھوں میں پہنتیں۔ حضرت حنظلہ ؓ کے مثلہ نہ کرنے کا سبب یہ تھا وہ ابو عامر راہب کے بیٹے تھے جو مشرکوں میں سے تھا۔^①

اتناسب کچھ ہو جانے کے باوجود چند اہل ایمان ثابت قدم بھی تھے اور رحمت الہی کے منتظر بھی جیسی قادرِ مطلق نے ہاری ہوئی جنگ کو اپنے بندوں کے حق میں پلٹ کر اُنہیں فتح سے ہمکنار کر دیا۔ تاریخ کے قارئین جانتے ہیں کہ جنگ کی ہارجیت کا انحصار فریقین کے مجموعی طور پر ہونے والے جانی نقصان پر نہیں ہوتا بلکہ دشمن کے سرداروں اور علمبرداروں کی موت یا پسپائی اور مقاصدِ جنگ میں کامیابی کے حصول پر ہوتا ہے۔ اس جنگ میں ستر مہاجرین اسلام درجہ شہادت پر فائز ہوئے جن میں حضرت حمزہ ؓ جیسے مرد میدان کا نام نمایاں ہے۔ دوسری طرف کفار کا اگرچہ زیادہ جانی نقصان نہیں ہوا تھا لیکن ابوسفیان کے سوا اُن کے تمام علمبردار اور سردار جہنم رسید ہوئے تھے اور جو فوج باقی رہ گئی تھی وہ فوج نہیں محض عوام کی ایک غیر منظم بھیڑ بن گئی تھی۔

اگرچہ مسلمانوں نے ابتدا میں فرار ہو کر اور بھاری جانی نقصان اٹھا کر تاریخ کو اپنا گواہ تو بنالیا تھا لیکن چند مومن جو ثابت قدم رہے اُن کی جانفشانی کے انعام کے طور پر اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت کے طفیل فتح بالآخر اسلام کی پیشانی کا جھومر بنی۔

جنگ ختم ہو چکی تھی۔ شکست کے بعد ابوسفیان ہارے ہوئے جواری کی طرح ادھر ادھر نا کام و نامراد پھر رہا تھا۔ وہ ایک پہاڑ پر چڑھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نظر پڑی تو اپنی خجالت کو چھپانے

① شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۷۶

کی خاطر نعرہ لگایا، ”اے ہبل تو بلند رہے۔“ رسول اللہ ﷺ کے حکم پر صحابہ کرام ؓ نے بھی جوابی نعرہ بلند کیا، ”اللہ بلند اور جلیل ہے۔“ ابوسفیان بولا، ”ہمارے لیے عزیٰ ہے تمہارے لیے عزیٰ نہیں ہے۔“ صحابہؓ بولے، ”اللہ ہمارا مددگار ہے تمہارا کوئی مددگار نہیں۔“ پھر ابوسفیان نے چیلنج دیا کہ آئندہ سال بدر میں پھر ہمارا تمہارا مقابلہ ہوگا۔ حضور ﷺ نے اُس کا چیلنج قبول فرمایا اور ایک صحابی کے ذریعے جواب دیا کہ ٹھیک ہے یہ بات ہمارے تمہارے درمیان طے ہوگئی۔^(۱)

یہ جواب سُن کر ابوسفیان اپنے لشکر کو لے کر پلٹ گیا۔ اُس کا منصوبہ ناکام ہو چکا تھا جس کا اُسے احساس ہو گیا۔ قریش نہ تو رسول اللہ ﷺ کو شہید کرنے میں کامیاب ہوئے تھے اور نہ ہی مسلمانوں کو شکستِ فاش دے کر ہلاک و اسیر کر سکے تھے۔

اگلے دن آنحضرت ﷺ نے قریش کے تعاقب کا فیصلہ کیا۔ مجاہدین نے اس پر لبیک کہا اور ایک نئے ولولے اور عزم کے ساتھ آپ ﷺ کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔ اُسی روز شام کو آپ ﷺ نے حراء الاسد میں پڑاؤ ڈالا اور لشکر کی حفاظت کے لئے سخت انتظامات کیے تاکہ دشمن شبخون نہ مار سکے۔ صبح ہوئی تو آپ ﷺ نے ایک مضبوط دفاعی مورچہ قائم کیا اور مجاہدین کی صف بندی فرمائی۔ مومنین کے دل قوتِ ایمانی سے سرشار تھے اور اُن کا جذبہٴ جہاد اپنے عروج پر تھا چنانچہ جب وہ صفِ آراء ہوئے تو ہیبت و طاقت کا ایک فقید المثل نظارہ پیش کر رہے تھے۔ ادھر ابوسفیان مسلمانوں کے مکمل استیصال کے لیے بھرپور تیاری کیے بیٹھا تھا اور سوچ رہا تھا کہ اب کے زبردست حملہ کر کے مسلمانوں کا صفایا کر دوں گا۔ اُسے مجاہدین کے حراء الاسد میں اس طرح صفِ آراء ہونے کی خبر ملی تو اُس کا دل بیٹھ گیا اور وہ خوف اور مایوسی کے عالم میں بے نیل و مرام مکہ لوٹ گیا۔^(۲)

^(۱) ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری، ج ۲ حصہ اول ص ۱۸۸

^(۲) ذاکر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبرِ اعظم و آخرِ مَآلِیٰ ﷺ ص ۵۱۷

ابن ہشام (متوفی ۸۳۳ء)، سیرۃ ابن ہشام، ج ۲ ص ۱۷۲

جب مشرکین مکہ لوٹ گئے تو بعض صحابہ کے دلوں میں خدشہ پیدا ہوا کہ مبادا وہ لوٹ کر مدینہ منورہ پر حملہ کر دیں۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا کہ وہ دشمنوں کے تعاقب میں جائیں اور تسلی کریں۔ حضرت علی علیہ السلام نے اُن کا تعاقب کیا اور یہ خبر لائے کہ مشرکین مکہ کی طرف چلے گئے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے یہ سُن کر فرمایا کہ آج کے بعد کفار قریش کبھی بھی کامیاب نہ ہوں گے اور انشا اللہ ہمیں مکہ مکرمہ کی فتح نصیب ہوگی۔^①

تاریخ طبری میں اس کی تفصیل یوں بیان کی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے علی ابن ابی طالب (علیہ السلام) کو حکم دیا کہ تم مشرکین کے پیچھے جا کر دیکھو کہ وہ کیا کر رہے ہیں اور آئندہ کیا چاہتے ہیں؟ اگر اُنہوں نے گھوڑوں کو قتل (بغیر سوار کے خالی گھوڑے) ساتھ لیا ہو اور خود اُونٹوں پر سوار ہوں تو سمجھ لینا کہ اب وہ مکہ پلٹ رہے ہیں اور اگر اس کے برعکس وہ گھوڑوں پر سوار ہوں اور اُونٹوں کو خالی ساتھ لے جا رہے ہوں تو سمجھ لینا کہ اُن کا ارادہ مدینہ کا ہے۔ قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر وہ مدینہ کا رخ کریں گے تو میں فوراً مدینہ پہنچ کر اُن سے لڑوں گا۔ علی علیہ السلام کہتے ہیں کہ حسبِ حکم میں اُن کے پیچھے چلا کہ دیکھوں وہ کیا کرتے ہیں؟ جب میں نے دیکھا کہ اُنہوں نے گھوڑوں کو قتل کر دیا ہے اور اُونٹوں پر سوار ہو گئے ہیں تو میں نے سمجھ لیا کہ اب وہ مکہ جا رہے ہیں۔^②

رسول اللہ ﷺ کا جہاد

اگرچہ رسول اللہ ﷺ حاملِ معجزات و کرامات تھے مگر آپ ﷺ عام حالاتِ زندگی میں اپنی قوتِ اعجاز سے کام لینا پسند نہیں فرماتے تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو تیرہ سالہ کی دور میں کفار آپ ﷺ کو طرح طرح کی اذیتیں دینے میں کامیاب نہ ہو سکتے اور نہ ہی جنگِ اُحد میں کوئی

① شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۷۷

② ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری، ج ۲ حصہ اول ص ۱۸۸

زخم جسم اطہر پر آسکتا۔ اس لئے آپ ﷺ نے جنگ میں اپنی مدافعت بھی فرمائی اور اس مقصد کے لئے اسلحے کا استعمال بھی کیا۔ آپ ﷺ کی شریعت میں بھی کوئی حکم ایسا نہیں تھا جو جنگ میں مدافعتانہ طور پر اسلحے کے استعمال میں مانع ہوتا، بلکہ اسلام میں تو جہاد ایک اہم اصول کی حیثیت رکھتا ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے بنفس نفیس جہاد بھی کیا۔ اس ضمن میں روایت ہے کہ جنگِ اُحد میں ایک مشرک ابی بن خلف آپ ﷺ کو شہید کرنے کے ارادے سے آپ ﷺ کی طرف بڑھا۔ آپ ﷺ نے اُس کی گردن پر نیزہ مارا، اُسے معمولی زخم آیا مگر وہ ہلاک ہو گیا۔

طبری میں اس روایت کی تفصیل یوں بیان کی گئی ہے، ”ابن شہاب الزہری سے مروی ہے کہ شکست اور رسول اللہ ﷺ کی شہادت کی خبر مشہور ہو جانے کے بعد جب مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ آپ ﷺ موجود ہیں تو وہ آپ ﷺ کے پاس آگئے۔ آپ ﷺ اُن کی معیت میں درّے کی طرف روانہ ہوئے اور جب آپ ﷺ درّے میں جا کر بیٹھ گئے تو ابی بن خلف یہ کہتا ہوا آپ ﷺ کے پاس پہنچا کہ محمد (ﷺ) کہاں ہیں؟ میں ہلاک ہو جاؤں اگر وہ زندہ بچ جائیں۔ صحابہؓ نے آپ ﷺ سے کہا کہ آپ ﷺ حکم دیں تو ہم آپ ﷺ کو حفاظت کی خاطر اپنی آڑ میں لے لیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، نہیں، اس کی ضرورت نہیں، اُسے آنے دو۔ جب وہ قریب آیا تو رسول اللہ ﷺ نے حارث بن الصممؓ کا بھالا اٹھایا۔ راوی کہتا ہے کہ اُس موقع پر بعض لوگوں سے یہ بات بھی نقل ہوئی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے بھالا اٹھایا تو ایک بجلی سی کوند گئی اور ہم اس طرح جھرجھرائے جس طرح کہ اونٹ جھرجھری لیتا ہے اور اُس کے روئیں جھڑ جاتے ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے اُس کے سامنے جا کر وہ بھالا (نیزہ) اُس کی گردن پر مارا جس سے وہ کئی مرتبہ اپنے گھوڑے پر چکر کھا گیا۔ پھر وہ قریش کی طرف پلٹ گیا۔ رسول اللہ ﷺ کے نیزے سے اُسے معمولی سی خراش آئی تھی مگر وہ کہنے لگا، ”بخدا محمد (ﷺ) نے مجھے مار ڈالا۔“ قریش نے اُسے سمجھایا کہ بلا وجہ خوف سے تیرا دم نکلا جا رہا ہے، تیرا زخم مہلک نہیں

ہے۔ اُس نے کہا کہ جب محمد (ﷺ) مکہ میں تھے تو انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ میں تجھ کو قتل کروں گا، اس لئے اگر وہ مجھ پر تھوک ہی دیتے تو مجھے ہلاک کر دیتے یا بقولے اُس نے کہا کہ اگر محمد (ﷺ) میرے منہ پر کھجور کی گٹھلی ہی مار دیتے تو بھی میں مارا جاتا، پس، جب قریش اُسے واپس مکہ لے جا رہے تھے تو اُس دشمن خدا کا راستے ہی میں کام تمام ہو گیا۔ عبدالرحمن بن عوف سے مروی ہے کہ اس واقعہ سے پہلے وہ رسول اللہ ﷺ سے جب ملتا تھا تو کہا کرتا تھا کہ اے محمد (ﷺ)! میں اپنے گھوڑے عود کو روزانہ دے ہوئے جو کھلا رہا ہوں تا کہ اس پر سوار ہو کر آپ (ﷺ) کو قتل کروں۔ اُس کے جواب میں آپ (ﷺ) فرماتے کہ انشاء اللہ میں ہی تجھے قتل کروں گا۔^①

میں نے جب تاریخ کی کتابوں میں رسول اللہ ﷺ کے دستِ مبارک سے ایک کافر کے قتل ہونے کا واقعہ پڑھا تو اُلجھ کر رہ گیا اور بہت دیر تک اس پر غور و فکر کرتا رہا۔ رسول اللہ ﷺ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا اور بے شک آپ (ﷺ) بلا تفریق مذہب و ملت تمام انسانوں بلکہ حیوانوں کے لئے بھی سراپا رحمت ہیں تو آپ (ﷺ) کے دستِ مبارک سے ایک انسان کا قتل ہو جانا میرے خیال کم مایہ میں نہیں سمارہا تھا۔ تا دیر مختلف قسم کی تاویلات سے دست و گریبان رہنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ کئی کام ایسے بھی تو ہیں جو رسالتِ مآب ﷺ نے انجام نہیں دیے جبکہ وہ مستحب تھے یا پھر اُن میں کوئی شرعی رکاوٹ بھی حائل نہیں تھی جیسے آپ (ﷺ) نے کبھی اذان نہیں دی، یا اپنی کسی زوجہ کو طلاق نہیں دی۔ ان دونوں افعال کی تاویل یہ ہے کہ آپ (ﷺ) اگر اذان دیتے تو جس جس کی سماعت تک اُس اذان کے کلمات پہنچتے اُس کا نماز کے لئے آپ (ﷺ) کی طرف چلے آنا واجب ہو جاتا چاہے وہ جس حالت میں ہوتا اور جو بھی عذر مانع ہوتا۔ بالفاظ دیگر حکمِ نبی ﷺ بجالانا اُس کے لئے ضروری ہوتا، پس آپ (ﷺ) نے

① ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری، ج ۲ حصہ اول ص ۱۸۴

شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۱۷۵

اُمت کی آسانی کے لئے اذان نہیں دی۔ دوسرا آپ ﷺ نے کسی بیوی کو طلاق نہیں دی جس کی وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ اگر آپ ﷺ ایسا کرتے تو طلاق کا عمل سنتِ رسول ﷺ بن جاتا جسے لوگ اپنے مقاصد کے لئے یا بلا وجہ ہی محض اس لئے بخوشی اور متواتر انجام دیتے کہ یہ سنتِ رسول ﷺ ہے، اس طرح معاشرتی نظام درہم برہم ہو کر رہ جاتا۔ اس دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ معاملہ سمجھنے میں قدرے آسان ہو جاتا ہے یعنی رسول گرامی ﷺ کا کسی عمل کو انجام دینا یا اُس سے اجتناب کرنا اُمتِ رسول ﷺ کے لئے ایک نمونہ ہے۔ پس اگر آپ ﷺ جنگ میں دشمن پر حملہ نہ کرتے یا اپنا دفاع نہ کرتے تو اُمتِ مسلمہ کے لئے یہ عمل بھی سنتِ رسول ﷺ بن جاتا اور مجاہدین لڑنے سے گریز کرتے اور ایسی صورت میں جہاد کا تصور ہی ختم ہو کر رہ جاتا۔ چنانچہ میرے نزدیک آپ ﷺ کا یہ عمل بھی اتمامِ حجت کے طور پر ہوگا۔ اس خیال کو تقویت مندرجہ بالا روایت کا بغور مطالعہ کرنے سے بھی ہوتی ہے جس میں بہت واضح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ نے ابی بن خلف کو نیزہ اس طرح مارا کہ اُس کی گردن پر معمولی سی خراش آئی اور قریش نے اُسے کہا کہ بخدا تجھے ایسا مہلک زخم نہیں آیا جس سے تُو مر جائے۔ لیکن اس کے باوجود وہ مر گیا۔ اب وہ مرا کیسے؟ ممکن ہے کہ وہ اُس ضرب سے نہ مرا ہو جو نبی رحمۃ اللعالمین ﷺ نے لگائی تھی بلکہ اللہ نے اُسے اپنے فرشتوں کے ذریعے مارا ہو جیسا کہ بدر میں ہوا، اور اس طرف گمان اس لئے جاتا ہے کہ ابی بن خلف کو لگنے والی ضرب کے متعلق صحابہ کرام کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے بھالا اٹھایا تو ایک بجلی سی کوند گئی اور ہم اس طرح جھرجھرائے جس طرح کہ اُونٹ جھرجھری لیتا ہے اور اُس کے رونیں جھڑ جاتے ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے اُس کے سامنے جا کر وہ بھالا (نیزہ) اُس کی گردن پر مارا جس سے وہ کئی مرتبہ اپنے گھوڑے پر چکر کھا گیا۔ بجلی کا کوندنا، لوگوں کا جھرجھری لینا اور ابی بن خلف کا ایک معمولی ضرب کے باوجود کئی مرتبہ گھوڑے پر چکر کھانا بالکل وہی کیفیت ہے جو بدر میں ملائکہ کی آمد پر نظر آتی ہے۔ (واللہ اعلم)

نبی ﷺ اور علی علیہ السلام کی تلواریں حضرت فاطمہ علیہا السلام کے سپرد حضرت رسول اللہ ﷺ جنگ سے واپس تشریف لائے تو اپنی تلوار حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کے سپرد کی، جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام نے بھی رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرتے ہوئے اپنی تلوار جناب زہرا علیہا السلام کے سپرد کی اور فرمایا کہ بخدا آج اس نے میرے ساتھ خوب وفاداری کی۔ اُس موقع پر حضرت علی علیہ السلام نے یہ اشعار بھی کہے: ^①

افاطمہا کالسیف غیر ذمیم فلست برعید ولا بملیم
اے فاطمہ (علیہا السلام)! یہ تلوار جو جس سے مجھے کوئی شکایت نہیں
اور نہ ہی میں بزدل اور نکما ہوں

لعمری لقد قاتلت فی حب احمد وطاعة رب بالعباد رحیم
قسم ہے میری جان کی میں احمد (ﷺ) کی محبت

اور اپنے رب کی اطاعت میں جو اپنے بندوں پر رحیم ہے، لڑا

وسیفی بکفی کالشہاب اهزه اجذبه من عاتق وضمیم

اس حال میں کہ تلوار میرے ہاتھ میں روشن ستارے کی طرح تھی

جسے میں چلا رہا تھا اور اس سے کاندھوں اور پسلیوں کو قطع کر رہا تھا

فما ذلت حتی فضی ربی جموعهم وحقی شفینا نفس کل حلیم

میں اسی طرح شمشیر زنی کرتا رہا یہاں تک کہ میرے رب نے اُن کی جماعت کو پراگندہ کر دیا اور

ہم نے ہر حلیم شخص کے دل کو دشمن کے قتل سے ٹھنڈا کر دیا

^① ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری، ج ۲ حصہ اول ص ۱۹۲

واقعاتی تسلسل سے متعلق ایک اہم وضاحت

جنگ اُحد کے حالات کا بار یک بینی سے جائزہ لینے پر واقعاتی تسلسل کا فقدان واضح طور پر محسوس ہوتا ہے۔ کبھی تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حمزہ ؓ جنگ کے ابتدائی حصہ ہی میں شہید ہو گئے تھے اور کبھی لگتا ہے کہ دوسرے حصے میں شہید ہوئے۔ اسی طرح بعض اوقات یہ نظر آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کفار کے زرخے میں تنہا کھڑے ہیں اور پہلے ابو دجانہ انصاری ؓ اور بعد میں ایک خاتون اُم عمارہ انصاریہؓ، آپ ﷺ کی حفاظت کا فریضہ انجام دیتے ہیں اور کبھی یہ دکھائی دیتا ہے حضرت علی ؓ اور چند اور جانبا ز آپ ﷺ کے آگے سینہ سپر ہیں۔ اس واقعاتی تضاد کی وجہ سے روایات معتبر نظر نہیں آتیں جبکہ حقیقت یہ نہیں ہے، روایات قابل اعتبار ہیں لیکن انہیں بیان کرنے کا انداز صحیح نہیں ہے۔

معروف تاریخ نگار علامہ علی نقوی صاحب لکھتے ہیں، ”سابق زمانہ کے مورخین کی یہ عادت نہ تھی کہ واقعہ کو مسلسل لکھیں۔ راویوں سے جو منتشر طور پر بیانات ملتے تھے انہیں پاشان و پریشاں طریقہ پر درج کر دیتے تھے۔ راویوں نے بھی زیادہ تر تسلسل کے ساتھ پورا واقعہ بیان نہیں کیا بلکہ حسب موقع واقعہ کے جس جزو کے بیان کی جس وقت ضرورت محسوس ہوئی بس اتنا بیان کر دیا۔ اب بعد کے مورخین کو وہ سب بیانات یکجا ملتے ہیں تو ان میں ترتیب قائم کرنے میں بڑی دقت محسوس ہوتی ہے اور اسی بے ترتیبی سے بعض اوقات واقعات میں تضاد محسوس ہوتا ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ کے پاس کچھ آدمی موجود ہیں، کہیں پر یہ معلوم ہوتا ہے آپ ﷺ کے آس پاس کوئی بھی نہیں ہے۔ ساتھ کے آدمیوں میں کبھی زیادہ تعداد نظر آتی ہے اور کبھی بہت مختصر۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ واقعہ کے بیان میں کوئی اختلاف کی صورت نہیں ہے بلکہ جنگ بگڑنے کے بعد یکے بعد دیگرے جنگ کے مختلف دور سامنے آئے ہیں۔ پہلا دور وہ ہوگا جس میں اکثریت کے قدم اٹھ گئے مگر حضرت علی بن ابی طالب ؓ کے ساتھ ابو دجانہ انصاریؓ، حضرت حمزہؓ اور شاید ڈیڑھ دو

سومجاہدین ابھی مصروف پیکار تھے جس کی قطعی دلیل شہدائے اُحد کی تعداد ہے جو متفق علیہ حیثیت رکھتی ہے یعنی ستر آدمی مسلمانوں میں سے شہید ہوئے۔ اگر یہ مانا جائے کہ پورے اسلامی لشکر نے فرار اختیار کیا تو آخر یہ مجاہدین کیونکر قتل ہوئے؟ ماننا پڑتا ہے کہ ایک معتدبہ (کثیر) تعداد ایسی تھی جو مصروف جہاد رہی اور اُن کی دیکھا دیکھی بہت سے لوگ ابھی نتیجہ کے انتظار میں تذبذب کے عالم میں ہوں گے اور یہ وہ دور تھا جس میں براہ راست پیغمبر خدا ﷺ پر حملے نہیں ہو رہے ہوں گے اور نہ آپ ﷺ کے جسم مبارک کے زخمی ہونے کی نوبت آئی ہوگی۔ اس کے بعد دوسرا دور وہ ہوگا جب جانباز مجاہدین کی شہادت کی وجہ سے رفتہ رفتہ اُن کی تعداد تیزی سے کم ہوتی گئی ہوگی۔ اس طرح وہ منزل آئی کہ اب پیغمبر ﷺ کے پاس اتنے سپاہی نہیں رہ گئے تھے جن کی وجہ سے آپ ﷺ حملوں سے محفوظ رہ سکیں، اُس وقت ایک موقع وہ آیا ہوگا جب مردانِ میدان میں آپ ﷺ کے بالکل قریب ابودجانہ انصاریؓ تھے اور اب اُن کو بجائے دشمنوں سے بڑھ بڑھ کے جنگ کرنے کے یہی صورت جاں نثاری کی نظر آئی کہ وہ رسول ﷺ کے سامنے سپر بن کر کھڑے ہو جائیں جس کا تذکرہ پہلے آچکا ہے۔ پھر ابودجانہؓ کی شہادت کے بعد وہ وقت آیا ہوگا جب اُم عمارہؓ کو اس کی ضرورت پڑی ہوگی کہ وہ پیغمبر ﷺ کی سپر بن کر دشمنوں کا دفعیہ کریں مگر ظاہر ہے کہ ایک خاتون کا بس کثیر التعداد دشمنوں کے سامنے کہاں چل سکتا تھا۔ اُدھر میدان جہاد میں ایک حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام رہ گئے تھے، وہ دشمنوں سے لڑنے میں مصروف تھے اور ادھر رسول خدا ﷺ تھے جواب دشمنوں کے حملہ کا مرکز بن گئے تھے۔^①

جنگ میں مسلمان خواتین کی خدمات

جنگ اُحد میں مسلمان خواتین نے بھی اپنی بساط کے مطابق حصہ لیا اور جذبہ انسانی و ایمانی سے سرشار ہو کر ایسی خدمات انجام دیں جو مستقبل کے لیے مشعلِ راہ بن گئیں۔ اس جنگ میں مجاہدین

① علامہ علی نقوی، تاریخ اسلام، ص ۲۴۸

بڑی تعداد میں زخمی یا شہید ہوئے تھے۔ بقولے، شہداء کی تعداد ستر اور زخمیوں کی چالیس تھی۔ جب اس کی خبر مدینہ منورہ پہنچی تو مسلمان خواتین سے نہ رہا گیا اور وہ اپنے دینی بھائیوں کی مدد کرنے میدانِ جنگ میں پہنچ گئیں۔ وہ زخمیوں کی مرہم پٹی کرتیں، پانی پلاتیں اور ان کی خدمت اور دیکھ بھال کرتیں۔ ان خواتین میں جناب سیدۃ النساء العالمین حضرت فاطمہ الزہراء علیہا السلام سب سے نمایاں تھیں۔ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ ”نرسنگ“ کی بانی فلورنس نائٹنگ ایل (Florence Nightingale) تھی (پیدائش ۱۲ مئی ۱۸۲۰ء اٹلی۔ وفات ۱۳ اگست ۱۹۱۰ء برطانیہ)، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس تحریک کا سنگ بنیاد دراصل خاتونِ جنت سیدۃ النساء العالمین حضرت فاطمہ الزہراء علیہا السلام نے جنگِ احد میں رکھا تھا۔

جاں نثارانِ احد کا مختصر تذکرہ

حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام

آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وفادار بھائی اور جاں نثار وزیر تھے۔ آپ علیہ السلام نے آغوشِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں آنکھ کھولی اور سایہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں پرورش پائی۔ ہمیشہ نبی گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے سر تسلیم خم رہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لئے سینہ سپر رہے۔ احد میں آپ کے کارناموں کا تفصیلی ذکر اوپر آچکا ہے۔

حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ

حضرت امیر حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے۔ اپنے بھائی حضرت ابوطالب علیہ السلام کے بعد ہمیشہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ڈھال بنے رہے۔ ان کی موجودگی میں قریش کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف میلی آنکھ سے دیکھنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ احد میں جن تین افراد کی شجاعت تاریخ کے اوراق پر سنہری حروف میں رقم ہے، اُن میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا نام بہت نمایاں ہے۔ ایک سیاہ فام غلام نے جس کا نام وحشی ابو سوسہ تھا، چھپ کر وار کیا جس سے ان کی شہادت ہوئی۔

حضرت امیر حمزہ ؑ کی شہادت کا پس منظر

حضرت امیر حمزہ ؑ ایک عام سپاہی کی طرح میدانِ جنگ میں لڑتے ہوئے اتفاقاً شہید نہیں ہوئے تھے، مؤرخین لکھتے ہیں کہ اُن کی شہادت کے پیچھے ایک گہری سازش تھی جسے ابوسفیان کی بیوی ہندہ بنت عتبہ اور جبیر بن مطعم نے تیار کیا تھا۔ اُن دونوں کو جنگِ بدر میں اپنے اقرباء کے مارے جانے کا شدید غم و غصہ تھا جس کی بنا پر انہوں نے جبیر بن مطعم کے غلام وحشی ابووسمہ بن حرب کو لالچ دے کر تیار کیا کہ وہ مسلمانوں کی تین اہم ترین شخصیات، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، امیر المومنین علی علیہ السلام اور حضرت حمزہ بن عبدالمطلب ؑ میں سے کسی ایک کو قتل کرے گا تو اُسے آزاد کر دیا جائے گا۔^① وحشی ابووسمہ ایک خطرناک ہتھیار ”حربہ“ کے استعمال میں بہت مہارت رکھتا تھا اور اُس کا نشانہ کبھی خطا نہیں ہوتا تھا۔

جبیر کا چچا طعیمہ جنگِ بدر میں جناب علی بن ابی طالب علیہ السلام کے ہاتھوں قتل ہوا تھا۔ اُس نے وحشی سے کہا کہ تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے چچا کو میرے چچا طعیمہ کے بدلے میں قتل کر دو میں تمہیں آزاد کر دوں گا۔ ہندہ بنت عتبہ کا یہ حال تھا کہ جب وہ وحشی کے پاس سے گزرتی یا وہ اُس کے پاس سے گزرتا تو اُسے کہتی، ”اے ابووسمہ! تو میرا دل ٹھنڈا کر اور اپنا بھی“۔^②

”بخاری“ میں جعفر بن عمر بن أمیہ ضمری سے مروی ہے کہ وہ اور عبید اللہ بن عدی سفر میں تھے کہ حمص سے گذرتے ہوئے اُس وحشی کے ہاں گئے جس نے حضرت حمزہ ؑ کو شہید کیا تھا۔ انہوں نے وحشی سے کہا کہ تم ہمیں حضرت حمزہ ؑ کی شہادت کے بارے میں کچھ بتاؤ۔ وحشی نے کہا، ”حمزہ نے طعیمہ بن عدی کو بدر میں مار ڈالا تھا اُس پر میرے مالک جبیر بن مطعم نے کہا کہ اگر تو حمزہ کو میرے چچا کے بدلے میں قتل کر دے تو میں تجھے آزاد کر دوں گا۔ پس جنگ کے دن میں ایک بڑے

① آیت اللہ جعفر سبحانی، دی میسج (The Message)، باب ۳۲

② ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری، ج ۲، ص ۱۷۴

پتھر کی اوٹ میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ جب حمزہ میرے قریب سے گزرے تو میں نے اپنا حربہ اُن پر پھینکا۔ میں نے ناف اور عافہ کے درمیان نشانہ لگایا تھا یہاں تک کہ وہ اُن کی رانوں کے درمیان سے نکل گیا اور اُن کے لئے جان لیوا ثابت ہوا۔“

ارباب سیر بیان کرتے ہیں جب وحشی طعیمہ بن عدی کے کہنے پر اُحد کی طرف چلا تو راہ میں ہندہ بنت عتبہ زوجہ ابوسفیان ملی۔ وہ وحشی کے پاس پہنچی اور کہا کہ جب تک تُو ہماری خاطر داری نہ کریگا تجھے آزادی نہیں ملے گی، میں بھی تجھے بہت کچھ دوں گی کیونکہ میرے باپ عتبہ کو روز بدر حمزہ نے ہی مارا تھا۔ وحشی کہتا ہے کہ میں نے میدانِ جنگ میں حمزہ کو دیکھا کہ وہ شیر مست کی مانند اپنی قوم سے نکل کر آرہے ہیں اور لشکرِ قریش کی صفوں کو درہم برہم کر رہے ہیں۔ پھر سباع بن عبدالعزیٰ خزاعی کفار کی صفوں سے نکل کر آیا اور اپنا مقابل مانگا۔ حمزہ اُس کے مقابل ہوئے اور اُسے مار ڈالا۔ میں ایک پتھر کی اوٹ میں گھات لگائے بیٹھا تھا۔ میں حربہ خوب چلاتا ہوں اور میرا نشانہ کم ہی خطا ہوتا ہے۔ پس جب وہ بے خبری میں میرے پاس سے گزرے تو میں نے اپنا حربہ اُن کے عافہ پر پھینکا جو دوسری طرف پار ہو گیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ میری طرف متوجہ ہوئے ہیں۔ میں یہ دیکھتے ہی بھاگ کھڑا ہوا، پھر وہ زمین پر آ رہے۔ کچھ دیر بعد میں پھر اُن کی طرف گیا اور اپنے خنجر سے پیٹ چاک کر کے اُن کا جگر نکالا اور اُسے ہندہ کے پاس لے آیا اور کہا کہ یہ ہے تیرے باپ کے قاتل حمزہ کا جگر۔ اُس نے مجھ سے لے لیا اور منہ میں چبا کر تھوک دیا (گویا کہ ہندہ نے وحشی سے کہہ رکھا تھا کہ جب تُو حمزہ کو شہید کر دے تو اُن کا جگر میرے پاس لانا، یا پھر یہ سیاہ قاسی القلب از خود اُسے اُس کے پاس لے گیا تھا کیونکہ اُس نے اسے لالچ دے رکھا تھا) تب ہندہ نے اپنے کپڑے، زیور اور تمام سونا چاندی مجھے دے دیے اور وعدہ کیا کہ جب مکہ پہنچوں گی تو تجھے سرخ سونے کی دس اشرفیاں اور دوں گی۔ ہندہ نے مجھ سے کہا کہ مجھے وہ جگہ دکھاؤ جہاں حمزہ کی لاش ہے۔ میں اُسے وہاں لے گیا۔ اُس نے ناک، کان اور ہاتھ پاؤں کاٹ لیے اور

اپنے ساتھ مکہ لے آئی۔ حضرت حمزہ ؓ کا جگر چبانے کی وجہ سے ہی ہندہ کو ”آکِلَةُ
الزَّجَبَاد“ یعنی ”جگر خورہ“ کہا جاتا ہے۔^①

حضرت ابو دجانہ انصاری ؓ

اس جنگ میں حضرت ابو دجانہ ؓ کے فخر و غرور اور شجاعت کا واقعہ بہت دلچسپ ہے۔ زبیر سے
مردی ہے، ”جنگِ اُحد کے دن رسول اللہ ﷺ ایک تلوار ہاتھ میں لئے اُسے بغور دیکھ رہے
تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کون ہے جو اس کو لے کر اس کا حق ادا کرے؟ میں نے کھڑے
ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! میں اس کا مستحق ہوں۔ آپ ﷺ نے میری طرف سے
منہ پھیر لیا اور پھر فرمایا کہ کون ہے جو اس تلوار کو لے کر اس کا حق ادا کرے؟ میں نے پھر کہا کہ یا
رسول اللہ ﷺ! میں اس کا مستحق ہوں، آپ ﷺ نے پھر منہ پھیر لیا اور فرمایا کہ کون ہے جو
اس تلوار کو لے کر اس کا حق ادا کرے؟ اس مرتبہ ابو دجانہ سماک بن خرشہ نے آگے بڑھ کر کہا کہ
یا رسول اللہ ﷺ! میں اس کا حق ادا کروں گا اور مجھے بتائیے کہ وہ حق کیا ہے؟ آپ ﷺ نے
فرمایا کہ اس تلوار کا حق یہ ہے کہ اس سے کسی مسلمان کو قتل نہ کیا جائے اور کوئی کافر اس کے وار سے
بچ نہ پائے۔ پھر آپ ﷺ نے وہ تلوار اُن کو دے دی۔ ابو دجانہ کی عادت تھی کہ جب لڑنے
نکلے سر پر ایک کپڑا باندھ لیتے۔ میں نے سوچا دیکھوں کہ آج یہ کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے
تلوار اٹھائی اور جو مشرک سامنے آتا اُسے پاش پاش کرتے ہوئے آگے بڑھنے لگے یہاں تک کہ
وہ دامنِ کوہ میں ایسی جگہ جا پہنچے جہاں مشرکین کی عورتیں دف بجا رہی تھیں۔ ایک عورت گارہی تھی:

نحن بنات طارق نمشي على النار

ان تقبلوا نعايق او تدبروا نفاراق

فراق غير واما

ابو دجانہ ؓ نے اُسے مارنے کے لئے تلوار اٹھائی مگر رُک گئے اور اُسے چھوڑ دیا۔ میں نے اُن

① شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء) مدارج النبیوت ج ۲ ص ۱۶۵

سے کہا کہ اے ابودجانہ! میں نے تمہاری ساری کارگزاری دیکھی ہے مگر تم نے اُس عورت پر تلوار اُٹھائی پھر اُسے چھوڑ کیوں دیا؟ ابودجانہ (رضی اللہ عنہ) نے جواب دیا کہ میرے نزدیک ایک عورت کو قتل کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کے شایانِ شان نہیں تھا پس میں نے اُسے چھوڑ دیا۔^(۱)

ابنِ اسحق سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب فرمایا کہ کون ہے جو اس تلوار کو لے اور اس کا حق ادا کرے تو کئی اصحاب اُٹھے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ تلوار اُن میں سے کسی کو نہ دی۔ بنو ساعدہ کے ابودجانہ (رضی اللہ عنہ) نے عرض کیا کہ میں اس تلوار کا حق ادا کروں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلوار اُن کو دے دی۔ ابودجانہ (رضی اللہ عنہ) بڑے شجاع آدمی تھے، ہڑائی میں اکڑتے تھے اور سرخ رومال اپنے سر پر باندھتے تھے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک سے تلوار لے کر اُنہوں نے اپنا سرخ رومال سر پر باندھا اور پھر دونوں صفوں کے بیچ اکڑتے ہوئے چلنے لگے۔ بنو سلمہ کے ایک انصاری سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس طرح اکڑ کر چلتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ یوں تو ایسی چال سے اللہ عزوجل ناراض ہوتا ہے مگر اس موقع پر نہیں۔^(۲)

حضرت ابودجانہ (رضی اللہ عنہ) نے جنگ کے ابتدائی مرحلے میں نہایت شجاعت و مردانگی کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کیا لیکن دوسرے مرحلے میں جب کئی مسلمان رسولِ گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ چھوڑ کر جا چکے تھے یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر جھک گئے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آنے والے تیروں کو اپنی پشت پر لے رہے تھے۔ یہاں تک کہ تیروں نے ان کا پیکر وفا چھلنی کر دیا اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہو گئے۔^(۳)

روایت ہے کہ جب کئی مسلمان، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میدان میں تنہا چھوڑ کر بھاگ گئے تھے اور

^(۱) ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری، ج ۲ حصہ اول ص ۱۸۰

^(۲) ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری، ج ۲ حصہ اول ص ۱۸۰

^(۳) علامہ علی نقوی، تاریخ اسلام، ص ۲۴۴

آپ ﷺ کے پاس صرف امیر المومنین علی علیہ السلام اور حضرت ابودجانہ انصاری رضی اللہ عنہ رہ گئے تھے تو آنحضرت ﷺ نے حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ کو دُعا دی اور فرمایا، ”ابودجانہ! تم بھی چلے جاؤ میں تم کو اپنی بیعت سے آزاد کرتا ہوں۔“ یہ سن کر ابودجانہ رضی اللہ عنہ رونے لگے اور آسمان کی طرف منہ کر کے بولے، ”نہیں! خدا کی قسم میں آپ ﷺ کی بیعت سے آزاد نہیں ہوں گا۔ یا رسول اللہ ﷺ! میں کہاں جاؤں؟ کیا اپنی بیوی کے پاس جو ایک دن مر جائے گی؟ اور اپنے بیٹے کے پاس جو ایک روز موت سے ہم کنار ہو جائے گا؟ اور اپنے گھر جو ایک دن کھنڈر بن جائے گا؟ اور اپنے مال و متاع کی حفاظت کروں جو آخر فنا ہو جائے گا؟ اور پھر موت کی طرف رُخ کروں جو انسان کے بہت نزدیک ہے؟“ ابودجانہ رضی اللہ عنہ کے ایمان و ایثار سے لبریز یہ کلمات سن کر رسول اللہ ﷺ نے اُن پر لطف و کرم فرمایا اور جنگ کی اجازت دے دی اور آخر کار وہ رسول اللہ ﷺ پر نثار ہو گئے۔^①

حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ

حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ ایک عمر رسیدہ مومن تھے۔ بڑھاپے اور ناتوانی کی وجہ سے اُن کی کمر جھک چکی تھی، اُن کا ایک پاؤں بھی کسی حادثے میں زخمی ہو گیا تھا مگر اس کے باوجود اُن کے حوصلے جوان اور جذبہ ایمانی مضبوط تھا۔ اُن کے چار جوان بیٹے تھے جنہیں وہ جہاد پر روانہ کر چکے تھے اور خوش تھے کہ وہ سچائی اور ایمان کے راستے پر گامزن ہوئے۔ اُن کی شدید خواہش تھی کہ وہ بھی جہاد میں حصہ لیں اور اپنی جان اللہ کی راہ میں قربان کریں لیکن اُن کے رشتہ دار انہیں منع کرتے تھے کہ اس عمر اور حالت میں آپ پر جہاد واجب نہیں۔ اپنے احباب کی اس توجیہ سے وہ مطمئن نہیں تھے لہذا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میرے احباب مجھے جنگ میں حصہ لینے سے منع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم پر اس عمر میں جہاد واجب نہیں، آپ ﷺ اس بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا اس عمر میں اللہ کی

① ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری، ج ۲ حصہ اول ص ۱۸۰

طرف سے آپ ان ذمہ دار یوں سے مستثنیٰ ہیں۔ حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے گزارش کی کہ اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم میری درخواست قبول فرمائیں اور مجھے اذن جہاد عطا فرمائیں۔ اُن کے اقرباء پھر انہیں سمجھانے لگے لیکن نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کا جذبہ جہاد دیکھتے ہوئے اُن لوگوں سے فرمایا کہ انہیں حق کی راہ میں جان فدا کرنے سے مت روکو۔ چنانچہ عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ جہاد کے لئے گھر سے لئے نکلے تو دعا کی، ”الہی! مجھے اپنی راہ میں جان فدا کرنے میں کامیاب فرما اور مجھے میرے گھر میں واپس نہ بھیجنا۔“^①

رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ اور سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ

جنگِ اُحد میں جہاں ایک طرف مسلمانوں کا ایک گروہ جنگ پر جانے سے گریزاں تھا تو دوسری طرف بہت سے مسلمان بچے ایسے تھے جو جہاد میں حصہ لینے کے لئے بیتاب تھے۔ کئی بچوں کو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی کم سنی اور معصومیت کی بنا پر واپس بھیج دیا مثلاً ابوسعید خُدَری، عرابہ بن اوس، زید بن ثابت، اسید بن ظہیر، براء بن عازب اور عبد اللہ بن عمیر یا عبد اللہ بن عمرو وغیرہ، لیکن کچھ بچے ایسے بھی تھے جو کسی صورت واپسی پر آمادہ نہیں تھے۔ اُن کا جذبہ جہاد اور شوق و ولولہ دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو محاذ پر جانے کی اجازت مرحمت فرمادی۔ اُن بچوں میں رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ اور سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کا نام تاریخ میں بہت نمایاں ہے۔

رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بہت کم عمر تھے۔ جہاد کے لئے بضد بچوں کو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو پیش کیا گیا تو وہ ایڑیاں اٹھا کر اور اپنے بچوں کے بل اُچک کر کھڑے تھے تاکہ اُن کا قد بڑا نظر آئے اور وہ کم عمر معلوم نہ ہوں۔ کم سن مجاہد کی شوقِ جہاد سے بھرپور یہ معصومانہ حرکت دیکھ کر رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس بچے کو ساتھ چلنے دو۔ بروایتِ وہ ماہر تیر انداز بھی تھے اور اُن کے انتخاب کی وجہ اُن کی یہی مہارت تھی۔

سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ اپنی کم سنی کی بنا پر رافع سے پہلے واپس بھیجے جا چکے تھے۔ انہوں نے جب

① آیت اللہ جعفر سبحانی، دی مسیج (The Message) ص ۳۲۸

دیکھا کہ رافع کو منتخب کر لیا گیا ہے تو وہ چل گئے۔ انہوں نے اپنے سر پرست مری بن سنان کے ذریعے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ (ﷺ) نے رافع کو جنگ پر جانے کی اجازت دے دی ہے حالانکہ میں اُس سے زیادہ قوی ہوں اور دعویٰ کرتا ہوں کہ اگر اُس کے ساتھ کشتی لڑوں تو اُسے پچھاڑ دوں گا۔ رسول معظم ﷺ کو سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کا یہ طفلانہ استدلال پسند آیا، فرمایا ٹھیک ہے کشتی لڑو۔ چنانچہ کشتی ہوئی اور واقعی سمرہؓ نے رافعؓ کو پچھاڑ دیا۔ پس آنحضرت ﷺ نے انہیں بھی جنگ پر جانے کی اجازت مرحمت فرمادی۔^(۱)

بقولے رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ اور سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی عمریں پندرہ سال سے کم تھیں۔

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ

دستورِ عرب کے مطابق لڑائی میں کم از کم دو پرچم ہوتے تھے، ایک بڑا اور ایک چھوٹا۔ بڑے جھنڈے کو ”رایہ“ کہتے تھے جبکہ چھوٹا ”لواء“ کہلاتا تھا۔ لشکرِ اسلام میں ہمیشہ حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام حاملِ رایت ہوا کرتے تھے جبکہ لواء صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی کو بھی عطا کر دیا جاتا تھا۔ اُحد میں بھی حسبِ روایت حاملِ رایت امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام تھے۔ حضور اکرم ﷺ نے لواء حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو دیا تھا۔ یہ عین شبابِ جنگ میں رسول اکرم ﷺ کے قریب لڑ رہے تھے کہ ابنِ قمیہ لیش کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ مصعب رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد رسول اللہ ﷺ نے لواء بھی علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے سپرد کر دیا۔^(۲)

حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ

حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کا تعلق انصاری قبیلہ بنی الحارث بن خزرج سے تھا۔ دورانِ جنگ وہ لاپتہ ہو گئے تھے۔ جنگ کے اختتام پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کون ہے جو سعد بن ربیع کی خبر

^(۱) آیت اللہ جعفر سبحانی، دی مپیج (The Message) ص ۳۴۸

^(۲) علامہ علی نقوی، تاریخ اسلام، ص ۲۴۵۔ ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری، ج ۲ ص ۱۸۳

لائے کہ وہ زندوں میں ہیں یا شہیدوں میں؟ چنانچہ ایک انصاری اُن کی تلاش میں روانہ ہوئے اور میدان جنگ میں ایک جگہ اُنہیں ایسی حالت میں پایا کہ وہ زخموں سے چُور چُور تھے اور آخری سانسیں لے رہے تھے۔ اُنہوں نے حضرت سعدؓ کو بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تمہاری تلاش میں بھیجا ہے۔ سعدؓ نے کہا: ”رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں میرا سلام عرض کرنا اور کہنا کہ اللہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو وہ بہترین جزا عطا فرمائے جو کسی بھی نبی کو اُس نے عطا کی ہو۔ اور میری قوم کو میرا سلام پہنچانا اور میری طرف سے کہنا کہ جب تک تم میں سے ایک بھی متنفس باقی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بال بھی بیکانہ ہونے پائے ورنہ روزِ قیامت خدا کے سامنے تمہارے پاس کوئی جواب نہ ہوگا۔“ اتنا کہہ کر سعد بن ربیعؓ اللہ کو پیارے ہو گئے۔^(۱)

حضرت زیاد بن سکینؓ

حضرت زیاد بن سکینؓ یا عمارہ بن زیاد بن سکینؓ (نام میں اشتباہ ہے کیونکہ دونوں نام کتابوں میں ملتے ہیں۔ مؤلف) انصاری کی ایک جماعت کے ساتھ رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مصروفِ جہاد تھے۔ اُن کے تمام ساتھی ایک ایک کر کے شہید ہو گئے تھے۔ وہ بھی شدید زخمی ہو کر گرے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُنہیں میرے قریب لاؤ۔ چنانچہ اُن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لا کر لٹا دیا گیا۔ بن سکین کی خوش بختی ملاحظہ ہو کہ جب اُنہوں نے جانِ جانِ آفریں کے سپرد کی تو اُن کا رخسار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر تھا۔^(۲)

حضرت حنظلہؓ غسیل الملائکہ

حضرت حنظلہؓ ایک نوبیا تھا جو ان تھے اور شاید اسی وجہ سے اُحد میں حاضر نہ ہو سکے تھے۔ جب اُنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی افواہ یا جنگ میں مسلمانوں کی بگڑتی ہوئی

^(۱) علامہ علی نقوی، تاریخ اسلام، ص ۲۴۵، ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری، ج ۲، ص ۱۸۳

^(۲) علامہ علی نقوی، تاریخ اسلام، ص ۲۴۵، ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری، ج ۲، ص ۱۸۳

صورتِ حال کی خبر سنی تو وہ حالتِ جنابت میں تھے۔ جذبہ ایمانی سے سرشار ہو کر بغیر غسل کیے کہ مبادا دیر ہو جائے، بے تحاشا اُحد کی طرف بھاگے اور جاتے ہی کفار پر ٹوٹ پڑے۔

”بُرے والدین کی اچھی اولاد“ والا محاورہ حضرت حنظلہؓ اور اُن کی بیوی پر خوب صادق آتا ہے۔ اُن کا باپ ابو عامر، نبی اللہ ﷺ کے بدترین دشمنوں میں سے ایک تھا۔ عجب اتفاق ہے کہ جنگِ اُحد میں وہ قریش کی طرف سے لڑ رہا تھا جبکہ حنظلہؓ مسلمانوں کی طرف سے میدان میں آئے تھے۔ وہ ابھی چوبیس سال کے نہیں ہوئے تھے کہ جنگِ اُحد سے ایک دن پہلے اُن کی شادی قبیلہ اوس کے مشہور منافق عبد اللہ بن اُبی کی بیٹی سے ہوئی۔ حنظلہؓ نے حکمِ جہاد سنا تو پریشان ہو گئے کیونکہ آنے والی رات اُن کی سہاگ رات تھی اور چڑھنے والا دن کفر و ایمان کے درمیان جنگ کا دن تھا۔ اسی پریشانی کے عالم میں وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ایک شب کے لئے اجازت طلب کی۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں ایک رات کی رخصت عطا فرمائی۔

علامہ مجلسی کہتے ہیں کہ مندرجہ ذیل آیتِ کریمہ اسی ضمن میں نازل ہوئی: ①

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِذَا كَانُوا عَلَىٰ أَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوا حَتَّىٰ يَسْتَأْذِنُوهُ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ۚ فَإِذَا اسْتَأْذَنُوكَ لِبَعْضِ شَأْنِهِمْ فَأَذَنَ لِمَن شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرَ لَهُمُ اللَّهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ②

(مومن تو صرف وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) پر ایمان رکھتے ہیں اور جب کسی اجتماعی معاملہ میں رسول (ﷺ) کے ساتھ ہوتے ہیں تو جب تک آپ (ﷺ) سے اجازت نہیں لیتے کہیں نہیں جاتے۔ (اے محبوب ﷺ!) بے شک جو لوگ آپ (ﷺ) سے اجازت

① علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء)، بحار الانوار، ج ۲۰ ص ۵۷

② سورة النور، آیت ۶۲

مانگتے ہیں وہی اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) پر ایمان رکھتے ہیں۔ پس جب وہ آپ (ﷺ) سے اپنے کسی خاص کام کیلئے اجازت مانگیں تو آپ (ﷺ) اُن میں سے جسے چاہیں اجازت دے دیں اور اُن کیلئے اللہ سے مغفرت طلب کریں۔ بیشک اللہ بڑا بخشنے والا، بڑا رحم کرنے والا ہے۔)

شبِ عروسی گزرا کروہِ مردِ مومن میدانِ جنگ کی طرف روانہ ہو رہے تھے کہ اُن کی ایک شبِ کُہن کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ اُس نے اُنہیں کہا کہ تھوڑی دیر کے لئے رُک جائیں۔ چنانچہ حنظلہ رُک گئے اور کُہن نے چار معزز افراد کو وہاں بلوایا جو کسی عذر کے سبب جنگ پر نہیں جاسکے تھے۔ کُہن نے حنظلہ کی موجودگی میں اُن سے کہا کہ گواہ رہنا کہ میری شادی حنظلہ سے ہو چکی ہے اور گزشتہ شب انہوں نے حقوقِ زوجیت ادا کیے ہیں۔ معززین نے کہا کہ ہمیں یہ سب بتانے کی کیا ضرورت تھی؟ کُہن نے کہا، ”رات میں نے خواب میں دیکھا کہ آسمان شکافتہ ہوا اور میرا شوہر اُس میں داخل ہو گیا پھر آسمان پہلے کی طرح ہو گیا۔ میں سمجھتی ہوں کہ اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ حنظلہ شہید ہو جائیں گے یعنی ان کی روح آسمان کی طرف پرواز کر جائے گی۔“

پس حنظلہ فوراً ہی اُحد کی طرف روانہ ہو گئے اور جاتے ہی کفار پر ٹوٹ پڑے، دورانِ جنگ انہوں نے لشکرِ کفار کے سالار ابوسفیان کو دیکھا تو اُس سے گفتگو کرتے ہوئے اور اُس سے گرا کر چاروں شانے چت کر دیا اور پھر اُس کا کام تمام کرنے کے لئے اُس کے سینے پر سوار ہو گئے۔ ابوسفیان کی چیخ و پکار سن کر ایک مشرک شہزاد بن اسود اُس کی مدد کو آیا اور حنظلہ ﷺ پر حملہ کر دیا۔ ابوسفیان تو بیچ نکلا لیکن وہ خود شہید ہو گئے۔ حضرت حنظلہ ﷺ کے لئے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا، ”میں نے دیکھا کہ حنظلہ کو ملائکہ نے غسل دیا۔“^① اسی وجہ سے انہیں ”غسل الملائکہ“ کہا جانے لگا اور یہ لقب حضرت حنظلہ کی نسل میں خاندانی لقب کے طور پر چلتا رہا۔ روایت ہے کہ جب اہلِ مدینہ نے یزید کی بد اعمالیوں کی وجہ سے اُس کی بیعت سے انکار کیا تو انہی حنظلہ ﷺ کے بیٹے حضرت عبداللہ

① ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری، ج ۳ ص ۲۱

کو اپنا سردار بنایا جو یوم حرہ (جب یزید کی فوج نے مدینہ میں قتل عام کیا) شہید ہوئے۔^(۱)

حضرت اُم عمارہ انصاریہؓ

اُحد میں جہاں کئی ”مرد“ جان بچانے کی خاطر بھاگ گئے تھے وہاں اس خاتون کی جاں نثاری قابلِ رشک ہے۔ یہ میدانِ جنگ میں زخمی مجاہدوں کی مرہم پٹی کے لئے آئی تھیں، جب دیکھا کہ کئی مسلمان رسول اللہ ﷺ کا ساتھ چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کو تنہا پا کر مشرکین آپ ﷺ پر حملہ آور ہو رہے ہیں تو یہ آنحضرت ﷺ کے سامنے ڈھال بن کر کھڑی ہو گئیں اور آپ ﷺ کی طرف آنے والے تیروں کو اپنے نازک بدن پر لینے لگیں۔ پھر دشمن نے نیزوں اور تلواروں سے حملہ کیا تو یہ بھی تلوار سونت کر مقابلہ پر اتر آئیں یہاں تک کہ شدید زخمی ہو گئیں۔^(۲)

یہودی مخریق کی جانِ نثاری

اُحد میں ایک یہودی جس کا نام مخریق تھا، کی جاں نثاری بھی کتابِ تاریخ کا ایک سنہری ورق ہے۔ روایت ہے کہ جب اُحد میں مسلمانوں پر سخت پریشانی کا دور آیا اور حالاتِ دیگر گوں ہوئے تو مخریق نے اپنی قوم سے کہا کہ تم پر محمد (ﷺ) کی حمایت لازم ہے۔ یہودیوں نے کہا کہ آج تو ہفتہ کا دن ہے جس میں ہم کوئی کام نہیں کرتے۔ اُس نے کہا ہفتہ و فتر کچھ نہیں۔ وہ مسلح ہوا اور میدان کی طرف چل پڑا۔ چلتے وقت اُس نے اپنی قوم سے کہا کہ اگر میں قتل ہو جاؤں تو میرا تمام مال محمد (ﷺ) کا ہے، وہ اُس کا جو چاہیں کریں۔ مخریق میدان میں پہنچا اور حمایتِ رسول اللہ ﷺ میں جنگ کرنے لگا، یہاں تک کہ آپ ﷺ پر قربان ہو گیا۔^(۳)

^(۱) علامہ علی نقوی، تاریخ اسلام، ص ۲۴۶

^(۲) علامہ علی نقوی، تاریخ اسلام، ص ۲۴۶۔ خواجہ محمد طیف، اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ ج ۱ ص ۹۹

ابن ہشام (متوفی ۸۳۳ء) سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۸۴

^(۳) علامہ علی نقوی، تاریخ اسلام، ص ۲۶۶۔ ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری، ج ۳ ص ۲۱

حضرت عمرو بن ثابتؓ

عمرو بن ثابت ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ رسول خدا ﷺ پر مشکل وقت آیا ہے اور آپ ﷺ جنگ کے لئے تشریف لے گئے ہیں تو انہوں نے اپنی تلوار اور سپر اٹھائی اور اُحد کی طرف روانہ ہو گئے۔ بروایت انہوں نے کلمہ شہادت پڑھا، اور لشکر کفار پر ٹوٹ پڑے۔ عمرو جہاد کرتے کرتے شدید زخمی ہو گئے اور زخموں کی تاب نہ لا کر بالآخر گر پڑے۔ انصار میں سے ایک شخص اُن کی طرف سے گزرا تو وہ کشتوں کے درمیان پڑے ہوئے تھے مگر ابھی زندہ تھے۔ انصاری نے اُن سے پوچھا کہ اے عمرو! کیا تم اپنے پہلے دین پر ہو؟ کہا خدا کی قسم نہیں، میں خدا کی وحدانیت اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی گواہی دیتا ہوں۔ اتنا کہا اور اصل رحمت الہی ہو گئے۔

ایک صحابی نے آنحضرت ﷺ سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! عمرو بن ثابت مسلمان ہوتے ہی مارے گئے، کیا وہ شہید ہیں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، واللہ وہ شہید ہے اور ایسا کہ جس نے ایک رکعت نماز بھی نہیں پڑھی مگر جنت میں جا پہنچا۔^①

شہدائے اُحد کی تجہیز و تدفین

ابن الوردی لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے حضرت حمزہؓ کی نماز جنازہ پڑھائی جس میں سات تکبیریں کہیں۔ پھر دوسرے شہداء کو باری باری اُن کے پہلو میں رکھا جاتا اور اُن کی نماز جنازہ بشمول حضرت حمزہؓ کے پڑھائی جاتی۔ آنحضرت ﷺ نے اس طرح تمام شہداء کی نماز جنازہ پڑھائی اور حضرت حمزہؓ ہر نماز میں شامل تھے۔ پھر اُن کو ایک قبر میں علیحدہ دفن کیا گیا۔ عبداللہ بن عمروؓ اور عمرو بن جموحؓ کے بارے میں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ان کے درمیان بہت اتحاد تھا لہذا انہیں ایک ہی قبر میں اکٹھا دفن کرو۔^②

① علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۲۹۸ھ)، حیات القلوب ج ۲ ص ۵۶۵

② ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری، ج ۳ ص ۲۱

اور باقی تمام شہداء کو اجتماعی طور پر الگ دفن کیا گیا۔ ایک روایت کے مطابق کچھ لوگ اپنے شہداء کو اٹھا کر مدینہ لے گئے اور وہاں دفن کیا پھر رسول خدا ﷺ نے ایسا کرنے سے منع فرما دیا اور کہا کہ جہاں ان کا مقتل ہے ان کو وہیں دفن ہونا چاہیے۔^(۱)

شہدائے اُحد کا ماتم

ابن جریر سے روایت ہے کہ حضرت پیغمبر خدا ﷺ، انصار کے دو قبیلوں بنی عبد الاشہل اور بنی ظفر کے مکانات کی طرف سے گزرے تو جنگ اُحد میں شہید ہونے والوں کی خواتین کو نوحہ و ماتم کرتے سنا۔ آپ ﷺ کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں اور فرمایا حمزہ رضی اللہ عنہ پر رونے والیاں نہیں ہیں۔ دو انصاری صحابہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اور حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ واپس ہوئے اور خواتین کو ہدایت کہ وہ جائیں اور رسول اللہ ﷺ کے چچا کا ماتم کریں۔^(۲)

علامہ طبرسی لکھتے ہیں کہ وہ تمام خواتین حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے پاس آئیں اور آپ ﷺ کو جناب حمزہ رضی اللہ عنہ کا پرسا دیا۔ پیغمبر خدا ﷺ مسجد میں تشریف لے جا رہے تھے کہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے گھر سے رونے کی صدا انہیں سنیں تو رونے والی خواتین کے لئے دعائے خیر کی اور فرمایا تم نے ہمدردی و غم خواری کا حق ادا کیا۔^(۳)

مشہور مؤرخ ابن سعد و اقدی نے لکھا ہے کہ اس کے بعد انصار کی خواتین میں یہ رواج بن گیا کہ جب ان کا کوئی عزیز فوت ہوتا تو وہ پہلے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا نام لے کر روتیں پھر مرنے والے پر گریہ زاری کرتیں۔^(۴)

^(۱) علامہ علی نقوی، تاریخ اسلام، ص ۲۶۷

^(۲) ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری، ج ۳ ص ۲۱

^(۳) علامہ علی نقوی، تاریخ اسلام، ص ۲۶۷

^(۴) محمد ابن سعد (متوفی ۲۳۰ھجری)، طبقات ابن سعد، بحوالہ تاریخ احمدی ص ۴۵، ۴۶

حضرت زینب بنت خزیمہؓ سے نکاح

جناب رسول کریم ﷺ رحمۃ اللعالمین تھے چنانچہ کچھ ایسی بیوہ عورتوں کو جن کا کوئی پرسان حال نہیں ہوتا تھا، معاشرتی تحفظ فراہم کرنے کی خاطر آپ ﷺ نے نکاح میں لیا اور سایہ رحمت فراہم کیا۔ ایسی ہی ایک خاتون حضرت زینب بنت خزیمہؓ تھیں جو اپنی فیاضی کی وجہ سے اُمّ المساکین کے لقب سے مشہور تھیں۔ یہ تین بار بیوہ ہو چکی تھیں۔ آپ ﷺ نے اُن سے نکاح فرمایا۔ لیکن نکاح کے دو یا تین ماہ بعد ہی وہ انتقال کر گئیں۔ آپ ﷺ نے اُن کی نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں سپرد خاک کیا۔^①

غزوہ حمراء الاسد

(ہفتہ ۱۶ شوال ۳ ہجری / یکم اپریل ۶۲۵ء)

حمراء الاسد مدینہ سے آٹھ میل دُور ہے۔ بقولے یہ غزوہ وہاں پر واقع ہوا جس کی وجہ سے اسے غزوہ حمراء الاسد کہا جاتا ہے۔ بعض مؤرخین لکھتے ہیں کہ اُحد سے واپس آ کر اگلے ہی دن یعنی بروز ہفتہ ۱۶ شوال ۳ ہجری کو رسول اللہ ﷺ نے اعلان فرمایا کہ ہم دشمن کے تعاقب میں روانہ ہوں گے۔ چنانچہ آپ ﷺ اُن تمام مسلمانوں کے ساتھ جو اُحد کی جنگ میں شریک ہوئے تھے قریش کے تعاقب میں حمراء الاسد تک تشریف لے گئے۔ قریش تو وہاں سے آگے مکہ کی طرف نکل گئے تھے لہذا تین دن وہاں قیام فرمانے کے بعد آپ ﷺ واپس تشریف لے آئے۔ بروایت یہ اقدام دشمن پر یہ ظاہر کرنے کے لئے تھا کہ اُحد کے واقعہ سے ہم ہمت نہیں ہارے اور ہم میں لڑنے کی جرأت ابھی ہے۔^②

عصر حاضر کے بعض محققین کا خیال ہے کہ مندرجہ بالا روایت کچھ خوش عقیدہ مؤرخین

① ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم ﷺ، ص ۵۲۵

② ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری، ج ۳ ص ۲۸

نے مسلمانوں کی کمزوری کو چھپانے اور اُن کی وفاداری کو امکانی حد تک پایہ ثبوت کو پہنچانے کے لئے تصنیف کی ہے۔^①

اس کا استدلال یوں پیش کیا گیا ہے:

اول، جنگ اُحد کے اختتام پر دونوں فریقین کے درمیان یہ قول و قرار ہو گیا تھا کہ جنگ اب آئندہ سال ہوگی تو اس کے بعد درایتی طور پر یہ بات قابل قبول نہیں رہتی کہ اُن کا تعاقب کیا جاتا۔
دوم، مسلمانوں میں اُحد میں جو عملی کمزوریاں نمایاں ہوئیں تھیں وہ اتنی واضح تھیں کہ جنگ کے بعد اس طرح کا کوئی نمائشی مظاہرہ ممکن نہیں لگتا۔

سوم، جب پیغمبر خدا ﷺ حضرت علی علیہ السلام کو اُن کے تعاقب میں روانہ کر کے پہلے ہی یہ اطمینان کر چکے تھے کہ وہ لوگ مکہ کی طرف گامزن ہو چکے ہیں اور اُن کی واپسی کا کوئی امکان نہیں تو پھر یہ نمائشی اہتمام شان رسالت کے مطابق معلوم نہیں ہوتا۔ پس اس غزوہ کی روایت کو پائیدار نہیں کہا جاسکتا۔ (واللہ اعلم)

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ ۝



سنہ ۴ ہجری

سریہ ابوسلمہؓ مخزومی

(یکم محرم ۴ ہجری / ۱۳ جون ۶۲۵ء)

سنہ ۳ ہجری کے آخری ماہ میں رسول اللہ ﷺ کو اطلاع ملی کہ فید کے کوہستانی علاقے قطن کے میں طلحہ بن خویلد اور اُس کا بھائی سلمہ بن خویلد جو قبیلہ بنو اسد کے سردار تھے اپنی قوم کو مدینہ منورہ پر چڑھائی کے لیے جمع کر رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے اُس فتنہ کو ختم کرنے کے لیے یکم محرم ۴ ہجری بمطابق ۱۳ جون ۶۲۵ء کو حضرت ابوسلمہؓ کی قیادت میں ڈیڑھ سو مجاہدین کا ایک سریہ روانہ فرمایا۔ دشمنوں کو اُن کی پیش قدمی کی خبر ہوئی تو منتشر و روپوش ہو گئے۔^(۱)

سریہ عبداللہ بن انیسؓ

(۵ محرم ۴ ہجری / ۱۷ جون ۶۲۵ء)

سریہ ابوسلمہ مخزومی کے فوراً بعد رسول اللہ ﷺ کو خبر ملی کہ بنو لحيان کا رئیس سفیان بن خالد، عُرنہ میں اہل اسلام کے خلاف جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہے اور اُس کا ارادہ اس فتنہ کو دوسرے قبیلوں تک پھیلانے کا بھی ہے۔ اُس کا منصوبہ کامیاب ہو جاتا تو یقیناً ایک بہت بڑا تصادم ہوتا اور کئی قیمتی جانوں کا ضیاع ہوتا۔ چنانچہ سرور عالم ﷺ نے اُس شریک شراوتوں کو فرو کرنے کیلئے ۵ محرم ۴ ہجری / ۱۷ جون ۶۲۵ء کے دن حضرت عبداللہ بن انیسؓ کو روانہ کیا۔ عبداللہ بن انیسؓ نے اُس کو واصل جہنم کر دیا اور کامیاب واپس لوٹے۔ بروایت، رسول اللہ ﷺ نے اُنہیں انعام کے طور پر ایک عصا عطا فرمایا۔^(۲)

^(۱) ذاکر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم وآخراً ﷺ، ص ۵۳۲

محمد ابن سعد (متوفی ۲۳۰ ہجری)، طبقات ابن سعد ۲: ۳۵۰۔ ابن قیم، زاد المعاد (اردو) ۲: ۱۹۹

^(۲) عبدالحق محدث دہلوی، مدارج النبوت ج ۲ ص ۱۹۲۔ ذاکر نصیر احمد، کتاب: پیغمبر اعظم وآخراً ﷺ، ص ۵۳۳

رجیع کا المیہ

(صفر ۴ ہجری / جولائی، اگست ۶۲۵ء)

اُحد کے بعد جو دوسرا اندوہناک واقعہ پیش آیا وہ رجیع کا تھا۔^① یہ المیہ ہجرت کے چھتیسویں مہینے، ماہ صفر ۴ ہجری میں بمطابق جولائی، اگست ۶۲۵ء، مکہ اور غطفان کے درمیان، حجاز کے نواح میں ہذیل کی طرف پیش آیا۔ اس کو سریہ رجیع اور سریہ ابی مرشد الغنوی بھی کہتے ہیں۔

قبائل عرب نے جن کے نام علامہ طبرسی نے عضل وریش بیان کئے ہیں، اور ابن خلدون نے عضل اور قارہ بنی الہون ابن خزیمہ اخوة بنی اسد لکھے ہیں،^② رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک وفد بھیجا اور درخواست کی کہ ہم اسلام لانا چاہتے ہیں اس لئے اپنے کچھ آدمی ہمارے پاس بھیجئے تاکہ وہ ہمیں دین کی تعلیم دیں۔ انہیں یہ معلوم ہوگا کہ جب آپ ﷺ مکہ میں تھے تو اسی قسم کی خواہش مدینہ والوں نے بھی کی تھی اور آپ ﷺ نے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو ان کے ہاں بھیج دیا تھا لہذا اگر ہم بھی ایسی خواہش کریں گے تو آپ ﷺ ہماری دعوت بھی قبول کر لیں گے۔

مؤرخین کا کہنا ہے کہ جنگ اُحد میں کافروں کی ایک علمبردار سلافہ بنت سعد بن طلحہ بن ابی طلحہ کا شوہر اور بیٹے مارے گئے تھے، اُس نے اعلان کر رکھا تھا کہ جو ان کے قاتلوں کے سر لائے گا اُسے سو بہترین اُونٹ انعام میں دے گی۔^③ چنانچہ دشمن اسلام و فتنہ گرسفیان بن خالد ہذلی (شیخ عبدالحق محدث دہلوی صاحب نے مدارج النبوت میں یہی نام لکھا ہے جو کہ اس لحاظ سے اشتباہ پیدا کرتا ہے کہ سفیان بن خالد تو ماہِ محرم میں ہونے والے سریہ عبد اللہ بن انیس میں مارا جا چکا تھا۔ اسلامیہ یونیورسٹی کے سابق وائس چانسلر ڈاکٹر نصیر احمد ناصر صاحب اپنی کتاب میں اس کا نام

① مسٹر کے اے حمید، تاریخ مسلمانان عالم، ج ۷ ص ۷۷

② علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام، ج ۲ ص ۷۷ بحوالہ طبرسی و تاریخ ابن خلدون ج ۱ ص ۶۸

③ عبدالحق محدث دہلوی، مدارج النبوت ج ۲ ص ۱۸۵، جمال الدین محدث، روضۃ الاحباب

خالد بن سفیان لکھتے ہیں لیکن ساتھ ہی وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ وہ تو قتل ہو گیا لیکن اُس کے قبیلے والوں یعنی بنی لحيان نے اس کے منصوبے کو عملی جامہ پہنایا۔ اس نام کا اشتباہ تو بہر حال ہے اس لئے ہم یہاں وہی نام استعمال کریں گے جو ہمیں روایت میں ملا۔ واللہ اعلم) نے لالچ میں آ کر ایک سازش تیار کی اور اپنی قوم کے چند لوگوں کو تیار کر کے مدینہ منورہ کی طرف روانہ کیا جنہوں نے جھوٹ موٹ کا اسلام ظاہر کیا اور رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ صحابہ کی ایک جماعت کو ہمارے ساتھ روانہ کریں تاکہ وہ ہماری قوم کو قرآن کی تعلیم دیں اور اسلامی شعار سکھائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے سات اور بروایت دس صحابہؓ کو جن کے امیر حضرت عاصم بن ثابتؓ یا حضرت مرشد بن ابی مرشدؓ تھے روانہ فرمادیا۔ اس جماعت میں شامل صحابہ کرامؓ کے نام یہ تھے:

۱۔ حضرت عاصم بن ثابت بن ابی الاحقحؓ

۲۔ حضرت مرشد بن ابی مرشد الغنویؓ

۳۔ حضرت عبداللہ بن طارقؓ

۴۔ حضرت معتب بن اسیدؓ

۵۔ حضرت خالد بن ابی بکر لیشؓ

۶۔ حضرت خبیب بن عدیؓ

۷۔ حضرت زید بن الدثنہ بن بیاضہؓ

یہ سات یا دس صحابہ منافقوں کی اُس جماعت کے ساتھ روانہ ہو گئے اور ابھی موضع ”بدہ“ جو عسقان اور مکہ کے درمیان میں واقع تھا پہنچے تھے کہ سفیان بن خالد کو خبر ہوئی اور وہ دوسو کافروں کے ساتھ اور بروایت تین سو تیر اندازوں کے ساتھ نکلا۔ اُسے پتا چلا کہ مسلمان بدہ سے رجوع کی طرف بڑھ چکے ہیں تو وہ اُن کے تعاقب میں دوڑا اور معصوم اور بے خبر مسلمانوں کو راستے میں جا

لیا۔ اہل ایمان نے بڑی جوانمردی سے اُن کا مقابلہ کیا لیکن تین سو مسلح غنڈوں کے سامنے جنہوں نے دھوکے سے وار کیا تھا، دس افراد زیادہ دیر تک نہ ٹھہر سکے اور یکے بعد دیگرے راہِ شہادت پر گامزن ہو گئے۔^(۱)

بقول قاتلوں کی شدید خواہش تھی کہ حضرت عاصم بن ثابت ؓ کا سر کاٹ کر سو اُونٹ انعام حاصل کریں لیکن اُن کی یہ آرزو حسرتِ نامتام بن کے رہ گئی۔ پہلے تو حضرت عاصم ؓ کی نعش پر شہد کی مکھیوں نے ہجوم کیا جس کی وجہ سے وہ کوشش کے باوجود قریب نہ آ سکے، پھر موسلا دھار بارش شروع ہو گئی جو اُن کی نعش کو نہ جانے کہاں بہا لے گئی اور یوں اُن کا ارمان پورا نہ ہو سکا۔^(۲)

ایک روایت یہ ہے کہ جب مسلمان مقابلے پر اُتر آئے تو حملہ آوروں نے کہا کہ ہم تمہاری جان بخشی کرتے ہیں مگر اس شرط پر کہ ہم تمہیں گرفتار کر کے مکہ لے جائیں گے اور تمہارے بدلے تاوان وصول کریں گے۔ اس پر حضرت مرثد ؓ اور اُن کے دوستا تھیوں نے انکار کر دیا اور مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ باقیوں کو اُنہوں نے قید کر لیا اور مکہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ ایک مجاہد نے راستے میں لڑ کر جان قربان کر دی جبکہ حضرت خبیب ؓ اور زید ؓ کو اُنہوں نے مکہ میں لے جا کر قریش کے ہاتھوں فروخت کر دیا۔^(۳)

بروایتِ باقی ماندہ کو سفیان بن خالد ہذلی مکہ لے گیا تھا جنہیں سخت ترین ایذائیں دینے کے بعد پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ حضرت خبیب ؓ کے گلے میں جب پھانسی کا پھندا ڈالا گیا تو اُنہوں نے چند شعر کہے جن کا ایک ایک لفظ جذبہ ایمانی سے لبریز تھا۔ اُنہوں نے کہا:^(۴)

^(۱) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۱۸۵ تا ۱۹۰

ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبرِ اعظم و آخر علیہ السلام ص ۵۳۳ تا ۵۳۵

^(۲) ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبرِ اعظم و آخر علیہ السلام ص ۵۳۳

^(۳) ابن خلدون (متوفی ۱۴۰۶ء)، تاریخ ابن خلدون، ج ۲ ص ۲۲۸

^(۴) مسٹر کے اے حمید، تاریخ مسلمانانِ عالم، ص ۷۷

میں اس مقتل میں بیڑیوں میں جکڑا ہوا ہوں
 قاتلوں نے مجھے ایک شہتیر کے پاس لاکھڑا کیا ہے
 کفار کا ایک جم غفیر میرے گرد جمع ہے
 میرا تماشا دکھانے کو عورتیں اور بچے بھی بلائے گئے ہیں
 یہ کہتے ہیں اگر میں کفر اختیار کروں
 تو میری جاں بخشی کر دیں گے
 میں تو کفر پر موت کو ترجیح دیتا ہوں
 میں موت سے نہیں ڈرتا
 مگر دوزخ کی آگ سے ڈرتا ہوں
 میں ان کے سامنے عاجزی کروں گا اور
 نہ ہی روؤں اور چلاؤں گا
 مجھے یقین ہے میں بارگاہ الہی میں حاضر ہونے جا رہا ہوں
 اے عرش کے مالک! تو مجھے اس مصیبت کبریٰ میں صبر عطا فرما
 ان کافروں نے میرے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے ہیں
 اور میں زندگی سے مایوس ہو چکا ہوں
 خدا کی قسم! میں اسلام پر فدا ہو رہا ہوں
 مجھے اس کی پروا نہیں کہ میں کس پہلو گر رہا ہوں
 اور کس طرح جان دیتا ہوں۔



المیہ بزمِ معونہ/سریہ منذر بن عمرو/سریہ القری

(صفر ۴ ہجری/ جولائی اگست ۶۲۵ء)

سریہ بزمِ معونہ غزوہٴ اُحد کے چار ماہ بعد ہجرت کے چوتھے سال ماہِ صفر میں واقع ہوا۔^①

امیرِ سریہ حضرت منذر بن عمروؓ کے نام سے اس کو سریہ المنذر بن عمرو بھی کہا جاتا ہے۔ سریہ القری بھی اسی سریہ کو کہتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ اس سریہ میں شامل اکثر اصحاب کو قراءِ صحابہ یعنی تعلیم یافتہ صحابہ کہا جاتا تھا۔ بزمِ معونہ بلادِ ہندیل کے ایک موضع کا نام ہے جو مکہ اور عسفان کے درمیان ہے۔ اس سریہ کی رُوداد سریہ رجب سے کافی مماثلت رکھتی ہے۔

روایت ہے کہ قبیلہ نجد و بنی عامر کا ایک شخص ابوراء عامر بن مالک، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے اُسے دعوتِ اسلام دی۔ اُس نے قبولِ اسلام کرنے کی بجائے دینِ اسلام کی تعریف کی اور کہا میں جانتا ہوں کہ آپ (ﷺ) کا دین مبارک اور حنیف (سچا) ہے، میری قوم بہت بڑی ہے اگر آپ (ﷺ) صحابہ کی ایک جماعت میرے ہمراہ بھیج دیں تو ممکن ہے کہ وہ دینِ اسلام کو قبول کر لیں۔

گویا اُس کا مطلب یہ تھا کہ میں تو چاہتا ہوں کہ آپ (ﷺ) کی دعوت قبول کر لوں لیکن مجھے اپنی قوم کا خیال ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجدی سرکشی کریں گے۔ ابوراء نے کہا کہ آپ (ﷺ) اس کا اندیشہ نہ فرمائیں میں کسی کو ایسا موقع نہ دوں گا کہ وہ آپ (ﷺ) کے صحابہ سے تعرض کریں۔ اس پر حضور ﷺ نے ستر اصحاب کو اور بروایت چالیس کو اور بقولے بیس سے تیس کو اُس کے ہمراہ روانہ کر دیا اور امیرِ سریہ حضرت منذر بن عمروؓ کو مقرر فرمایا۔^②

الغرض خوش کردار حفاظِ قرآن کی وہ جماعت روانہ ہو گئی یہاں تک کہ بزمِ معونہ نامی کنویں کے پاس پہنچ کر قیام کیا اور اپنے ایک ساتھی حزام بن ملحانؓ کو رسول اللہ ﷺ کا خط دے کر وہاں کے

① علامہ علی نقی نقوی، تاریخِ اسلام ص ۴۷۲، مراۃ الجنان للبیاضی مطبوعہ حیدرآباد دکن ج ۱ ص ۹

② علامہ علی نقی، تاریخِ اسلام ص ۴۵۲، ابوعبد اللہ محمد بن عمرو قادی (متوفی ۸۲۲ء)، المغازی للواقدی، ج ۱ ص ۷۳۴

سردار عامر بن طفیل کے پاس بھیجا۔ عامر بن طفیل، ابو براء عامر بن مالک کا بھتیجا تھا اور دین اسلام کا مخالف اور مسلمانوں کا سخت دشمن تھا۔ حزام بن ملحانؓ اُس کے پاس پہنچے تو وہ شقی القلب، قاصدِ رسول ﷺ کو دیکھتے ہی آگ بگولا ہو گیا اور تمام سفارتی اصول اور آداب بالائے طاق رکھتے ہوئے ایک شخص کو اشارہ کیا جس نے عقب سے نیزہ مارا جو اُن کے جسم کے آر پار ہو گیا۔

بروایت عامر بن طفیل نے خود حضرت حزامؓ کو شہید کیا پھر اپنے قبیلے کو اصحابِ رسول ﷺ سے جنگ کرنے پر اکسایا لیکن وہ آمادہ نہ ہوئے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ مسلمانوں کی یہ جماعت اس وقت ابو براءؓ کی امان میں ہے۔ پھر عامر بن طفیل نے دیگر قبائل سلیم، عصیہ، رعل اور ذکوان کو ساتھ ملا کر ایک لشکر تیار کیا اور جنگ کے لیے بزمعونہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ مسلمانوں نے بڑی جو اندازی اور ثابت قدمی سے اُن کا مقابلہ کیا لیکن بالآخر سب کے سب شہید ہو گئے۔^①

اُن شہداء کے دوست اُسی عمرو بن اُمیہ ضمری اور حارث بن صمہ اتفاق سے لڑائی کے وقت اُن کے ساتھ نہیں تھے۔ وہ دونوں کافی دُور چراگاہ میں اُن مویشیوں کو چرا رہے تھے جو وہ اپنے ساتھ لائے تھے۔ اُنہوں نے ایسے پرندوں کو فضا میں منڈلاتے دیکھا جو عموماً لاشوں پر جمع ہو جایا کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ پریشانی کے عالم میں اُس طرف بھاگے اور وہاں پہنچ کر اپنے تمام ساتھیوں کو خاک و خون میں آغشته پایا۔ عمرو نے کہا کہ ہمیں جاکر رسول اللہ ﷺ کو خبر کرنی چاہیے مگر حضرت حارثؓ نے ساتھ چلنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ میں تو اس سعادت سے محروم نہیں رہوں گا کہ اُسی میدان میں لڑتے ہوئے اپنی جان قربان کر دوں جہاں ہمارے ساتھی شہید ہوئے ہیں۔ چنانچہ اُنہوں نے کافروں کو لکارا اور دو کوئی النار کرتے ہوئے خود بھی شہید ہو گئے۔ عمرو بن اُمیہ مدینہ نہ جاسکے اور کافروں کے ہاتھوں اسیر ہو گئے۔ ایک روایت کے مطابق علامہ طبری کا بیان ہے کہ عمرو بن اُمیہ ہی نے مدینہ جاکر حضرت پیغمبر خدا ﷺ کو اس سانحہ کی اطلاع دی جس کا آنحضرت ﷺ کو بہت صدمہ ہوا اور مجسم ضبط و تحمل، رسول خدا ﷺ جو اپنے جسم اطہر پر

① شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۱۹۱ تا ۱۹۳

پتھروں کی بارش سہہ کر بھی دشمنوں کے لئے بددعا نہ کیا کرتے تھے اُن بے گناہوں کے قتل سے اتنے متاثر ہوئے کہ اُن کا خونِ ناحق بہانے والوں کے نام لے لے کر مدتوں اُن پر لعنت کرتے رہے۔^①

غزوہ بنی نضیر

(ربیع الاول ۴ ہجری / اگست ستمبر ۶۲۵ء)

یہ غزوہ ربیع الاول ۴ ہجری / اگست ستمبر ۶۲۵ء میں پیش آیا۔ یہودیوں کے ایک قبیلہ بنو نضیر کے نام کی نسبت سے اس غزوہ کو غزوہ بنو نضیر کہا جاتا ہے۔

شر پسند اور جنگجو بنو نضیر قلعوں میں رہتے تھے اور اُن کے پاس اسلحے کے بڑے بڑے ذخائر تھے۔ میثاقِ مدینہ کے پابند ہونے کے باوجود وہ قریش کے لئے مسلمانوں کی جاسوسی بھی کیا کرتے تھے اور اسی لئے راس المنافقین عبداللہ بن ابی کے حلیف بھی تھے۔ اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے لئے اُن کا وجود ایک مستقل خطرہ تھا کیونکہ وہ درپردہ سازشوں اور ریشہ دوانیوں میں مصروف رہتے تھے۔ جنگِ اُحد کے بعد وہ آنحضرت ﷺ کو شہید کرنے کا منصوبہ بنا رہے تھے کہ اسی دوران بنو عامر کے دو اشخاص کے خون بہا کی ادائیگی کے سلسلے میں آنحضرت ﷺ کو اُن کے پاس جانا پڑا، کیونکہ بنو نضیر ایک طرف مسلمانوں کے معاہدے تھے تو دوسری طرف بنو عامر کے بھی تھے۔

بروایت بنو عامر کے وہ مقتولین عمرو بن امیہ ضمری کے ہاتھوں قتل ہوئے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ اُن کے پاس تشریف لے گئے تو وہ بظاہر بڑے تپاک سے ملے لیکن حقیقت میں بہت خوش تھے کہ انہیں اپنے ناپاک منصوبے پر عمل کرنے کا ایک سنہری موقع ہاتھ آرہا تھا۔

انہوں نے آنحضرت ﷺ کو بہت احترام کے ساتھ ایک دیوار کے سائے میں بٹھایا اور ایک

① علامہ علی نقوی، تاریخ اسلام ص ۶۶۲ بحوالہ طبری و ابو عبد اللہ محمد بن عمرو و اقدی (متوفی ۸۲۲ء)، المغازی

شخص عمرو بن حجاج نُضری کو مامور کیا کہ وہ چھت پر چڑھ کر ایک بھاری پتھر آپ ﷺ پر گرائے تاکہ آپ ﷺ شہید ہو جائیں۔ آپ ﷺ کی پیغمبرانہ بصیرت نے اُن کے ارادے پہچان لئے چنانچہ آپ ﷺ فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے اور وہاں سے تشریف لے گئے۔

علامہ طبری لکھتے ہیں، ”جبرائیل امین (علیہ السلام) اُترے اور انہوں نے آپ ﷺ کو اطلاع دی کہ ان لوگوں نے آپ ﷺ کے خلاف یہ منصوبہ بنایا ہے۔“^(۱) ابن خلدون نے بھی ایسا ہی لکھا ہے، ”اللہ نے بذریعہ وحی اپنے پیغمبر ﷺ کو اس کی اطلاع دی۔“^(۲)

اپنے اس ناپاک منصوبے میں ناکام ہونے کے بعد انہوں نے ایک اور سازش تیار کی جس کا تانا بانا رجیع اور بر معونہ کے واقعات کی روشنی میں تیار کیا گیا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ پیغمبر خدا ﷺ اسلام کی ترویج و تبلیغ کے لئے ہمیشہ کوشاں رہتے ہیں اور اس سلسلے میں کوئی درخواست کی جائے تو اسے رد نہیں فرماتے، لہذا انہوں نے آپ ﷺ کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ ہم اپنے علمائے دین کا آپ ﷺ سے مناظرہ کرانا چاہتے ہیں، اس لئے آپ ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ تشریف لے آئیے۔ اگر آپ ﷺ ہمارے علماء کو جواب کر کے اسلام کی حقانیت ثابت کرنے میں کامیاب ہو گئے تو ہم سب مسلمان ہو جائیں گے۔ اُن کے درپردہ عزائم یہ تھے کہ اُن کے آدمی خنبروں وغیرہ سے مسلح ہو گئے جو دوران مناظرہ یکبارگی حملہ کر کے آپ ﷺ کو شہید کر دیں گے۔ آنحضرت ﷺ کو اس مرتبہ بھی اُن کے مذموم ارادے کی خبر ہو گئی اور آپ ﷺ اُن کے ہاں تشریف نہیں لے گئے۔

بنو نضیر کی روز افزوں بڑھتی ہوئی فتنہ انگیزیوں سے یہ ثابت ہو گیا تھا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ کئے گئے اپنے تحریری معاہدے (ميثاق مدینہ) سے روگردانی کر رہے ہیں جو صریحاً ایک قسم کی بغاوت تھی۔ پس آپ ﷺ نے اُن کی بغاوت کو فرو کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

^(۱) علامہ علی نقوی، تاریخ اسلام ص ۲۷۹ بحوالہ طبری

^(۲) ابن خلدون (متوفی ۱۴۰۶ء)، تاریخ ابن خلدون ج ۲ ص ۲۷۱

ادھر بنو نضیر نے بھی مسلمانوں پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنالیا، انہیں اس منصوبے میں قریش، عبد اللہ بن اُبی اور اپنے چند حلیف قبیلوں کی معاونت حاصل تھی۔ ایک قبیلہ بنو قریظہ، بنو نضیر کا ہم مذہب تھا۔ بنو نضیر اُس کے ساتھ بھی معاہدہ حلف کرنا چاہتے تھے حالانکہ وہ پہلے ہی یتھاقِ مدینہ کے تحت مسلمانوں کے حلیف تھے لیکن بنو نضیر کے ارادوں کے پیش نظر آنحضرت ﷺ نے پہل کر کے بنو قریظہ سے تجدید عہد کروالیا اور اس طرح بنو نضیر کو ایک دفعہ پھر منہ کی کھانی پڑی۔

آنحضرت ﷺ نے اُن کے خلاف کوئی تادیبی کارروائی کرنے سے پہلے اتمامِ حجت کے طور پر کہا کہ اپنے معاہدے کی تجدید کرو لیکن عبد اللہ بن اُبی کی شہہ اور مدد کے وعدے پر انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ چنانچہ یتھاقِ مدینہ کی حکم کھلا خلاف ورزی کرنے پر آپ ﷺ نے انہیں دس دن کے اندر اندر مدینہ سے نکل جانے کا حکم دے دیا۔^①

بروایتے انہوں نے یہ حکم منظور کر لیا تھا بلکہ اس پر عمل بھی شروع کر دیا تھا لیکن رئیس المنافقین عبد اللہ بن اُبی کے بھڑکانے پر انکار کر دیا اور جنگ کے لئے قلعہ بند ہو گئے۔^②

آنحضرت ﷺ اُن کی تادیب کے لئے ایک جماعت کو لے کر روانہ ہوئے۔ آپ ﷺ نے علم حضرت علی علیہ السلام کو دیا اور قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ یہودیوں نے قلعہ سے تیر برسائے شروع کر دیے، ایک تیر پیغمبر خدا ﷺ کے خیمے میں بھی آیا جس پر آپ ﷺ کا خیمہ وہاں سے دوسری جگہ منتقل کر دیا گیا۔ حضرت علی علیہ السلام اُن تیر اندازوں کو سبق سکھانے کے لئے متفکر تھے کہ اُن کے ایک ماہر تیر انداز عروار اور دو پہلوانوں کو ایک کمین گاہ سے برآمد ہوتے دیکھا۔ شیر خدا جناب علی علیہ السلام فوراً اُن پر حملہ آور ہوئے۔ آپ نے عروار کو قتل کیا اور اُس کا سر لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ باقی دونوں پہلوانوں کو آپ کے ساتھیوں نے جہنم رسید

① ذاکر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبرِ اعظم و آخرِ مرسلین ﷺ ص ۵۳۶

② شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۱۹۶

کر دیا۔ اس کے بعد کسی کو قلعہ سے نکلنے کی جرأت نہ ہوئی۔

عبداللہ بن اُبی اور بنو نضیر کے حلیف قبیلوں میں سے کسی کو بھی اُن کی مدد کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ جب کسی طرف سے کوئی کمک نہ ملی تو محصور رہتے رہتے وہ عاجز آ گئے اور پندرہ روز بعد ہتھیار ڈال کر جلا وطنی پر آمادہ ہو گئے۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت محمد بن مسلمہؓ کے ذریعے انہیں پیغام بھیجا کہ تین دن کے اندر اندر مدینہ سے نکل جاؤ۔ چنانچہ اُن میں سے کچھ لوگ شام اور وادی القریٰ کی طرف کوچ کر گئے اور باقی خیبر میں جا بسے جن میں ان کے سردار جی بن اخطب اور ابو رافع بن ابوحقیق وغیرہ بھی شامل تھے۔ بنو نضیر کے مدینہ بدر ہو جانے سے مدینے کا دفاع مضبوط تر ہو گیا اور مسلمانوں کو ایک مہلک مارِ آستین سے نجات مل گئی۔ بروایت یہ ہجرت کے چھتیس ماہ بعد ربیع الاول کا واقعہ ہے۔^(۱)

غزوہ ذات الرماح

(جمادی الاول ۴ ہجری / اکتوبر، نومبر ۶۲۵ء)

یہودی قبیلہ بنو نضیر کا فتنہ ابھی ختم ہوا ہی تھا کہ جمادی الاول ۴ ہجری میں بنو غطفان کے جنگجو قبائل، بنی محارب اور بنی ثعلبہ نے سر اٹھالیا۔ اُن کا ارادہ مدینہ کو تاخت و تاراج کرنے کا تھا۔ جناب رسول خدا ﷺ کو اُن کے ناپاک عزائم کی خبر ہوئی تو آپ ﷺ چار سو اور بروایت سات سو مجاہدین کے ساتھ اُن کی سرکوبی کے لئے نجد روانہ ہوئے، وہاں سے ذات الرماح پہنچے جہاں وہ تمام شہر پسند عناصر جمع تھے۔ جب انہیں آنحضرت ﷺ کی آمد کی خبر ہوئی تو وہ فرار ہو گئے اور جنگ کی نوبت نہیں آئی۔^(۲)

^(۱) سید محسن امین عاملی (متوفی ۱۹۵۳ء)، اعیان الشیعہ، ج ۲ ص ۲۱۱

^(۲) ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر ﷺ ص ۵۴۱

ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ ہجرت کے تیسرے سال محرم میں اور بروایت بارہ ربیع الاول کو بھی ایک غزوہ واقع ہوا تھا جس کو غزوہ ذی امر، غزوہ بنی ام، غزوہ انمار اور غزوہ غطفان بھی کہا جاتا ہے۔^(۱)

ذی امر، قبیلہ غطفان کے ایک چشمہ کا نام تھا اور اسی نسبت سے ابن سعد نے طبقات میں اس غزوہ کا نام غزوہ غطفان لکھا ہے۔^(۲)

اس غزوہ میں نجد کے قبیلہ غطفان کے دو گروہوں، بنی ثعلبہ اور بنی محارب نے اپنے سردار ”ذعشور غطفان“ اور بقولے خطیب بغدادی، ”غوث“ کی سرکردگی میں مدینہ پر حملہ کا منصوبہ بنایا۔ وہ لوگ نجد کے علاقے مقام ذی امر میں جمع ہو کر غارت گری کی تیاریوں میں ابھی مصروف ہی تھے کہ رسول اللہ ﷺ کو ان کے عزائم کی خبر ہو گئی اور آپ ﷺ محرم ۳ ہجری / جون ۶۲۴ء میں چار سو اور بقولے چار سو پچاس مجاہدین کے ساتھ ان کی سرکوبی کے لئے نجد تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ کی اس غیر متوقع پیش قدمی سے وہ لوگ گھبرا کر بھاگ گئے اور پہاڑوں میں روپوش ہو گئے۔ غزوہ ذی امر، غزوہ بنی ام، غزوہ انمار یا غزوہ غطفان وغیرہ اور غزوہ ذات الرقاع کے حالات و واقعات اور کردار یعنی قبیلہ ایک ہی ہیں۔ تاریخ میں ان دونوں غزوات کا ذکر آیا ہے۔ ہو سکتا ہے دونوں غزوات دراصل ایک ہی ہوں جنہیں مختلف ناموں کے ساتھ مختلف ادوار میں بیان کیا گیا ہو یا واقعی دونوں غزوات الگ ہوں۔ (واللہ اعلم)

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی مُحَمَّدٍ



^(۱) ابن ہشام، سیرۃ النبی ﷺ۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۱۴۶

^(۲) سید محسن امین عالمی (متوفی ۱۹۵۳ء)، اعیان الشیعہ، ج ۲ ص ۷۸، علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۲۱۹

ولادتِ امام حسین علیہ السلام

۳ شعبان ۴ ہجری (۷ جنوری ۶۲۶ء)

اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور کے سابق وائس چانسلر ڈاکٹر نصیر احمد ناصر صاحب لکھتے ہیں:

”یوں تو سارے بچے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیارے تھے لیکن حضرت فاطمہ الزہرا (علیہا السلام) اور حضرت علی (علیہ السلام) کی طرح اُن کی اولاد بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب تھی۔ اس حوالے سے سنہ ۴ ہجری کا اہم واقعہ ۵ شعبان کو حضرت امام حسین (علیہ السلام) کی ولادتِ سعید ہے جن کی قسمت میں شہادتِ عظمیٰ لکھی تھی۔^①

امام شیعنی لکھتے ہیں کہ ولادت کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امام حسین علیہ السلام کی آنکھوں میں لعاب دہن مبارک لگایا اور اپنی زبان اُن کے منہ میں دے کر بڑی دیر تک چساتے رہے۔ اس کے بعد دائیں کان میں اذان اور بائیں میں اقامت کہی پھر دعائے خیر فرما کر حسین نام رکھا۔^②

حسین (علیہ السلام) نام رکھنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ علیہا السلام سے فرمایا کہ بیٹی جس طرح حسن (علیہ السلام) کا عقیقہ کیا گیا تھا اُسی طرح حسین (علیہ السلام) کے عقیقہ کا بھی انتظام کرو اور جس طرح حسن (علیہ السلام) کے بالوں کے ہم وزن چاندی تصدق کی گئی تھی اُسی طرح حسین (علیہ السلام) کے بالوں کے ہم وزن چاندی تصدق کرو۔ چنانچہ ایک مینڈھا منگوایا گیا اور رسمِ عقیقہ ادا کی گئی۔^③

علامہ نجم الحسن کراوی صاحب بحوالہ علامہ حسین واعظ کاشفی رقمطراز ہیں کہ امام حسین علیہ السلام کی ولادت کے بعد خلاقِ عالم نے جبرائیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ زمین پر جا کر میرے حبیب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو میری طرف سے حسین (علیہ السلام) کی ولادت پر مبارکباد دو اور ساتھ ہی ساتھ اُن کی شہادتِ عظمیٰ سے بھی اُنہیں مطلع کر کے تعزیت ادا کرو۔ جناب جبرائیل علیہ السلام بحکمِ ربِّ جلیل

① ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبرِ اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وسلم ص ۵۳۶

② علامہ نجم الحسن کراوی، چودہ ستارے ص ۲۱۳ بحوالہ نور الابصار ص ۱۱۳

③ علامہ نجم الحسن کراوی، چودہ ستارے ص ۲۱۳ بحوالہ مطالب السؤل ص ۲۱۳

زمین پر وارد ہوئے اور انہوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچ کر تہنیت اور تعزیت پیش کی۔^①

اُم الفضلؓ سے روایت ہے کہ ایک دن میں بچہ کو لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو آپ ﷺ نے اُسے آغوش میں لے کر پیار کیا اور پھر رونے لگے۔ میں نے رونے کا سبب پوچھا تو فرمایا کہ ابھی ابھی جبرائیل میرے پاس آئے اور بتایا کہ یہ بچہ اُمت کے ہاتھوں نہایت ظلم و ستم سے شہید ہوگا۔ اور اے اُم الفضل وہ مجھے اس کے مقتل کی سُرُخ مٹی بھی دے گئے ہیں۔^② پھر فرمایا کہ یہ بات فاطمہ (علیہا السلام) سے کوئی نہ کہے ورنہ وہ سخت پریشان ہوں گی۔

ملا جامی لکھتے ہیں کہ اُم المومنین حضرت اُم سلمہؓ نے بیان کیا کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ میرے گھر اس حال میں تشریف لائے کہ آپ ﷺ کے سر مبارک کے بال بکھرے ہوئے تھے اور چہرے پر گرد پڑی ہوئی تھی۔ میں نے آپ ﷺ کو اس پریشان حالی میں دیکھ کر پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ! کیا بات ہے؟ فرمایا، ابھی ابھی جبرائیل مجھے عراق کے مقام کربلا میں لے گئے تھے۔ وہاں میں نے حسین کا مقتل دیکھا۔ میں اُس جگہ سے یہ مٹی لایا ہوں۔ اے اُم سلمہ! اسے اپنے پاس محفوظ رکھو، جب یہ خون ہو جائے تو سمجھنا کہ میرا حسین شہید ہو گیا۔^③

آپ ۱۰ محرم (۶۱ ہجری) کو کوفہ و دجلہ کے درمیان کربلا کے میدان میں شہید ہوئے۔^④ آپ کو ابوالآئمہ ثانی بھی کہا جاتا ہے کیونکہ آپ کی نسل پاک سے نو امام (علیہم السلام) متولد ہوئے۔

رضاعتِ امام حسین علیہ السلام

روایت ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے ولادت کے بعد کبھی اپنی والدہ محترمہ یا کسی دانی کا دودھ نوش نہیں کیا۔ جب آپ بھوکے ہوتے تو جناب سرور انبیاء ﷺ تشریف لاتے اور اپنی زبان

① علامہ نجم الحسن کراوی، چودہ ستارے ص ۲۱۴

② مشکوٰۃ ج ۸ ص ۱۴۰ طبع لاہور، مسند امام رضا ص ۳۸

③ مولانا نور الدین عبدالرحمن جامی (متوفی ۱۴۹۲ء)، شواہد النبوت ص ۱۷۷

④ اکمال فی اسماء الرجال در مشکوٰۃ (اردو) ج ۳ ص ۳۳۶

مبارک آپ کے دہن اقدس میں دے دیتے اور آپ اُسے چوستے رہتے یہاں تک کہ سیر و سیراب ہو جاتے۔ پس معلوم ہونا چاہیئے کہ آپ کی پرورش لعاب دہن رسول ﷺ سے ہوئی اور یہی وجہ ہے کہ آپ رسول کریم ﷺ سے بہت مشابہہ تھے۔^(۱)

شہزادوں کے نام حضور ﷺ نے خود رکھے

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں، ”جب حسن (علیہ السلام) پیدا ہوا تو اُس کا نام حمزہ رکھا گیا اور جب حسین (علیہ السلام) پیدا ہوا تو اُس کا نام اُس کے چچا کے نام پر جعفر رکھا گیا۔ مجھے نبی اکرم ﷺ نے بلا کر فرمایا کہ مجھے ان کے نام تبدیل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ اللہ اور اُس کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں۔ پس آپ ﷺ نے اُن کے نام حسن (علیہ السلام) اور حسین (علیہ السلام) رکھے۔“^(۲)

حسنین علیہ السلام کے نام اللہ نے حجاب میں رکھے تھے

مفضل سے روایت ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے حسن اور حسین (علیہ السلام) کے ناموں کو حجاب میں رکھا یہاں تک کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنے بیٹوں کا نام حسن اور حسین (علیہ السلام) رکھا۔^(۳)

حسنین علیہ السلام کے نام اہل جنت کے نام ہیں

عمران بن سلیمان سے روایت ہے کہ حسن اور حسین (علیہ السلام) اہل جنت کے ناموں میں سے دو نام ہیں جو کہ دورِ جاہلیت میں پہلے کبھی نہیں رکھے گئے۔^(۴)

(۱) علامہ نجم الحسن کراوی، چودہ ستارے ص ۲۱۴ بحوالہ نور الابصار، ص ۱۱۳

(۲) احمد بن حنبل، المسند: ۱۵۹، ابویعلیٰ (متوفی ۹۱۹ھ)، المسند: ۱، ۳۸۴، حاکم، المستدرک، ۳۰۸: ۳۔

ابن عساکر (متوفی ۱۱۷۵ھ)، تاریخ دمشق الکبیر: ۱۱۶: ۷، ذہبی، سیر اعلام النبلاء: ۳: ۲۴

(۳) علی بن محمد ابن اثیر الجزیری (متوفی ۸۳۸ھ)، اسد الغابۃ فی معرفة الصحابة: ۲: ۲۵، نووی، مہذب الاسماء: ۲۸: ۱

(۴) ابن حجر مکی (متوفی ۹۷۴ھ)، الصواعق المحرقة: ۱۶۲، علی بن محمد ابن اثیر الجزیری (متوفی ۸۳۸ھ)، اسد الغابۃ فی

حضور ﷺ نے فرمایا حسنین علیہ السلام میرے بیٹے ہیں

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نے حسن و حسین (علیہ السلام) کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا، ”یہ میرے بیٹے ہیں۔“^(۱)

حضور ﷺ نے فرمایا میں ہی ان کا نسب ہوں

سیدۃ النساء العالمین جناب فاطمہ زہراء علیہا السلام سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ہر عورت کے بیٹوں کا خاندان ہوتا ہے جس کی طرف وہ منسوب ہوتے ہیں ماسوائے فاطمہ (علیہا السلام) کی اولاد کے، پس میں ہی اُن کا ولی ہوں اور میں ہی اُن کا نسب ہوں۔^(۲)

حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ سے بھی مروی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ہر ماں کے بیٹوں کا آبائی خاندان ہوتا ہے جس کی طرف وہ منسوب ہوتے ہیں سوائے فاطمہ (علیہا السلام) کے بیٹوں کے، پس میں ہی اُن کا ولی اور میں ہی اُن کا نسب ہوں۔^(۳)

حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ہر عورت کے بیٹوں کی نسبت اُن کے باپ کی طرف ہوتی ہے ماسوائے فاطمہ (علیہا السلام) کی اولاد

^(۱) ذہبی، سیر اعلام النبلاء ۳: ۲۸۴۔ حافظ دیلمی (متوفی ۵۵۸ ہجری)، کتاب الفردوس، ۳۶: ۳۳۔

ابن جوزی، صفوۃ الصفوۃ ۱۵: ۶۳۔

^(۲) حافظ ابی القاسم سلیمان بن احمد طبرانی (متوفی ۳۶۰ ہجری)، المعجم الکبیر ۲۲: ۴۲۳۔

ابویعلیٰ (۹۱۹ ہجری)، المسند ۱۲: ۱۰۹۔ پیشی، مجمع الزوائد ۴: ۲۲۴۔ حافظ دیلمی (متوفی ۵۵۸ ہجری)، کتاب

الفردوس ۳: ۲۶۴۔ خطیب بغدادی (متوفی ۱۰۷۱ء)، تاریخ بغداد ۱۵: ۲۸۵۔ عجلونی، کشف الخفا ۲: ۱۵۷۔

^(۳) حاکم، المستدرک ۳: ۱۷۹۔ ابویعلیٰ (۹۱۹ ہجری)، المسند ۲: ۱۰۹۔

حافظ ابی القاسم سلیمان بن احمد طبرانی (متوفی ۳۶۰ ہجری)، المعجم الکبیر ۳: ۴۴۔

کے، کہ میں ہی اُن کا نسب ہوں اور میں ہی اُن کا باپ ہوں۔^(۱)

حضرت عمر بن خطابؓ ہی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ قیامت کے دن میرے حسب و نسب کے سواء ہر سلسلہ منقطع ہو جائے گا۔ ہر بیٹے کی باپ کی طرف نسبت ہوتی ہے ماسوائے اولادِ فاطمہ (علیہا السلام) کے، کہ اُن کا باپ بھی میں ہوں اور اُن کا نسب بھی میں ہی ہوں۔^(۲)

آنحضرت ﷺ سے امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام کی مشابہت حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ لوگوں میں حسین علیہ السلام سے زیادہ کوئی آنحضرت ﷺ سے مشابہت نہیں رکھتا تھا۔^(۳) حضرت ابو جحیفہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا ہے۔ حسن بن علی علیہ السلام آپ ﷺ سے مشابہ تھے۔^(۴)

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ حسن علیہ السلام سینے سے سر تک آنحضرت ﷺ کے سب سے زیادہ مشابہ تھے اور حسین علیہ السلام سینے سے نیچے۔^(۵)

حضرت علی علیہ السلام ہی سے روایت ہے کہ جس شخص کی یہ خواہش ہو کہ وہ لوگوں میں ایسی ہستی کو دیکھے جو چہرے سے گردن تک حضور نبی کریم ﷺ کی سب سے کامل شبیہ ہو تو وہ حسن بن علی (علیہ السلام)

① حافظ ابی القاسم سلیمان بن احمد طبرانی (متوفی ۳۶۰ ہجری)، المعجم الکبیر ۳: ۴۴۔

یثی، مجمع الزوائد ۴: ۲۲۴۔ شوکانی، نیل الاوطار ۶: ۱۳۹۔ صنعانی، سبل السلام

② احمد بن حنبل، فضائل الصحابہ ۲: ۶۲۶۔ حافظ ابی القاسم سلیمان بن احمد طبرانی (متوفی ۳۶۰ ہجری)،

المعجم الاوسط ۶: ۳۶۷۔ حافظ ابی القاسم سلیمان بن احمد طبرانی (متوفی ۳۶۰ ہجری)، المعجم الکبیر

۳: ۴۴۔ حسینی، البیان والتعریف ۲: ۱۴۵۔ بیہقی، السنن الکبریٰ ۷: ۶۴۔ یثی، مجمع الزوائد ۴: ۲۷۲

③ جامع ترمذی ج ۲ حدیث نمبر ۳۵۴۶

④ جامع ترمذی ج ۲ حدیث نمبر ۳۵۴۷

⑤ جامع ترمذی ۵: ۶۲۰۔ احمد بن حنبل، المسند ۱: ۹۹۔ ابن حبان، الصحیح ۱۵: ۴۳۰

کو دیکھ لے اور جس شخص کی یہ خواہش ہو کہ وہ لوگوں میں ایسی ہستی کو دیکھے جو گردن سے ٹخنوں تک رنگت اور صورت دونوں میں حضور نبی کریم ﷺ کی سب سے کامل شبیہ ہو تو وہ حسین بن علی (علیہ السلام) کو دیکھ لے۔^①

حسین علیہ السلام وارثانِ اوصافِ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہیں

جناب خاتونِ جنت سیدہ فاطمہ زہراء علیہا السلام سے روایت ہے کہ وہ اپنے بابا حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الوصال کے دوران حسن علیہ السلام اور حسین علیہ السلام کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حسن (علیہ السلام) میری ہیئت و سرداری کا وارث ہے اور حسین (علیہ السلام) میری جرأت و سخاوت کا۔^②

حسین علیہ السلام تمام جنتی جوانوں کے سردار ہیں

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، حسن (علیہ السلام) اور حسین (علیہ السلام) تمام جوانانِ جنت کے سردار ہیں۔^③

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، حسن (علیہ السلام) اور حسین (علیہ السلام) جنتی جوانوں کے سردار ہیں۔^④

یہ حدیث مبارکہ متعدد صحابہ کرام سے متعدد احادیث کی کتب میں روایت کی گئی ہے۔

① حافظ ابی القاسم سلیمان بن احمد طبرانی (متوفی ۳۶۰ ہجری)، المعجم الکبیر ۹۵:۳

② ابن حجر مکی، الصواعق المحرقة ۵۶۰:۲۔ طبرانی، المعجم الکبیر ۲۲:۲۳۳۔ شوکانی، درالسحابہ ۳۱۰

③ بزار، المسند ۱۰۲:۳۔ طبرانی، المعجم الکبیر ۳۶:۳۔ بیہقی، مجمع الزوائد ۱۸۲:۹

④ ترمذی، ۶۵:۵۔ نسائی، السنن الکبریٰ ۵۰:۵۔ احمد بن حنبل، المسند ۳:۳۔ حاکم، المستدرک ۱۸۲:۳

حسنین علیہ السلام سے محبت کرنا واجب ہے

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے مجھ سے محبت کی، اُس پر لازم ہے کہ وہ ان دونوں (حسن علیہ السلام اور حسین علیہ السلام) سے بھی محبت کرے۔^①
یہ حدیث مبارکہ کئی جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے متعدد کتب احادیث میں روایت کی گئی ہے۔

حسنین علیہ السلام سے بغض رکھنے والا مبغوض ہے

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا، جس نے حسن و حسین (علیہ السلام) سے بغض رکھا اُس نے مجھ سے بغض رکھا، اور جس نے مجھ سے بغض رکھا وہ اللہ کے ہاں مبغوض ہو گیا اور جو اللہ کے ہاں مبغوض ہوا، اُسے اللہ نے آگ میں داخل کر دیا۔^②

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حسنین علیہ السلام کی خاطر منبر سے نیچے تشریف آوری

حضرت ابو بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم (مسجد میں) خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ اتنے میں حسنین کریمین علیہ السلام تشریف لائے، انہوں نے سرخ رنگ کی قمیضیں پہنی ہوئی تھیں اور وہ (صغریٰ کی وجہ سے) لڑکھڑا کر چل رہے تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (انہیں دیکھ کر) منبر سے نیچے تشریف لائے، دونوں شہزادوں کو اٹھایا اور اپنے سامنے بٹھالیا، پھر فرمایا میں نے ان بچوں کو لڑکھڑا کر چلتے دیکھا تو مجھ سے نہ رہا گیا حتیٰ کہ میں نے اپنی بات کاٹ کر انہیں اٹھالیا۔^③

حسنین علیہ السلام پشتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز ادا کر رہے تھے تو حسن و حسین علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت مبارک پر سوار ہو گئے۔ لوگوں نے اُن کو منع کیا تو آپ

① نسائی، السنن الکبریٰ ۵: ۵۰۔ ابن خزیمہ، الصحيح ۲: ۳۸۔ بیہقی، مجمع الزوائد ۹: ۱۷۹

② حاکم، المستدرک ۳: ۱۸۱۔ ابی القاسم سلیمان بن احمد طبرانی (متوفی ۳۶۰ھ)، المعجم الکبیر ۳: ۵۰

③ ترمذی، الجامع الصحيح ۵: ۶۵۸۔ نسائی، السنن ۳: ۱۹۲۔ احمد بن حنبل، المسند ۵: ۳۴۵۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن

ﷺ نے فرمایا ان کو چھوڑ دو، ان پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔^(۱)

یہ حدیث مبارکہ کئی مشہور و معروف کتب میں الفاظ کی کمی بیشی کے ساتھ متعدد صحابہ کرام ؓ سے روایت کی گئی ہے لیکن مفہوم سب کا تقریباً ایک جیسا ہی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی طوالتِ سجدہ

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ حضور رسالت مآب ﷺ سجدے میں ہوتے تو حسن یا حسینؓ آتے اور آپ ﷺ کی کمر مبارک پر سوار ہو جاتے جس کے باعث آپ ﷺ سجدوں کو لمبا کر لیتے۔ ایک موقع پر آپ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ کیا آپ ﷺ نے سجدوں کو طویل کر دیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ پر میرا بیٹا سوار تھا اس لئے جلدی کرنا (سجدے سے سرائٹھانا) اچھا نہ لگا۔^(۲)

کیا اچھے سوار ہیں

حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت ہے کہ میں نے حسن و حسینؓ (علیہ السلام) کو حضور نبی کریم ﷺ کے کندھوں پر (سوار) دیکھا تو حسرت بھرے لہجے میں کہا کہ آپ کے نیچے کتنی اچھی سواری ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جواباً ارشاد فرمایا، ذرا یہ بھی دیکھو کہ سوار کتنے اچھے ہیں۔^(۳)

احمد بن حنبل نے المسند میں اور حاکم نے المستدرک میں اس حدیث کو حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی مُحَمَّدٍ



^(۱) طبرانی المعجم الكبير ۳: ۳۴، ابن حبان، الصحيح ۱۵: ۳۲۶، ابن ابی شیبہ، المصنف ۶: ۳۴۸۔

^(۲) ابویعلیٰ (۵۹۱۹)، المسند ۶: ۱۵۰، ہیثمی، مجمع الزوائد ۹: ۱۸۱۔

^(۳) بزار، المسند ۱: ۳۱۸، ہیثمی، مجمع الزوائد ۹: ۱۸۱، شوکانی، در المسحابة فی مناقب القابة و الصحابة ۳۰۸، ابن عدی، الكامل ۲: ۳۶۲۔

حُرْمَتِ شَرَاب

بروایتے ۴ ہجری میں اور بقول ۶ ہجری میں اور ایک قول کے مطابق ۸ ہجری میں شراب کو حرام قرار دیا گیا۔^(۱) اسلام سے پہلے، لوگ کئی طرح کی بُری عادات میں اس طرح مبتلا تھے کہ وہ بُری عادات میں معاشرے کا ایک جزو بن گئے تھے۔ رسول گرامی ﷺ نے اُس معاشرتی بگاڑ کو سنوارنے کے لئے اور اُن عادتوں کے تدارک کے لئے ایک حکیم حاذق کی طرح بیماری کی نوعیت کے حساب سے قوم کو علاج فراہم کیا۔ یہ ایک طے شدہ حقیقت ہے کہ عادات کو ترک کرنا آسان نہیں ہوتا جبکہ نشے جیسی عادت کو چھوڑنا تو مشکل ترین عوامل میں سے ایک ہے۔ شراب نوشی کی عادت اسلام سے پہلے عرب معاشرے میں اس طرح سرایت کر چکی تھی کہ معزز طبقے کے اکثر لوگوں میں اس کا استعمال جمالیاتی ذوق کا آئینہ دار سمجھا جانے لگا۔ چنانچہ اس شیطانی تصور کو ذہنوں سے مٹانے کے لئے رسول اللہ ﷺ نے مرحلہ وار ذہنی تربیت کا آغاز کیا اور لوگوں پر یہ حقیقت آشکار کی کہ شراب حسین نہیں بلکہ کرمیہ ہے لہذا اسے جمالیاتی ذوق کا آئینہ دار سمجھنا محض ایک فریبِ نظر ہے۔ جیسا کہ ارشادِ خداوند متعال ہوا:^(۲)

وَمِنْ ثَمَرَاتِ النَّخِيلِ وَالْأَعْنَابِ تَتَّخِذُونَ مِنْهُ سَكَرًا وَرِزْقًا حَسَنًا ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿۱۶﴾

(کھجور اور انگور کے پھلوں سے بھی جن سے تم نشہ آور عرق بھی بنا لیتے ہو اور بہترین رزق بھی ہیں یقیناً اس میں ایک نشانی ہے اُن لوگوں کے لئے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔)

یعنی کھجور اور انگور کے پھلوں سے جو تم نشہ آور عرق بنا لیتے ہو، اُس سے بہتر رزق بھی موجود ہے اگر تم سمجھ سکو تو، اور اس بات میں عقل والوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں۔

اس آیت مبارکہ کے ذریعے اُن لوگوں پر جو اسے ایک جمیل اور لطیف شے سمجھتے تھے یہ واضح کر دیا

^(۱) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۲۰۳

^(۲) سورة النحل، آیت ۶۷

کہ نہ یہ حسین ہے اور نہ لطیف ہی ہے بلکہ ایک نشہ آور عرق ہے جو عقل و دانش کو گمراہی کے اندھیروں میں دھکیل دیتا ہے جبکہ لطیف و حسین اور بہترین رزق تو کچھ اور ہے جسے وہی جان سکتے ہیں جو عقل والے ہیں۔ اس کی صراحت کے لئے قرآن حکیم نے اور واضح تراکیب و اسالیب کے ذریعے یوں سمجھایا: ①

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ط قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۚ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا ط

① (اے میرے نبی ﷺ!) لوگ آپ (ﷺ) سے شراب اور جوئے کے متعلق دریافت کرتے ہیں، کہہ دیجئے کہ ان میں بڑا نقصان (یا گناہ) ہے اگرچہ ان میں لوگوں کے لئے کچھ فائدے بھی ہیں مگر ان کا نقصان (یا گناہ) ان کے فائدے سے بہت بڑا ہے)

یعنی اب یہ بتایا کہ اگرچہ شراب میں کچھ لوگوں کے لئے چند فوائد بھی ہیں لیکن سمجھ لو کہ یہ کام ہے نقصان اور گناہ کا، اب تمہاری مرضی کہ تھوڑے سے فائدے کے لئے بہت بڑے نقصان یا گناہ کا سودا کرو یا اس سے بچو۔ بالفاظ دیگر ایک کوڑھ مغز اور بد ذوق شخص ہی تھوڑے سے فائدے پر بہت بڑے نقصان کو ترجیح دے گا۔ ایسا شخص اہل دانش میں شمار ہو سکتا ہے نہ اہل ذوق میں۔

تیسرے مرحلے پر مسلمانوں پر یہ پابندی لگا دی کہ خبردار! تمہیں اس کی اجازت نہیں کہ کسی قسم کا نشہ کرو اور پھر نشہ کی حالت میں نماز کے قریب جاؤ، چنانچہ ارشادِ خالق ہوا: ②

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَرَى حَتَّى تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ
(اے ایمان والو۔ نماز کے قریب مت جاؤ جب تم نشہ کی حالت میں ہو یہاں تک کہ (نشہ اتر جائے اور) تمہیں معلوم ہو کہ تم کیا کہہ رہے ہو....؟)

یہ پابندی کوئی معمولی نہیں تھی۔ اس سے ترک نماز کا ارتکاب ہوتا تھا جو کہ ایک گناہ کبیرہ ہے۔

① سورة البقرة، آیت ۲۱۹

② سورة النساء، آیت ۴۳

چوتھے اور آخری مرحلے پر شراب نوشی کو ایک شیطانی عمل قرار دے کر اس سے صریحاً منع فرمادیا، پس خداوند متعال نے بڑی وضاحت کے ساتھ فرمادیا: ^①

إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ ۖ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ ۙ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَاحْذَرُوا ۚ فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَأَعْلَبُوا إِنَّمَا عَلَى رَسُولِنَا الْبَلْغُ الْمُبِينُ ۙ لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ قِيمَا طَعَبُوا إِذَا مَا اتَّقَوْا وَآمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَآمَنُوا ثُمَّ اتَّقَوْا وَأَحْسَنُوا ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۙ

(شیطان تو بس یہی چاہتا ہے کہ تمہارے درمیان شراب اور جوئے کے ذریعہ سے بغض و عداوت ڈالے۔ اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے باز رکھے (روکے)۔ کیا اب تم (ان چیزوں سے) باز آؤ گے؟ اور اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول (ﷺ) کی اور (نافرمانی سے) بچتے رہو اور اگر تم نے روگردانی کی تو پھر تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ہمارے رسول (ﷺ) کے ذمہ تو صرف واضح طور پر (ہمارا پیغام) پہنچا دینا ہے اور بس۔ جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے اُن پر اس میں کوئی گناہ نہیں ہے کہ جو وہ (پہلے) کھاپی چکے ہوں۔ جبکہ (اب) پرہیز کریں اور ایمان لائیں اور نیک عمل کریں۔ اور پھر اس ایمان و پرہیز پر قائم و ثابت قدم بھی رہیں اور پھر تمام برے کاموں سے پرہیز کرتے رہیں اور نیکیاں کرتے رہیں اور اللہ نیک عمل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے)

مندرجہ بالا احکامات الہی سورۃ المائدہ کی متواتر تین آیات کے ہیں جن میں پروردگار نے تسلسل کے ساتھ فرمایا کہ:

۱۔ شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ تمہارے درمیان شراب وغیرہ کے ذریعے بغض و عداوت ڈالے اور

تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے باز رکھے۔

یعنی شراب نوشی کو ایک شیطانی فعل قرار دیتے ہوئے آگاہ کیا کہ یہ بغض و عداوت کا سبب بھی ہے اور اللہ کی یاد سے غافل کرنے کا ذریعہ بھی۔

۲۔ پھر فرمایا کہ کیا یہ جان لینے کے بعد تم ایسی بُری چیز سے باز آؤ گے؟ اور میں اور میرا رسول ﷺ جو تمہیں اس سے منع کرتے ہیں تو کیا تم ہماری اطاعت کرو گے اور ہماری نافرمانی سے بچتے رہو گے؟

۳۔ پھر تنبیہ کر دی کہ اگر تم باز نہ آئے اور نافرمانی کی تو تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ہمارے رسول ﷺ کے ذمہ تو صرف واضح طور پر ہمارا پیغام پہنچادینا ہی ہے اور بس۔
یعنی اُن کا کام تھا کہ تمہیں اچھے بُرے کی تمیز کرادینا اب تمہاری مرضی کہ اس پر عمل کر کے صالح اور پرہیزگار بندوں میں شامل ہو جاؤ یا نافرمان اور گمراہ لوگوں میں۔

۴۔ ساتھ ہی یہ وضاحت بھی فرمادی کہ جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے اُن پر اُس میں کوئی گناہ نہیں ہے جو وہ (پہلے) کھاپی چکے ہوں جبکہ (اب) پرہیز کریں اور ایمان لائیں اور نیک عمل کریں اور پھر اس ایمان و پرہیز پر قائم و ثابت قدم بھی رہیں اور پھر تمام برے کاموں سے پرہیز کرتے رہیں اور نیکیاں کرتے رہیں اور اللہ نیک عمل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

□ یعنی اہل ایمان اس حکم سے پہلے اگر شراب نوشی کرتے رہے ہیں تو اُس پر انہیں کوئی گناہ نہیں ہوگا، البتہ یہ ضروری ہے کہ وہ آئندہ اس سے اجتناب کریں اور ثابت قدم رہیں کیونکہ اللہ انہی لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو پرہیزگار اور عمل صالح کرنے والے ہوتے ہیں۔

اب اتنی وضاحت اور صراحت کے باوجود بھی کوئی یہ کہے کہ قرآن میں کہیں شراب کی ممانعت نہیں کی گئی تو ایسے لوگوں کی عقل پر ماتم کرنے کے سوا اور کیا کیا جاسکتا ہے؟



حضرت اُمّ سلمہؓ سے نکاح

(شوال ۴ ہجری / مارچ ۶۲۶ء)

جناب رسول کریم ﷺ نے شوال ۴ ہجری میں حضرت اُمّ سلمہؓ سے نکاح فرمایا۔^①

غزوہ بدر الموعدا بدر الاخریٰ

(ذیقعد ۴ ہجری / اپریل ۶۲۶ء)

جنگِ اُحد کے اختتام پر سالارِ قریش ابوسفیان نے رسول اللہ ﷺ کو چیلنج دیا تھا کہ اگلے سال بدر کے میدان میں پھر مقابلہ ہوگا۔^② رسول اکرم ﷺ نے اُس کی دعوتِ مبارزت کو قبول کر لیا تھا چنانچہ اُسی للکار کے جواب میں یکم ذیقعدہ کو ہجرت کے ۴۵ ماہ بعد^③ اور بروایتِ ماہِ شعبان میں، آپ ﷺ لشکرِ اسلام کے ساتھ بدر کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ ﷺ نے لشکر کا علم حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کو دیا۔^④ ابوسفیان بھی غالباً اس خیال سے کہ جنگِ اُحد کی ہولناکیوں کے بعد مسلمانوں کو جنگ کی ہمت نہیں ہوگی اور وہ بدر میں نہیں آئیں گے لہذا اس طرح ہم بغیر لڑے ہی کامیاب و کامران ہو جائیں گے، اپنی فوج کے کمرے سے نکلا۔ ظہران پہنچ کر اُسے اپنے خبروں سے اطلاع ملی کہ رسول خدا ﷺ اپنا لشکر لے کر کوچ کر چکے ہیں اور جنگ کے لئے بالکل تیار ہیں تو اُس کی اُمیدوں پر پانی پھر گیا۔ اُسے پیش قدمی کی جرأت نہ ہوئی اور وہیں سے واپس پلٹ گیا۔ آنحضرت ﷺ نے بدر میں ایک ہفتہ تک قیام فرمایا اور سولہ دن بعد مدینہ منورہ واپس تشریف لائے۔^⑤

① ذاکر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبرِ اعظم و آخر ﷺ، ص ۵۴۲

② ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری، ج ۲ حصہ اول ص ۱۸۸

③ محمد بن عمرو واقدی (متوفی ۸۲۲ء)، المغازی للواقدی ص ۳۴۸۔ علامہ علی نقوی، تاریخ اسلام ص ۲۸۱

④ محمد بن عمرو واقدی، المغازی للواقدی ص ۳۸۴۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مدارج النبوت ج ۲ ص ۲۰۸

⑤ علامہ علی نقوی، تاریخ اسلام ص ۲۸۲

وفات حضرت فاطمہ بنت اسد

(۴۵ ہجری / سنہ ۶۲۶ء)

ہجرت کے چار یا پانچ سال بعد سنہ ۶۲۶ء میں آنحضرت ﷺ کو ماں بن کر پالنے والی عظیم ہستی حضرت فاطمہ بنت اسد بھی آپ ﷺ کو داغِ مفارقت دے گئیں۔ حضور ﷺ کو ان کی وفات سے بہت صدمہ پہنچا۔ حضرت انس بن مالکؓ راوی ہیں کہ جب حضرت فاطمہ بنت اسد کا انتقال ہوا تو آنحضرت ﷺ ان کے گھر تشریف لے گئے اور ان کے سرہانے بیٹھ کر فرمایا، 'اے میری ماں! خدا آپ کو اپنی حفاظت میں رکھے، بہت دفعہ آپ نے مجھے کھلانے کے لیے خود بھوک برداشت کی، آپ نے ایسی اچھی چیزیں مجھے کھلائیں اور ایسا اچھا پہنایا جن سے آپ نے خود کو (میری خاطر) محروم رکھا، خدا یقیناً آپ کے ان اعمال سے خوش ہے کیونکہ آپ کی نیت اللہ کی رضا حاصل کرنا اور آخرت میں کامیاب ہونا تھی۔' اس کے بعد آپ ﷺ نے ان کے (کفن کے) لیے اپنا کرتہ عنایت فرمایا اور ان کی قبر میں خود اتر کر اُسے ملاحظہ کیا اور ان کا جسم اقدس اُس میں اتارا۔ کثیر ارباب سیر نے اس روایت کو نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے ان کے کفن کے لیے اپنا کرتہ مبارک عطا فرمایا اور جب انہیں لحد میں اتارا گیا تو آپ ﷺ بھی لحد میں ان کے ساتھ لیٹ گئے تھے۔^① آپ ﷺ ان کے حق میں اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میرے چچا ابوطالب کے بعد میرے ساتھ اچھا سلوک کرنے والا ان سے بڑھ کر اور کوئی نہ تھا۔

① علی بن محمد اثیر الجزری (متوفی ۵۸۳ھ)، اسد الغابۃ ج ۵ ص ۱۴

طبرانی، المعجم الكبير ۲۳: ۳۵۱۔ طبرانی المعجم الاوسط ۱: ۶۴۔ ابن عبد البر،

الاستيعاب ۲: ۱۸۹۱۔ ابو نعیم، حلیۃ الاولیاء ۳: ۱۲۱۔ ابن جوزی، العلل المتناہیۃ

۱: ۲۶۹۔ ابن جوزی، صفوة الصفوة ۲: ۵۲۔ عسقلانی، الاصابة فی تمییز الصحابة ۸: ۶۰۔ ہیثمی،

سنہ ۵ ہجری

غزوہ دومتہ الجندل

(۲۵ ربیع الاول ۵ ہجری / ۲۴ اگست ۶۲۶ء)

دومتہ الجندل ایک پہاڑ کا نام ہے جو مدینہ سے کوفہ کی طرف دس منزل پر واقع ہے۔ ارباب سیر کہتے ہیں کہ دومتہ الجندل ایک قلعہ کا نام ہے جس کی بنیاد پتھر پر رکھی گئی تھی۔ مواہب میں کہا گیا ہے کہ اس کے ارد مشق کے درمیان پانچ روز کی مسافت ہے اور یہ مدینہ منورہ سے پندرہ سولہ روز کی مسافت ہے۔ یہ نام دومی بن اسماعیل کے نام پر ہے جس نے وہاں قیام کیا تھا۔ قاموس میں کہا گیا ہے اسے دوما جندل بھی کہتے ہیں۔^① یہ غزوہ وہاں پر واقع ہوا اس لئے اسے غزوہ دومتہ الجندل کہا جاتا ہے۔

اسلام سے پہلے عرب کے کئی قبیلوں کا پیشہ رہزنی اور ڈکیتی تھا۔ اسلامی مملکت کے قیام کے بعد ان کو مسلمانوں کی طرف سے شدید مضامحت کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا کیونکہ جب کبھی مدینہ کے گرد و نواح میں وہ ایسی کسی کارروائی کی کوشش کرتے تو مسلمان دستے ان کی سرکوبی کو پہنچ جاتے۔ کفار، دین اسلام کو اپنے آبائی مذہب کے لئے خطرہ سمجھتے ہوئے پہلے ہی اس کے بہت بڑے دشمن تھے اب جو ان کی اس طرح کی پیشہ ورانہ سرگرمیوں میں رکاوٹ پیدا ہونے لگی تو وہ اس کا سد باب کرنے کے لئے فکر مند ہونے لگے۔ چنانچہ انہوں نے سوچا کہ اسلامی حکومت کے مرکز پر حملہ کر کے اُسے تباہ و برباد کر دیا جائے اور پھر مدینہ اور اسکے نواح میں خوب لوٹ مار اور غارت گری کی جائے۔

ربیع الاول ۵ ہجری / ۲۴ اگست ۶۲۶ء کو رسول خدا ﷺ کو خبر ملی کہ مشرکین کی ایک بڑی تعداد مدینہ کو تاراج کرنے اور ارد گرد کے علاقوں اور قافلوں کو لوٹنے کے لئے دومتہ الجندل میں جمع ہو

① شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۷۳

رہی ہے۔ مدارج النبوۃ میں ہے کہ وہاں کا حاکم اکیدار نصرانی تھا جو ایک بہت بڑا لشکر لے کر حضور ﷺ کے مقابلہ کے لئے آیا تھا۔^①

بروایت آپ ﷺ نے حضرت سباع بن عرفطہ غفاری کو مدینہ کا عامل مقرر کیا اور ایک ہزار مجاہدین کا دستہ لے کر ان کی سرکوبی کے لئے فوراً دومتہ الجندل کی جانب کوچ کیا۔^②

مشرکین کو آنحضرت ﷺ کی پیش قدمی کی اطلاع ملی تو گھبرا کر فرار ہو گئے اس طرح اس فتنے کو سر اٹھاتے ہی دبا دیا گیا۔

غزوہ مرسیع یا غزوہ بنی المصطلق

(شعبان ۵ ہجری / ۲۸ دسمبر ۶۲۶ء)

تاریخ ابن خلدون میں ہے کہ رسول خدا ﷺ نے شعبان ۶ ہجری تک مدینہ میں قیام فرمایا اس کے بعد غزوہ بنی مصطلق وقوع میں آیا۔^③ ابن العباد حنبلی نے بھی اس غزوہ کا ذکر ۶ ہجری کے واقعات میں کیا ہے۔^④ مدارج النبوۃ میں ہے کہ یہ غزوہ دو شعبان ۵ ہجری میں ہوا۔^⑤

مرسیع مدینہ سے باہر ایک مقام کا نام ہے جہاں یہ غزوہ ہوا اس وجہ سے اسے غزوہ مرسیع کہا جاتا ہے اور قبیلہ بنو المصطلق کی وجہ سے غزوہ بنی المصطلق کہلاتا ہے۔ روایت ہے کہ قبیلہ خزاعہ کے بنو المصطلق کا ایک سردار حارث بن ابی ضرا ایک لشکر لے کر حملہ کے لئے مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوا تو حضرت نبی اللہ ﷺ نے مرسیع کے ایک کنویں پر اس کا مقابلہ کیا۔^⑥

① شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۷۲۳

② ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر ﷺ ص ۵۴۶

③ ابن خلدون (متوفی ۱۴۰۶ء)، تاریخ ابن خلدون مطبوعہ ۱۹۶۵ء، ج ۲ ص ۷۸۱

④ شذرات الذهب ج ۱ ص ۱۱

⑤ شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۲۱۱

⑥ سید محسن امین عالمی (متوفی ۱۹۵۳ء)، اعیان الشیعہ، ج ۲ ص ۲۱۹

حارث بن ابی ضرار کے ساتھ اُس کے قبیلہ والوں کے علاوہ آس پاس کے کئی دشمنانِ اسلام بھی تھے۔ خدا کی قدرت سے اُن پر لشکرِ اسلام کی ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ خزاہہ والوں کا ساتھ دینے والے اردگرد کے تمام لوگ اُس کا ساتھ چھوڑ کر فرار ہو گئے اور حارث اپنے قبیلے کے ساتھ میدان میں تنہا رہ گیا۔ اسلامی لشکر نے اُن پر یکبارگی حملہ کر دیا جس کے نتیجے میں اُن کے دس آدمی مارے گئے اور باقی سب قیدی بنائے گئے۔^①

حضرت جویریہؓ سے نکاح

حضرت جویریہؓ قبیلہ بنو المصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار کی بیٹی تھیں جن سے آنحضرت ﷺ نے نکاح فرمایا اور تالیفِ قلوب کی خاطر اُن کے تمام جنگی قیدیوں کو رہا کر دیا۔

حضرت زینب بنت جحشؓ سے نکاح

یوں تو جناب رسول خدا ﷺ کی حیاتِ طیبہ کا ہر پہلو اہل فکر و نظر کے لئے بہترین نمونہ ہے لیکن آنجناب ﷺ کی ازدواجی زندگی معاشرتی حیات کا گہری نظر سے مطالعہ کرنے والوں کے لئے نہایت بصیرت افروز ہے۔ رشتہء ازدواج صرف میاں بیوی کے درمیان ایک تعلق ہی کا نام نہیں بلکہ دو خاندانوں، دو معاشروں اور بسا اوقات دو قوموں کے درمیان گہرے اور مضبوط روابط اور مراسم کا ذریعہ بھی ہوتا ہے۔ رسول خدا ﷺ کسی ایک قبیلے یا قوم کے راہبر نہیں تھے بلکہ آپ ﷺ تو ساری انسانیت کے قائد اور راہنما تھے۔ یہی وجہ ہے آپ ﷺ کا ہر قول و فعل ظلمتِ حیات میں شمعِ فروزاں کی حیثیت رکھتا ہے۔ آپ ﷺ کی ازدواجی زندگی بھی صرف آپ ﷺ کی ذات تک محدود نہیں بلکہ آپ ﷺ نے کبھی اپنوں بیگانوں کی تالیفِ قلوب کی خاطر اور کبھی دینی یا معاشرتی مصلحتوں کی بنا پر حکمِ الہی نکاح کی ذمہ داریوں کو قبول فرمایا۔ چنانچہ

① علامہ علی نقوی، تاریخ اسلام ص ۲۸۲

حضرت زینب بنت جحش سے نکاح کے معاملے میں محققین کا کہنا ہے کہ آپ ﷺ کو امتثالِ امر الہی میں عربوں کے اس غلط اور غیر فطری عقیدے کا بطلان کرنا تھا کہ متنبی (لے پالک بیٹا) حقیقی بیٹے کی طرح ہوتا ہے اور اُسکی بیوہ یا مطلقہ سے نکاح ناجائز ہے۔ جیسا کہ ارشادِ الہی ہے: ①

وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَاءَكُمْ أَبْنَاءَكُمْ ۖ ذَلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِأَفْوَاهِكُمْ ۖ وَاللَّهُ يَقُولُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ ②

(اور نہ ہی اُس (اللہ) نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا (حقیقی) بیٹا بنایا ہے اور وہی (سیدھے) راستے کی ہدایت کرتا ہے۔)

اور پھر اس کی مزید وضاحت یوں فرمادی: ③

وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۖ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ ۖ فَلَمَّا قَضَى زَيْدٌ مِنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاكَ لِلْكِى لَا يَكُونُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِيْ أَرْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ۖ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا ④

(اے رسول ﷺ)! وہ وقت یاد کریں) جب آپ اُس شخص (زید بنت حارثؓ) سے کہہ رہے تھے جس پر اللہ نے اور آپ نے احسان کیا تھا کہ اپنی بیوی کو اپنے پاس رہنے دے (اُسے نہ چھوڑ) اور اللہ سے ڈر۔ اور آپ (اُس وقت) وہ بات اپنے دل میں چھپا رہے تھے جسے اللہ ظاہر کرنے والا تھا اور آپ لوگوں (کی طعن و تشنیع) سے ڈر رہے تھے حالانکہ اللہ اس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ آپ اُس سے ڈریں (بہر حال) جب زید نے اُس عورت (زینب بنت جحشؓ) سے اپنی حاجت پوری کر لی (اُسے طلاق دے دی) تو ہم نے اُس خاتون کی شادی آپ (ﷺ) سے

① سورة الاحزاب، آیت ۴

② سورة الاحزاب، آیت ۳۷

سے کر دی تاکہ اہل ایمان پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں سے (نکاح کرنے) کے معاملے میں کوئی تنگی نہ رہ جائے جب وہ اُن سے (اپنی) حاجت پوری کر چکے ہوں (یعنی انہیں طلاق دے کر فارغ کر چکے ہوں) اور اللہ کا حکم تو بہر حال ہو کر رہتا ہے۔

حضرت زینب بنت جحشؓ نبی کریم ﷺ کی پھوپھی زاد تھیں اس لحاظ سے اُن کا تعلق قریش کے بہت معزز گھرانے سے تھا۔ زمانہ قدیم کے نام معقول لسانی قومی اور رنگ و نسل جیسے امتیازات کو ختم کرنے کے لئے آنحضرت ﷺ نے اُن کا نکاح اپنے ایک آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثؓ سے کر دیا۔ زید بن حارثؓ کو حضور ﷺ نے اپنا منہ بولا بیٹا رکھا تھا۔ اسلامی نقطہ نظر سے انسانی مساوات کی یہ ایک شاندار مثال تھی۔ لیکن زوجین میں تفاوتِ مزاج اور تضادِ ذوق کی وجہ سے نباہ نہ ہو سکا اور باوجود رسول گرامی ﷺ کی کئی کوششوں کے فریقین میں مصالحت نہ ہو سکی اور بیچ کے فاصلے اتنے بڑھ گئے کہ بات طلاق تک جا پہنچی۔

اُس زمانے میں عرب میں منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹے کا درجہ دیا جاتا تھا اور اس وجہ سے اُس کی بیوہ یا مطلقہ سے نکاح جائز نہیں سمجھا جاتا تھا۔ خداوند متعال نے لوگوں کے اس غیر فطری اور خود ساختہ عقیدے کے استیصال کے لئے رسول ﷺ کو اپنے مُتنبی حضرت زیدؓ کی مطلقہ بیوی حضرت زینب بنت جحشؓ سے نکاح کرنے کا حکم صادر فرمایا اور آپ ﷺ نے تقریباً اٹھاون برس کی عمر میں شوال ۵ ہجری میں اُن سے نکاح فرمایا۔

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ



غزوہ احزاب یا جنگِ خندق

(ذیقعد یا شوال ۵ ہجری)

غزوہ خندق ۲۸ ذیقعد ۵ ہجری میں ^(۱) اور بروایت شوال ۵ ہجری میں ہوا۔ ^(۲) خواجہ محمد لطیف انصاری نے ذیقعد ۵ ہجری کے ساتھ عیسوی تاریخ مارچ اپریل ۶۲۷ء لکھی ہے۔ ^(۳) روضۃ الاحباب میں بھی یہ غزوہ ۵ ہجری میں بیان کیا گیا ہے لیکن یہ بھی مشہور ہے کہ یہ چوتھے سال میں ہوا۔ ^(۴)

اس غزوہ میں مدینہ کے ارد گرد خندق کھودی گئی تھی اس وجہ سے اسے غزوہ خندق کہا جاتا ہے۔ اس کو غزوہ احزاب کا نام بھی دیا جاتا ہے۔ کیونکہ احزاب کے معنی ”گروہ“ کے ہیں اور اس جنگ میں قریش، یہود اور دیگر قبائل متحد ہو کر یعنی گروہ کی صورت میں مسلمانوں کے خلاف نکلے تھے۔ اس غزوہ سے پہلے غزوہ بدر اور غزوہ احد میں قریش نے اپنی ساری طاقت جھونک دی تھی لیکن مسلمانوں کو زیر کرنے کی بجائے نہ صرف شکستِ فاش سے دو چار ہوئے بلکہ اپنے تقریباً تمام سرداروں کو بھی مروا بیٹھے تھے۔ کچھ ایسا ہی حال یہودیوں کا بھی تھا۔ انہوں نے جب بھی بغاوت کیلئے سر اٹھایا منہ کی کھائی، کبھی تحریری معاہدے کر کے جان بچائی اور کبھی ملک بدر ہو کر۔ پس قریش اور یہود، دونوں نے اپنی اپنی جگہ یہ جان لیا تھا کہ ہم اکیلے مسلمانوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے لہذا ہمیں متحد ہو کر اور اسلام مخالف تمام اندرونی و بیرونی قوتوں کو یکجا کر کے مسلمانوں سے فیصلہ کُن جنگ کرنا ہوگی۔

^(۱) علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۲۸۴۔ عبد الباری ایم اے، دعوتِ دہلی سیرۃ طیبہ نمبر ربیع الاول ۷۹ ۱۳ھ

^(۲) سید حسن امین عالمی (متوفی ۱۹۵۳ء)، اعیان الشیعہ، ج ۲ ص ۲۲۲

^(۳) خواجہ محمد لطیف انصاری، اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ ج ۱ ص ۱۰۹

^(۴) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۲۱۹ بحوالہ روضۃ الاحباب

اسلام مخالف بیرونی قوتیں وہ تھیں جو کھلم کھلا اسلام کی دشمن تھیں یعنی مشرکین مکہ اور وہ غیر مسلم جو مسلمانوں کے ساتھ کسی معاہدے میں شریک نہیں تھے اور اندرونی قوتیں وہ تھیں جو تحریری معاہدوں کی وجہ سے بظاہر مسلمانوں کی حلیف تھیں لیکن درپردہ دشمن تھیں، اُن میں یہود اور دیگر ایسے لوگ شامل تھے جو بظاہر غیر جانبدار تھے یا اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے تھے لیکن حقیقت میں منافق تھے۔

چنانچہ اس منصوبے پر عمل پیرا ہونے کیلئے ایک طرف تو سردارانِ یہود حِجَی بن اخطب، سلام بن ابی حقیق، سلام بن مشکم اور کنانہ بن ربیع وغیرہ مکہ جا پہنچے اور مشرکین مکہ کے ساتھ مل کر مدینہ پر اجتماعی چڑھائی کا منصوبہ بنایا تو دوسری طرف مشرکین کا سردار ابوسفیان تھا جو بہت خوش اور پر جوش تھا۔^(۱)

علامہ طبری کے بقول یہودی بنو کنانہ اور بنو غطفان کے پاس بھی گئے اور کہا کہ مسلمانوں کے خلاف قریش بھی ہمارے ساتھ ہیں لہذا تم بھی ہمارا ساتھ دو، اور وہ اس پر تیار ہو گئے۔^(۲)

دشمنانِ اسلام کی پیش قدمی

جب اسلام دشمن تمام عناصر متحد ہو گئے تو مکہ سے قریش کا لشکر لیکر ابوسفیان نکلا، قبیلہ غطفان کی قیادت عنیہ بن حصین بن فزارہ نے کی، بنی مرہ کو لے کر حارث بن عوف اور قبیلہ اشجع کے ساتھ دبرۃ بن طریف نے پیش قدمی کی۔ یہود کا کوئی لشکر اُن کے ساتھ نہیں تھا کیونکہ اُن کا منصوبہ یہ تھا کہ وہ مدینہ کے اندر سے مسلمانوں پر حملہ آور ہوں گے اور اس طرح مسلمان چکی کے دو پاٹوں کے درمیان پس کر رہ جائیں گے۔^(۳)

^(۱) ابن خلدون (متوفی ۱۴۰۶ء)، تاریخ ابن خلدون، ج ۲ ص ۷۷۔ علامہ طبری، اعلامہ الوری

^(۲) علامہ طبری (متوفی ۵۳۲ء)، اعلامہ الوری

^(۳) علامہ علی نقوی، تاریخ اسلام ص ۲۸۵

شکرِ کفار کی تعداد

لشکر قریش میں ایک ہزار (۱۰۰۰) اُونٹ اور تین سو (۳۰۰) گھوڑے تھے۔ قبائل عربِ اسلم، اشجع، ابومرہ، کنانہ، فرازہ اور غطفان بھی بڑی تعداد میں آکر شامل ہوئے تھے۔ اس طرح اُن سب کی مجموعی تعداد دس ہزار (۱۰۰۰۰) ہو گئی تھی۔^(۱)

شکرِ اسلام کی تعداد

لشکرِ اسلام کی مجموعی تعداد تین ہزار (۳۰۰۰) تھی جن میں صرف چھتیس (۳۶) گھوڑے تھے۔

خندق

اُدھر مشرکین نے مدینہ کی طرف کوچ کیا اُدھر رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر ہو گئی اور آپ ﷺ نے جنگ کی حکمت عملی تیار کرنا شروع کی۔ واقدی نے لکھا ہے کہ حضرت سلمان فارسیؓ نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ دشمن کا رستہ روکنے کے لئے مدینہ کے گرد خندق کھودی جائے۔^(۲) مشہور مؤرخ کے اے حمید بھی لکھتے ہیں کہ حضرت سلمان فارسیؓ نے کہا کہ ایران میں ایسے موقعوں پر شہر کے گرد خندق کھودی جاتی ہے تاکہ دشمن اُسے عبور کر کے شہر میں داخل نہ ہو سکے۔ حضور ﷺ کو یہ تجویز پسند آئی چنانچہ مدینہ کے ارد گرد ایک گہری خندق تیار کی گئی۔^(۳)

خندق کی کھدائی ماہِ صیام کے آخری ایام میں شروع ہوئی اور پیغمبرِ خدا ﷺ نے دس دس آدمیوں کے ذمہ چالیس چالیس گز زمین کھودنے کے لئے لگائی (یعنی چار گز فی کس)۔

حضرت سلمان فارسیؓ عمر رسیدہ ہونے کے باوجود نہایت پر عزم اور قوتِ ایمانی سے مالا مال

^(۱) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۲۱۹

^(۲) ابو عبد اللہ محمد بن عمر واقدی (متوفی ۸۲۲ء)، المغازی للواقدی ص ۴۴۵

^(۳) مسٹر کے اے حمید، تاریخ مسلمانانِ عالم، ج ۹ ص ۷۹

تھے اور اکیلے دس آدمیوں کے برابر کام کرتے تھے۔ اُن کی یہ ہمت و جانفشانی اور جذبہ ایمانی دیکھ کر مہاجرین و انصار کے درمیان ایک دلچسپ بحث شروع ہوگئی، ہر جماعت یہ چاہتی تھی کہ سلمان اُس میں شامل ہو جائیں۔ مہاجرین و انصار کا یہ محبت بھرا مباحثہ سُن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ”سَلَمَانٌ مِنَّا أَهْلُ الْبَيْتِ“، یعنی سلمان میری اہل بیت میں سے ہیں۔^(۱)

نبی اکرم ﷺ خود بھی مسلمانوں کے ساتھ خندق کھودنے میں مصروف رہتے حالانکہ بھوک کی وجہ سے شکم اقدس پر پتھر بندھا ہوا ہوتا تھا۔^(۲)

رسول اللہ ﷺ کے شکم اطہر پر بھوک کی وجہ سے پتھر بندھے ہونے کا سبب مؤرخین نے یہ لکھا ہے کہ اس واقعے سے مہینوں پہلے مدینہ میں قحط آیا تھا۔ خر مے کی پوری فصل تباہ ہوگئی تھی اور خوراک کی کمی تھی۔ کفار کے حملے کی وجہ سے بیرونی رسد کا سلسلہ بھی منقطع ہو گیا تھا۔ پس مسلمانوں پر فقر و فاقہ کی کیفیت طاری تھی۔ اس پر تند و تیز ہوا ئیں چلتی تھیں اور ابرو باراں بھی تھا، دن بہ دن پتھر لی زمین کا کھودنا بڑے بڑے دلیروں کے کیچے ہلا دیتا تھا۔^(۳)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم خندق کھودنے میں مصروف تھے کہ اچانک ایک بہت بڑا اور سخت پتھر نکل آیا جس پر کدال کا وار کوئی اثر نہیں کرتا تھا۔ ہم حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! ایک پتھر لی چٹان خندق کی کھدائی میں حائل ہوگئی ہے۔ حضور اکرم ﷺ یہ سُن کر کھڑے ہو گئے حالانکہ بھوک کی وجہ سے شکم اطہر پر پتھر بندھا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے اُس چٹان پر ضرب ماری تو وہ ریت کی مانند ریزہ ریزہ ہوگئی۔^(۴)

(۱) مسٹر کے اے حمید، تاریخ مسلمانان عالم ج ۱ ص ۷۹

(۲) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۲۲۸

(۳) خواجہ محمد لطیف انصاری، اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ، ج ۱ ص ۱۱۱

(۴) صحیح بخاری حدیث ۴۱۰۳، مسند احمد نسائی حدیث ۳۱۷۸

جب تک خندق کی کھدائی جاری رہی، رسول اعظم ﷺ بنفسِ نفیس اُس میں شامل رہے۔
 براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ روزِ احزاب حضور ﷺ نے خندق کو کھودا اور لوگوں نے دیکھا
 کہ آپ ﷺ خندق کی مٹی کو اٹھا رہے تھے یہاں تک کہ آپ ﷺ کے بطنِ اقدس کی تابانی کو
 اُس مٹی نے ڈھانپ لیا تھا۔^(۱)

اربابِ سیر کہتے ہیں کہ خندق کی کھدائی کا کام بیس روز تک جاری رہا۔ واقدی نے چوبیس روز اور
 نووی نے پندرہ دن بیان کئے ہیں۔ بعض روایتوں میں ایک پورا مہینہ بھی بیان کیا گیا ہے۔ روضۃ
 الاحباب میں ہے کہ چھ دن میں کام مکمل ہو گیا تھا۔^(۲)

خندق کی حدود

مدینہ منورہ، مکہ سے آنے والے راستے کو چھوڑ کر باقی تمام اطراف سے پہاڑوں اور دشوار گزار
 راستوں میں گھرا ہوا تھا۔ قریش کی فوج کو مکہ کی طرف سے ہی آنا تھا چنانچہ حضرت سلمان فارسی
 ؓ کے مشورے سے اُسی طرف خندق کھودی گئی۔ واقدی کے مطابق خندق کی حدود ہذا سے
 زیاب تک اور پھر راتج تک تھیں۔ ہذا بنو سلمہ کی ایک شاخ کا مملوکہ ٹیلا تھا جو مسجد فتح کے مغرب
 میں تھا، راتج وہ پہاڑی تھی جو کوہ بنی عبید کے پہلو میں بطحان کے مغرب میں واقع تھی۔^(۳)

لشکرِ کفار کی آمد

ادھر خندق کی کھدائی مکمل ہوئی اُدھر کفار کی فوجیں مدینہ کے قریب پہنچیں اور راہ میں حائل خندق کو
 دیکھ کر ششدر رہ گئیں۔ عربوں نے اس سے پہلے خندق نہیں دیکھی تھی، وہ پریشانی کے عالم میں
 خندق پار کرنے کا کوئی طریقہ ڈھونڈتے رہے پھر ناکام ہو کر وہیں خندق کے پاس صف آرا

^(۱) صحیح بخاری، حدیث ۲۸۳۷۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۲۲۱

^(۲) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۲۲۲ بحوالہ روضۃ الاحباب

^(۳) مسٹر کے اے حمید، تاریخ مسلمانانِ عالم، ج ۱ ص ۷۹

ہو گئے۔ اب خندق کے ایک طرف مدینہ کی جانب مسلمان مورچہ بند تھے جبکہ دوسری طرف کفار کا اتحادی لشکر تھا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ مورچہ بندی بیس دن سے زیادہ جاری رہی اور اس دوران تیر اندازی اور سنگ باری ہوتی رہی جبکہ باقاعدہ جنگ کی نوبت نہ آئی۔^(۱)

بنو قریظہ کی بغاوت

مؤرخین لکھتے ہیں کہ غزوہ خندق کا ایک اہم محرک یہودی قبیلہ بنو نضیر تھا جسے مسلمانوں کے ہاتھوں ملک بدر ہونا پڑا تھا۔ انہی کی کوششوں اور ریشہ دوانیوں کی وجہ سے مشرکین مکہ اور یہود میں یہ اتحاد قائم ہوا تھا۔ مسلمان اس گٹھ جوڑ سے آگاہ تھے اور اس کا سامنے کرنے کے لئے پوری طرح تیار بھی تھے لیکن یہ نہیں جانتے تھے کہ ایک خطرناک سانپ اُن کی آستین میں بھی چھپا بیٹھا ہے۔

ایک یہودی قبیلہ بنو قریظہ جو مدینہ کے اندر آباد تھا اور بظاہر اپنے دوستی کے معاہدے پر قائم تھا، در پردہ اپنے ہم مذہب قبیلوں کے ساتھ مل چکا تھا۔ اس قبیلے میں ساڑھے سات سو (۷۵۰) جنگجو موجود تھے۔ منصوبہ یہ تھا کہ جب اتحادی فوجیں مدینہ پہنچ کر سامنے سے حملہ آور ہوں گی تو یہ اندر سے حملہ کر دیں گے۔ لہذا ابوسفیان نے مدینہ کے قریب پہنچ کر بنو نضیر کے سردار جہی بن اخطب کو یاد دلایا اور کہا کہ مدینہ کے اندر جا کر بنو قریظہ کو منصوبے کے مطابق تیار کرو اور اُن سے کہو کہ وہ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ کیا گیا معاہدہ (بیثاقِ مدینہ) توڑنے کا اعلان کریں۔^(۲)

جہی بن اخطب خفیہ طور پر بنو قریظہ کے سردار کعب بن اسد کے پاس گیا اور اُسے عہد شکنی پر تیار کر لیا۔ کعب بن اسد نے عہد نامے کی تحریر لاکر جہی بن اخطب کو دے دی جسے اُس نے اپنے ہاتھوں سے چاک کر کے بنو قریظہ میں اعلانِ بغاوت کر دیا۔^(۳)

^(۱) علامہ طبرسی (متوفی ۵۳۲ھ)، اعلام الوری

^(۲) ابو عبد اللہ محمد بن عمرو اقدی (متوفی ۸۲۲ھ)، المغازی للواقدی، ص ۴۵۳

^(۳) ابو عبد اللہ محمد بن عمرو اقدی (متوفی ۸۲۲ھ)، المغازی للواقدی، ص ۴۵۶

رسول اللہ ﷺ اُس وقت مجاہدین اسلام کے ساتھ خندق میں تھے کہ حضرت عمر بن خطابؓ آپ ﷺ کے خیمہ میں آئے اور کہا کہ یا رسول اللہ (ﷺ)! مجھے اطلاع ملی ہے کہ بنی قریظہ نے معاہدہ توڑ دیا ہے اور برسرِ جنگ ہو گئے ہیں۔ آنحضرت ﷺ پر یہ اطلاع بہت شاق گزری۔ آپ ﷺ نے کسی کو اس خبر کی تصدیق کے لئے بھیجا چاہا تو حضرت عمرؓ نے اصرار کیا کہ زیرِ کو بھیجئے، چنانچہ آپ ﷺ نے زیرِ کو بھیج دیا۔ زیر نے آکر بتایا کہ بنو قریظہ لڑائی کے لئے تیار ہیں اور اپنے قلعے کی حفاظت کا سامان کر رہے ہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے سعد بن معاذ انصاریؓ، سعد بن عبادہؓ اور اسید بن حضیرؓ جیسی ممتاز شخصیات کو بنو قریظہ سے مذاکرات کے لئے روانہ فرمایا۔ ان حضرات کا شمار مدینہ کے قدیم اور معزز افراد میں ہوتا تھا اور یہ روسائے یہود کے ساتھ برابری کے تعلقات بھی رکھتے تھے۔ خصوصاً حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے تو اُن کے ساتھ بہت قریبی روابط تھے۔

جب مسلمان معززین کا یہ وفد بنو قریظہ کے ہاں پہنچا تو خلاف توقع اُنہوں نے ان کا استقبال بہت توہین آمیز طریقے سے کیا۔ انہوں نے بات چیت شروع کرنا چاہی تو یہودی فحش گالیوں اور بیہودہ کلمات پر اُتر آئے۔ یہ لوگ ناکام و دلبرداشتہ واپس آ گئے اور مزید انداز میں رسول اللہ ﷺ کو واقعہ سے آگاہ کیا۔ اگرچہ اُنہوں نے تمام صورتِ حال نہایت رازداری سے رسول اللہ ﷺ کے گوشِ گذار کی تھی لیکن ایسی خبریں کہاں چھپی رہ سکتی ہیں؟ اگلے دن تک یہ بات تمام مسلمانوں کے بیچ گردش کر رہی تھی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کئی کمزور دل اور ناپختہ ایمان رکھنے والے مسلمان خوف و دہشت میں مبتلا ہو کر بوکھلا گئے، اُن کی آنکھیں پھر گئیں، کلیجے منہ کو آنے لگے، حتیٰ کہ وہ اللہ عز و جل کی نسبت طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔ یہ موقع سخت آزمائش اور تکلیف کا تھا۔ پس ارشادِ پروردگارِ عالم ہوا: ①

إِذْ جَاءُوكُم مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنْكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ

الْقُلُوبَ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللّٰهِ الظُّنُونَا ۝ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا ۝

(جب وہ تم پر اُپر اور نیچے سے چڑھ آئے اور (خوف سے تمہاری) آنکھیں پتھر اگئیں اور کلیجے منہ کو آگئے اور تم اللہ کی نسبت طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔ اُس وقت ایمان والوں کو خوب آزمایا گیا اور انہیں خوب جھنجھوڑا گیا)

واقدی لکھتے ہیں، ”فكان ابو بكر الصديق يقول لقد خفنا على الذراري بالمدينة من بني قريظة اشد من خوفنا من قريش و غطفان ولقد كنت وفي على سلع فانظر الى بيوت المدينة فاذا رايتهم هادئين حمدت الله عز وجل“^(۱)

(حضرت ابو بکرؓ کہتے ہیں کہ ہمیں اب سامنے والے دشمن قریش و غطفان وغیرہ سے زیادہ بنو قریظہ کا خوف لاحق ہو گیا تھا کہ ہمارے اہل و عیال جو مدینہ میں تھے اُن کے رحم و کرم پر تھے اس لئے میں سلع پہاڑی پر چڑھ کر مدینہ کے مکانوں پر نظر ڈالتا اور جب وہاں سکون پاتا تو خدا کا شکر ادا کرتا)

کئی مسلمان خوفزدہ ہو کر ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ یہ وقت یہاں رکنے کا نہیں لہذا واپس چلو۔ بنو حارثہ بن الحارث کے اوس بن قنیطی نے اپنی قوم کی طرف سے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ ہمارے گھر دشمن کی زد میں ہیں آپ ﷺ ہمیں اجازت دیں کہ ہم اپنے گھروں کو چلے جائیں۔ قرآن حکیم میں اس کا ذکر یوں آیا ہے:

وَإِذْ قَالَتْ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ يَا أَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوا ۚ وَيَسْتَأْذِنُ فَرِيقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُولُونَ إِنَّ بُيُوتَنَا عَوْرَةٌ ۚ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۚ إِنَّ يُرِيدُونَ إِلَّا فِرَارًا ۝

(اور وہ وقت یاد کرو جب اُن میں سے ایک گروہ کہنے لگا کہ اے یثرب والو! اب (یہاں)

^(۱) ابو عبد اللہ محمد بن عمرو واقدی (متوفی ۸۲۲ء)، المغازی للواقدی ص ۴۶۰

^(۲) ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری، ج ۲ حصہ اول ص ۱۸۸

^(۳) سورة الاحزاب، آیت ۱۳

تمہارے ٹھہرنے کا موقع نہیں ہے سو واپس چلو اور اُن میں سے ایک گروہ یہ کہہ کر پیغمبر خدا (ﷺ) سے اجازت مانگ رہا تھا کہ ہمارے گھر خالی (غیر محفوظ) ہیں حالانکہ وہ خالی (غیر محفوظ) نہیں تھے وہ تو صرف (محاذ سے) بھاگنا چاہتے تھے

بقولے رسول اللہ ﷺ نے جواباً یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی، ”وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ وَكَفَى بِاللَّهِ وَكِيلًا“^(۱) (اور اپنے پروردگار پر توکل کرو بے شک اللہ تعالیٰ کار سازی کیلئے کافی ہے)۔

مدارج النبوت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ”حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ“^(۲) (ہمارے لئے اللہ کافی ہے اور وہ بڑا اچھا کار ساز ہے)

بنو قریظہ کی بغاوت کا سد باب

بنو قریظہ کے ساتھ مذاکرات نام کام ہو چکے تھے، تلوار کی زبان میں بھی بات نہیں کی جاسکتی تھی کیونکہ وہ تو چاہتے ہی یہی تھے کہ مسلمانوں کو چکی کے دونوں پاٹوں میں لا کر پیس دیا جائے، لہذا آگے کنواں پیچھے کھائی والی اُس صورت حال میں نبی اکرم ﷺ کی دانش اور تدبیر پر دل بے اختیار سبحان اللہ پکارا اُٹھتا ہے۔ آپ ﷺ اسلامی لشکر کو خندق پر چھوڑ کر خود تو کہیں جانہیں سکتے تھے لہذا آپ ﷺ نے حضرت سلمہ بن اسلم اشہلیؓ کو دو سو آدمیوں کے ساتھ اور حضرت زید بن حارثہؓ کو تین سو آدمیوں کے ساتھ مقرر کیا کہ دو جانب سے مدینہ کے اندر صدائے تکبیر بلند کرتے ہوئے جایا کرو تا کہ گھروں میں موجود مسلمانوں کی ڈھارس بندھی رہے اور وہ اپنے آپ کو محفوظ سمجھتے رہیں اور دشمن بھی یہ جان لے کہ ہم غافل نہیں اور نہ کمزور ہی ہیں۔ یہ ایک ایسی تدبیر تھی جس نے مسلمانوں کو کبھی حوصلہ دیا اور بنو قریظہ کی ہمت بھی پست کر دی اور انہیں اندر سے حملہ آور ہونے کی جرأت نہ ہو سکی۔^(۳)

^(۱) سورة الاحزاب، آیت ۳

^(۲) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۲۲۲

^(۳) علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۲۹۳۔ ابو عبد اللہ محمد بن عمرو اقدی، المغازی للواقفی ص ۶۰

مقابلہ

مدینہ کے اندر سے اُٹھنے والی بنو قریظہ کی شورش کو تو اندر ہی اندر دبا لیا گیا تھا لیکن مشرکین کی فوجیں ہنوز خندق کے دوسری طرف موجود تھیں۔ اُن کے جنگجو اس کوشش میں تھے کہ کسی طرح خندق پار کر کے مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں مگر اس میں اُنہیں کامیابی نہیں ہو رہی تھی۔ چنانچہ وہ اپنا غم و غصہ تیر اندازی اور سنگ باری کر کے نکال رہے تھے اور جواباً مسلمان بھی اسی طریقہ پر عمل پیرا تھے۔ پھر اُن کے کچھ سوراہے کسی نہ کسی طرح خندق پار کر کے مسلمانوں کے سر پر آنچنے جو انفرادی مقابلوں میں جناب علی علیہ السلام کے ہاتھوں فی النار ہو گئے۔ مشرکین کو بالآخر پسپا ہونا پڑا اور یوں معرکہ خندق کفار کی شکست و ہزیمت اور مسلمانوں کی فتح و نصرت کا باب تاریخ میں رقم کر گیا۔

مشہور مؤرخ مسٹر کے۔ اے۔ حمید (بی۔ اے، لندن، بیرسٹریٹ لاء لاہور) لکھتے ہیں، ”بیس دن تک دشمنوں نے مدینہ کا محاصرہ رکھا لیکن باوجود انتہائی کوشش کے وہ شہر میں داخل نہ ہو سکے۔ فرداً فرداً لڑائیاں ہوتی رہیں جن میں کبھی کفار کا میاب ہوتے کبھی مسلمان۔ حضرت علی علیہ السلام نے مردانگی کے وہ جوہر دکھائے کہ قریش دنگ رہ گئے۔“^(۱)

شاہ عبدالحق محدث دہلوی صاحب رقم طراز ہیں، ”حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام نے اس غزوے میں ایسا مقابلہ و مقاتلہ کیا جو عقل و فہم کی حدود سے ماوراء ہے جیسا کہ احادیث میں وارد ہوا:

لَمُبَارَزَةً عِلِّيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ يَوْمَ الْخَنْدَقِ أَفْضَلُ مِنْ أَعْمَالِ أُمِّيَّتِي إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ ○ (حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کا یوم خندق مقابلہ کرنا قیامت تک کی میری امت کے اعمال سے افضل ہے)۔ ایسا ہی روضۃ الاحباب میں بھی مذکور ہے۔“^(۲)

^(۱) علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۲۹۳ بحوالہ مسٹر کے۔ اے حمید، تاریخ مسلمانان عالم

^(۲) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۲۳۳، ۲۳۴ بحوالہ روضۃ الاحباب

تاریخ طبری میں ہے، ”حضرت پیغمبر خدا ﷺ نے قیام فرمایا اور مشرکین بھی قیام پذیر رہے۔ بیس شب و روز سے زیادہ تقریباً ایک مہینہ اور ان لوگوں کے درمیان کوئی جنگ نہیں ہو رہی ہے سوا تیروں اور پتھروں کے پھینکنے کے۔“ اور پھر لکھا ہے، ”رسول خدا ﷺ نے قیام فرمایا اور دشمن اب سب کو اپنے گھیرے میں لیے رہے بس اس کے سوا ان کے درمیان کوئی جنگ نہ تھی۔“^(۱)

ابن الوردی لکھتے ہیں، ”مشرکین نے بیس شب و روز سے زیادہ قیام کیا اور رسول خدا ﷺ ان کے مقابلے پر جے رہے اور ان کے درمیان اس عرصہ میں کوئی جنگ نہ ہوئی سوا تیر اندازی کے، پھر عمرو بن عبدود میدان میں نکلا۔“^(۲) جو حضرت علی علیہ السلام کی تلوار کا لقمہ بن گیا۔

اسماعیل ابوالفداء کا بیان بھی وہی ہے جو ابن الوردی کا ہے۔^(۳)

ابن خلدون نے تحریر کیا ہے، ”مسلمان ایک مہینے کے قریب محصور رہے اور کسی جنگ کی نوبت نہیں آئی اور اس سلسلے نے طول کھینچا یہاں تک کہ کچھ شہسوار قریش کے خندق سے اس طرف آ گئے جن میں عکرمہ بن ابی جہل اور عمرو بن عبدود (وغیرہ) تھے۔“^(۴) اور عمرو بن عبدود وغیرہ شیر خدا حضرت علی ﷺ کے ہاتھوں قتل ہو گئے۔

حافظ ذہبی نے اپنی کتاب ”العیبر فی خیبر من غیبر“ میں لکھا ہے، ”اس معرکہ میں بس تیر اندازی ہوتی رہی اور قوت برداشت کا مقابلہ بیس دن سے زیادہ رہا اور پھر جنگ کرنے کے لئے عمرو بن عبدود نکلا۔“^(۵) جسے حضرت علی علیہ السلام نے قتل کر دیا۔

(۱) ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری، ج ۲ ص ۵۷۶

(۲) ابن الوردی (متوفی ۴۹ھ ۱۳۴۹ء) تاریخ ابن الوردی، ج ۱ ص ۱۲۲

(۳) ابوالفداء (متوفی ۱۳۳۱ء)، تاریخ ابوالفداء، ج ۱ ص ۱۴۲

(۴) ابن خلدون (متوفی ۱۴۰۶ء)، تاریخ ابن خلدون، ج ۲ ص ۷۷

(۵) حافظ ذہبی، العیبر فی خیبر من غیبر، مطبع کویت، ج ۱ ص ۷

عمرو بن عبدود

عمرو بن عبدود وہ واحد سورما تھا جس سے قریش کی ساری اُمیدیں وابستہ تھیں کیونکہ اس سے پہلے ہونے والی دو بڑی جنگوں بدر اور اُحد میں اُن کے تمام چوٹی کے سردار اور جنگجو مارے جا چکے تھے۔ عمرو بن عبدود عامری بن ابی قیس، عامر بن لوی بن غالب کی نسل سے تھا۔ وہ جنگِ بدر میں شدید زخمی ہو گیا تھا جس کی وجہ سے اُحد میں شامل نہیں ہو سکا تھا۔ اب خندق میں بہت جوش و خروش سے آیا تھا۔ وہ اپنے آپ کو بہت ممتاز سمجھتا تھا اسی لئے اُس نے اپنے سر پر ایک امتیازی پٹی باندھ رکھی تھی۔^①

وہ بلا کا طاقتور اور بہادر آدمی تھا۔ راتوں کو بھی خندق کے پاس آ کر اپنی دلیری اور طاقت کا مظاہرہ کیا کرتا اور بیچ میں خندق حائل ہونے کے باوجود کئی مسلمان اُسے دیکھ کر دہل جاتے، اُن میں ایک طلاطم بپا ہو جاتا کہ عمرو بن عبدود آگیا اور وہ گھبرائے ہوئے خیمہ رسول ﷺ کی طرف بھاگتے اور اکثر آپ ﷺ کو سوتے سے جگا دیتے، تب آپ ﷺ کو اُن کی ڈھارس کے لئے بلا وجہ شبِ تار میں خندق کے پاس تشریف لانے کی زحمت گوارا کرنا پڑتی۔^②

مؤرخین لکھتے ہیں کہ عمرو بن عبدود مسلسل اس کوشش میں تھا کہ کسی طرح خندق پار کرنے کی کوئی صورت نکل آئے۔ وہ خندق کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک جاتا اور عقابی نگاہوں سے جائزہ لیتا۔ آخر کار اُس نے ایک ایسی جگہ کا انتخاب کر لیا جسے پار کرنا کسی عام شخص کے لئے تو بظاہر ممکن نہیں تھا مگر اُسے اپنی طاقت، جرأت اور شہسواری پر ایسا ناز تھا کہ اُس نے وہاں سے اپنے گھوڑے کے ذریعے جست لگا کر خندق پار کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ ابو جعفر محمد بن جریر طبری لکھتے ہیں کہ عکرمہ بن ابی جہل مخزومی، قبیلہ بنی محارب کا ضرار بن خطاب، ہبیرہ بن ابی وہب مخزومی اور

① ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری (اردو)، ج ۲ ص ۲۱۸

② ابو عبد اللہ محمد بن عمرو واقدی (متوفی ۸۲۲ء)، المغازی للواقدی

نوفل بن عبد اللہ جیسے پہلوان بھی اُس کے ساتھ ہو لیے تھے۔ پس، جنگ کو اپنے منطقی انجام تک پہنچانے کا فیصلہ کر کے پہلوانوں کا یہ دستہ مسلح ہو کر اپنے گھوڑوں پر نکلا اور بنو کنانہ کے پاس آ کر کہا، ”لڑائی کے لئے تیار ہو جاؤ، آج تمہیں معلوم ہو گا کہ جو اس مرد کون ہے؟“ پھر وہ اُس جگہ پہنچے جہاں سے اُنہوں نے خندق پار کرنا تھی۔ اُنہوں نے اپنے گھوڑوں کو چابک مارے تو عربی گھوڑے جست لگا کر خندق کے پار پہنچ گئے۔ علی ابن ابی طالب علیہ السلام چند مسلمانوں کے ساتھ مقابلہ پر نکلے اور اُنہوں نے خندق کا وہ حصہ جہاں سے یہ کود کر آئے تھے اپنے قبضہ میں لے کر اُن کی واپسی کا راستہ مسدود کر دیا۔^①

نامور مؤرخ اور عالم دین جناب علی نقی نقوی صاحب اپنی تالیف تاریخ اسلام میں لکھتے ہیں، ”ظاہری حیثیت سے دیکھا جائے تو بہادری کے جوش میں اُنہوں نے یہ انتہائی حماقت کا کام کیا تھا اس لئے کہ اس طرح وہ گنتی کے آدمی اپنی پوری فوج سے کٹ کر الگ ہو گئے تھے کیونکہ وہاں کوئی تختہ تو ایسے موجود نہ تھے جنہیں وہ خندق پر چل کر طرح رکھ کر اپنی پوری فوج کو اُن پر سے گزار سکتے۔ اس طرح وہ صرف چار پانچ آدمی ہی تھے اور ادھر مسلمانوں کا پورا لشکر تھا۔ اگر یہ سب مسلمان نہ ہتے ہی دوڑ پڑتے تو دو چار سپاہیوں کو پیس ڈالنے کے لئے ان کی یورش ہی کافی ہو سکتی تھی مگر کیا کیا جائے کہ اس پوری فوج پر اُس اکیلے عمرو بن عبدود کی ہیبت بری طرح چھائی ہوئی تھی جس میں اُس کی اس حیرت انگیز غیر معمولی جرأت نے (کہ اُس نے خندق کو پار کرنے کی ہمت کس طرح کی) اُس وقت خاص طور پر اضافہ کر دیا تھا اس لئے پوری مسلم فوج ہکا بکا ہو کر بس دیکھ رہی تھی جیسے اُن ہو گئی ہو۔ اُس وقت اُن کا عالم جو تھا، اُس کی مرقع کشی کے لئے تاریخ کے یہ الفاظ کافی ہیں، ”تمام اصحاب یوں بے حس و حرکت تھے جیسے اُن کے سروں پر طائر بیٹھے ہوں۔“^②

① ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری (اردو)، ج ۲ ص ۲۱۷، ۲۱۸

② علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۲۹۹ بحوالہ حسین بن محمد دیار بکری (متوفی ۸۹۲ھ)،

شیر خدا کی جنگ

مندرجہ بالا تمام مؤرخین کی روایات کا بنظر غائر جائزہ لینے کے بعد یہی کہا جاسکتا ہے کہ معرکہ خندق صرف ایک فرد واحد کے کارنامے کا ہی نام ہے جسے اسد اللہ کہتے ہیں۔ یہ جنگ، علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے کارنامے سے شروع ہوئی اور اُسی پر ختم ہو گئی۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ جب عمرو بن عبدود اپنے ساتھی پہلوانوں کے ساتھ خندق پار کر کے آ گیا تو اُس نے مسلمانوں کو لکارا۔ اُس کی لکار سن کر مسلمان سہم گئے۔ حضرت علی علیہ السلام اُس وقت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں موجود تھے، اُس کی لکار سنی تو فوراً کہا، ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اس کا مقابلہ کروں گا۔“

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے معنی خیز انداز میں فرمایا، ”علی! بیٹھ جاؤ۔ کیا تم جانتے نہیں کہ وہ عمرو بن عبدود ہے؟“

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ قابلِ غور ہیں۔ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد علی علیہ السلام کو عمرو بن عبدود سے جنگ کرنے سے باز رکھنا تھا؟ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سمجھتے تھے کہ نوجوان علی علیہ السلام اُس طاقتور پہلوان کو زیر نہیں کر سکیں گے؟ نہیں۔ ایسا نہیں ہو سکتا کیونکہ علی علیہ السلام نے آغوشِ رسالت میں پرورش پائی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پروردہ کو خوب اچھی طرح جانتے تھے اور اُس کا انداز شجاعت اور فنِ حرب بار بار ملاحظہ فرما چکے تھے۔ بدر اور احد میں زور بازو حیدر کا مظاہرہ تو ابھی کل کی بات تھی۔ پھر وہ کیا وجہ تھی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی علیہ السلام سے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ، کیا تم نہیں جانتے کہ وہ عمرو بن عبدود ہے؟

محققین کہتے ہیں کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا علی علیہ السلام کو اس انداز میں بیٹھنے کو کہنا اس لئے نہیں تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم علی علیہ السلام کو اُس کے بارے میں متنبہ کرنا چاہتے تھے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح دوسرے مسلمانوں کو دعوتِ فکر و عمل دینا چاہتے تھے۔ ظاہر ہے، علی علیہ السلام میدان میں آتے تو اُس

کا خاتمہ کر دیتے۔ پھر عمرو کے مارے جانے کے بعد کوئی یہ بھی تو کہہ سکتا تھا کہ علی (علیہ السلام) نے جلد بازی سے کام لیا، عمرو کے مقابلے میں جانے کا ارادہ تو میرا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار نہیں، تین بار ایسا کیا، ہمارا خیال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو بھرپور طریقہ سے آزمارہے تھے۔ علامہ علی نقی صاحب لکھتے ہیں کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے مسلمانوں کو بھی موقع دینا چاہتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بھی معلوم تھا کہ عمرو بن عبدود کے متعلق ”جہان دیدہ“ اور ”تجربہ کار“ اصحاب کے کیا تاثرات ہیں اور کیسے کیسے مشاہدات دہرائے جارہے ہیں جس سے تمام فوج اسلام کے لئے وہ ایک بہت بڑا ”ہوا“ بن گیا ہے۔ ہو سکتا تھا اُس وقت کسی کو یہ گمان بھی ہو کہ علی (علیہ السلام) کمسن ہیں اور اس کمسنی کی بنا پر عمرو بن عبدود کی شخصیت سے واقف نہیں ہیں لہذا انہوں نے نوجوانی کے الہڑپن میں بنا سوچے سمجھے یہ بات کہہ دی کہ میں اُس سے مقابلہ کروں گا۔ پس اُن تمام حالی تصورات اور امکانی خیالات کے پیش نظر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے معنی خیز انداز میں علی (علیہ السلام) سے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ، جانتے بھی ہو کہ وہ عمرو بن عبدود ہے۔^①

مسلمانوں پر چھائے ہوئے گہرے سکوت سے عمرو کا حوصلہ بڑھا اور لکار کر کہنے لگا، ”کہاں ہے وہ تمہاری جنت، جس کے متعلق تم کہتے ہو کہ تمہارا شہید اُس میں داخل ہوگا، اب کسی کو میری طرف بھیجتے کیوں نہیں؟“ (تاکہ میں اُسے اُس جنت میں پہنچاؤں)

علی (علیہ السلام) اُس کی لکار سن کر پھر اٹھے لیکن نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ ارشاد فرمایا، ”علی! بیٹھ جاؤ جانتے نہیں کہ وہ عمرو ہے؟“ مسلمانوں کے لشکر میں پھر سناٹا چھا گیا۔

عمرو بن عبدود نے تیسری مرتبہ پھر مبارزت طلب کی۔ علی (علیہ السلام) بے قراری سے پھر اٹھے، رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر وہی جملہ ارشاد فرمایا تو علی (علیہ السلام) سے نہ رہا گیا، بے ساختہ کہا، ”وہ عمرو ہے تو ہوا کرے“ (مجھے اُس سے کیا؟)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہی چاہتے تھے۔ یعنی تین مرتبہ علی (علیہ السلام) کو

① علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۳۰۰

روک کر دوسروں کو موقع دیا اور جب کوئی نہ آگے بڑھا تو مرد میدان حضرت علیؑ کو اجازت دے دی۔ تاریخ خمیس میں ہے، ”جو مقصد رسول اللہ ﷺ کا اُس توقف سے تھا وہ حاصل ہو چکا تھا اب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اجازت دی۔“^(۱)

رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم نے علیؑ کو صرف اذن جہاد ہی نہیں دیا بلکہ اپنے دست مبارک سے جنگ کے لئے یوں تیار فرمایا کہ علیؑ کو اپنی تلوار عطا فرمائی، اپنی زرہ پہنائی اور اپنا عمامہ اُن کے سر پر رکھ کر دعائے خیر فرمائی۔ تاریخ خمیس میں ہے، ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب علیؑ کو اجازت مرحمت فرمائی تو انہیں اپنی تلوار و الفقار دی اور اپنی زرہ خاص پہنائی اور اپنا عمامہ اُن کے سر پر رکھا اور فرمایا میرے اللہ! اُس کے مقابلے میں اِس کی مدد فرما۔ ایک روایت میں ہے کہ اپنا عمامہ آسمان کی طرف بلند کیا اور کہا میرے اللہ! تُو نے روزِ بدر عبیدہ کو مجھ سے لے لیا اور روزِ احد حمزہ کو مجھ سے لے لیا، اب یہ ایک علی ہے جو میرا بھائی اور میرے چچا کا فرزند ہے، اب تُو مجھے وارث کے بغیر تنہا نہ چھوڑنا کیونکہ تُو خود بہترین وارث ہے۔“^(۲)

قرآن حکیم کے مطابق یہ کلمات ”رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا وَأَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِينَ“ حضرت زکریاؑ سے منسوب ہیں، جیسا کہ سورۃ الانبیاء میں ارشاد ہوتا ہے:^(۳)

”وَزَكَرِيَّا إِذْ نَادَى رَبَّهُ رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا وَأَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِينَ“^(۴) فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَوَهَبْنَا لَهُ يَحْيَىٰ وَأَصْلَحْنَاهُ زَوْجَهُ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا يُسْرِ عُونَ فِي الْحَيٰرَاتِ وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَرَهَبًا ۖ وَكَانُوا لَنَا خٰشِعِينَ“^(۵) (اور زکریاؑ علیہ السلام) کا (ذکر) جب اُنہوں نے پکارا اے میرے پروردگار! مجھے (وارث کے بغیر) اکیلا نہ چھوڑ۔ جبکہ تُو خود بہترین

^(۱) حسین بن محمد یار بکری (متوفی ۸۹۲ ہجری ۱۵۷۷ء)، تاریخ خمیس ج ۱ ص ۲۸۶

^(۲) حسین بن محمد یار بکری (متوفی ۸۹۲ ہجری ۱۵۷۷ء)، تاریخ خمیس ج ۱ ص ۷۷

^(۳) سورۃ الانبیاء، آیت ۸۹، ۹۰

وارث ہے۔ ہم نے اُن کی دعا قبول کی اور اُنہیں یحییٰ (جیسا بیٹا) عطا کیا اور اُن کی بیوی کو اُن کیلئے تندرست کر دیا۔ یہ لوگ نیک کاموں میں جلدی کرتے تھے اور ہم کو شوق و خوف (اور اُمید و بیم) کے ساتھ پکارتے تھے اور وہ ہمارے لئے (عجز و نیاز سے) جھکے ہوئے تھے۔

اللہ کے نبی حضرت زکریا علیہ السلام بہت ضعیف تھے، اولاد بھی نہیں تھی اس لئے خود کو لا وارث سمجھتے تھے، پھر اللہ کے حضور دعا گو ہوئے کہ میرے اللہ مجھے وارث کے بغیر تنہا نہ چھوڑ تو اللہ نے اُن کی دعا قبول فرمائی اور اُنہیں حضرت یحییٰ علیہ السلام کی صورت میں وارث (بیٹا) عطا فرمایا۔

اور اب پیغمبر اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کے حضور وہی کلمات عرض کر رہے ہیں۔ ”رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا ۖ وَأَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِينَ“ یعنی اے میرے پروردگار! مجھے وارث کے بغیر اکیلا نہ چھوڑ جبکہ تُو خود بہترین وارث ہے۔ تو نبی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کلمات سے اور اپنا عمامہ مبارک حضرت علی علیہ السلام کے سر پر باندھنے سے ایک طرف تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا وارث صرف اور صرف علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہی کو قرار دیا اور باقی تمام مسلمانوں اور صحابہ کرام میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وارث کوئی اور نہ تھا اور دوسری طرف یہ پتا چلتا ہے کہ نبی گرامی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اکلوتے وارث کو راہِ خدا میں روانہ کرنے کے بعد اپنا حامی و مددگار صرف خدائے یکتا کو ہی سمجھ رہے تھے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زرہ اور عمامہ زیب تن کر کے اور ذوالفقار کو ہاتھ میں لے کر حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام نے قدم بڑھایا۔ طبری نے لکھا ہے علی بن ابی طالب علیہ السلام آگے بڑھے تو کچھ اور مسلمان فوجی بھی آپ کے ساتھ ہو لیے۔ آپ نے اُن لوگوں کو اُس تنگ راستے پر کھڑا کر دیا جہاں سے عمرو بن عبدود اور اُس کے ساتھی گھوڑے دوڑاتے ہوئے آئے تھے۔^①

جناب امیر المومنین علیہ السلام عمرو کے روبرو آئے تو وہ اپنے مد مقابل ایک نو عمر کو دیکھ کر سخت متعجب

① ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری (اردو)، ج ۲ ص ۲۱۷، ۲۱۸

ہوا۔ پس حیرانی سے پوچھا، ”نو جوان! تم کون ہو؟“

عمر کی حیرانی بجا تھی۔ کہاں تو یہ عالم تھا کہ تین مرتبہ مبارزت طلب کرنے کے باوجود کوئی سامنے نہیں آیا تھا اور کہاں یہ حال کہ مکہ کے نام نہاد سورما اور ناقابلِ تسخیر سمجھے جانے والے دیوبہ کل پہلوان کے مقابلے پر ایک نو جوان؟

شیر خدا علی ابن ابی طالب (علیہ السلام) نے اُس کی متعجب آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پر جلال انداز میں جواب دیا، ”میں علی ہوں۔“

عمر ورنے پوچھا، ”عبد مناف کی نسل سے؟“

کہا، ”ہاں! میں علی ابن ابی طالب (علیہ السلام) ہوں۔“

وہ کہنے لگا، ”بھتیجے! تمہارے چچاؤں میں سے جو تم سے زیادہ بڑا ہو اُسے میرے مقابلے پر بھیجو مجھے تمہارا خون بہانے سے ناگواری محسوس ہوتی ہے۔“ عمر کا حضرت علی (علیہ السلام) کو ”بھتیجے“ کہہ کر مخاطب کرنا اور بڑوں کو مقابلے پر بلانا یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ آپ کو بچہ سمجھ رہا تھا۔

آپ نے سرد لہجے میں فرمایا، ”بخدا! مجھے تیرا خون بہانے سے کوئی ناگواری محسوس نہیں ہوگی۔“ ایسا خشک جواب سن کر وہ تلملا اُٹھا اور تلوار کھینچ لی جو آگ کا شعلہ معلوم ہوتی تھی۔^①

مؤرخین لکھتے ہیں کہ اُس نے تلوار نکالی اور غصہ میں اپنے گھوڑے کے پیروں پر ماری تو اُس کے چاروں پاؤں کٹ گئے، پھر وہ آپ کی طرف بڑھا۔^②

حضرت علی (علیہ السلام) نے اُس سے فرمایا کہ تم نے عہد کر رکھا ہے کہ تمہارا مقابل تمہارے سامنے کوئی سی دو (اور بروایت تین) خواہشات پیش کرے گا تو تم اُن میں سے ایک ضرور پوری گے۔“ اُس نے کہا، ”بے شک ایسا ہی ہے۔“

① حسین بن محمد یار کبری (متوفی ۸۹۲ ہجری ۱۵۷۷ء)، تاریخ خمیس، ج ۱ ص ۸۸۴

② علامہ علی نقوی، تاریخ اسلام ص ۳۳۰ بحوالہ ابن الوردی۔ ابوالفداء (متوفی ۱۳۳۱ء)، تاریخ ابوالفداء، ج ۱ ص ۱۸۰

آپ نے فرمایا: ”میری پہلی خواہش یہ ہے کہ تم اللہ اور رسول اللہ ﷺ پر ایمان لے آؤ۔“
عمر و کہنے لگا: ”مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں، دوسری خواہش بیان کرو۔“

دیار بکری روایت کرتے ہیں کہ علی علیہ السلام نے فرمایا: ”دوسری بات یہ ہے تم واپس چلے جاؤ اور اپنے گھر میں جا بیٹھو۔“

اُس نے کہا: ”بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ عرب کی عورتیں مجھ پر طعنہ زنی کریں گی کہ میں میدان چھوڑ کر بھاگ آیا۔“

آپ نے کہا: ”پھر آگے بڑھو، اور مجھ سے مقابلہ کرو۔“

تاریخ خمیس میں جو مکالمے درج ہیں، اُن کے مطابق اس مقام پر اُس نے کہا: ”مجھے تمہارا قتل کرنا پسند نہیں۔“ تو علی علیہ السلام نے کہا: ”لیکن مجھے تمہارا قتل کرنا پسند ہے۔“ یہ سن کر وہ جوش میں آیا اور اپنے گھوڑے سے کود پڑا۔ تلوار سے اپنے گھوڑے کے پاؤں قطع کیے پھر اُس کے منہ پر وار کیا اور آخر میں حضرت علی علیہ السلام کی طرف بڑھا۔^①

طبری نے لکھا ہے: ”علی علیہ السلام نے اُس سے کہا: ”اے عمر! تم ہمیشہ یہ کہا کرتے تھے کہ اگر قریش کا کوئی شخص میرے سامنے دو باتیں پیش کرے گا تو میں اُن میں سے ایک ضرور مانوں گا۔“ اُس نے کہا: ”ہاں میرا یہی عہد ہے۔“ علی بن ابی طالب علیہ السلام نے اُس سے کہا: ”اچھا تو پھر میں تم کو اللہ عز و جل، اُس کے رسول ﷺ اور اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔“ اُس نے کہا: ”میں نہیں مانتا مجھے اس کی ضرورت نہیں۔“ علی علیہ السلام نے کہا: ”تو پھر میں تم سے کہتا ہوں کہ گھوڑے سے نیچے آؤ۔“ اُس نے کہا: ”اے میرے بھتیجے یہ کیوں؟ بخدا میں نہیں چاہتا کہ تم کو قتل کروں۔“ علی علیہ السلام نے کہا: ”بخدا میں تو چاہتا ہوں کہ تم کو ضرور قتل کروں۔“ اس جملہ کو سن کر اُسے جوش آگیا، وہ گھوڑے سے کود پڑا، اُس کو ذبح کر دیا یا اُس کے منہ پر تلوار ماری اور پھر علی علیہ السلام کے مقابلہ

① حسین بن محمد دیار بکری (متوفی ۸۹۲ ہجری ۱۵۷۷ء)، تاریخ خمیس، ج ۱ ص ۷۸

پر بڑھا۔“^①

دونوں اطراف کی فوجوں نے دیکھا کہ میدانِ جنگ سے گرد و غبار بلند ہوا۔ لوہے آپس میں ٹکرائے، دھول کے کچھ اور بادل آسمان کی طرف اُٹھے، کچھ نظر نہیں آ رہا تھا کہ یکا یک اُس گرد میں سے تکبیر کی صدا بلند ہوئی اور غبار آہستہ آہستہ چھٹنے لگا۔ لوگوں نے دیکھا کہ فاتحِ بدرواُحد ایک اور جنگ فتح کر چکا تھا۔ حیدر کرار علیہ السلام نے عمرو بن عبدود کا سر تن سے جدا کر دیا تھا۔

ابن الوردی کے مطابق، ”دونوں نے باہم جنگ کی اور جولانی کرتے رہے۔ دونوں پر غبار چھا گیا اور مسلمانوں نے تکبیر کی آواز سنی تو سمجھے کی علی علیہ السلام نے اُسے قتل کر دیا اور غبار ہٹا تو یہ نظر آیا کہ علی ابن ابی طالب علیہ السلام اُس کے سینہ پر سوار اُس کا سر تن سے جدا کر رہے تھے۔“^②

ابن خلدون کہتے ہیں، ”علی بن ابی طالب علیہ السلام نے عمرو بن عبدود کو قتل کر دیا۔“^③

علامہ طبری لکھتے ہیں، ”حضرت علی علیہ السلام نے اُس کے مقابلہ میں نکل کر اُسے قتل کر دیا۔“^④

شیخ حسین بن محمد حسن دیار بکری لکھتے ہیں، ”سابق گفتگو ختم ہونے کے بعد اُس نے حضرت علی علیہ السلام کی جانب رخ کیا تو آپ سپر لیے ہوئے اُس کے مقابلہ پر آئے مگر اُس نے تلوار کا ایسا وار کیا جو سپر کو کاٹی ہوئی آپ کے سر تک پہنچ گئی اور آپ زخمی ہو گئے۔ پھر آپ نے اُس پر وار کیا۔ آپ کی تلوار اُس کے کاندھے پر پڑی جس سے وہ گر گیا۔ پھر غبار بلند ہوا اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر سنی تو سمجھے کہ حضرت علی علیہ السلام نے اُس کو قتل کر دیا ہے۔“^⑤

تاریخِ گواہ ہے کہ علی علیہ السلام کے مقابلے میں کبھی کوئی نہیں ٹھہر سکا۔ علی علیہ السلام کی ایک ہی ضرب

① ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری (اردو)، ج ۲ حصہ اوّل، ص ۲۱۸

② ابن الوردی (متوفی ۷۴۹ھ)، ج ۲ ص ۱۲۲۔ ابوالفداء (متوفی ۱۳۳۱ء)، تاریخ ابوالفداء ج ۱ ص ۱۳۲

③ ابن خلدون (متوفی ۱۴۰۶ء)، تاریخ ابن خلدون ج ۲ ص ۷۷

④ علامہ علی نقوی، تاریخ اسلام ص ۳۰۲ بحوالہ علامہ طبری (متوفی ۵۳۲ھ)، اعلام الوری

⑤ حسین بن محمد یار بکری (متوفی ۸۹۲ھ/۱۵۷۷ء)، تاریخ خمیس ج ۱ ص ۸۸۴

مقابل کا قصہ تمام کر دیا کرتی تھی۔ اس کی تائید آپ کی ضرب کی اُس خصوصیت سے ہوتی ہے جو اکثر مؤرخین نے لکھی ہے کہ آپ کی تلوار کی ضربیں یکتا ہوا کرتی تھیں، جب آپ سر پر وار کرتے تو لمبائی میں (یعنی اوپر سے نیچے) کاٹ دیتے اور جب پہلو پر وار کرتے تو عرض میں دو ٹکڑے کر دیتے تھے۔^①

عمر بن عبدود اب تک کے مقابلوں میں وہ واحد فرد تھا جو علی علیہ السلام کے سامنے کچھ دیر ٹکا۔ مقابلہ کیا جیسی دھول کے بادل پیدا ہوئے اور وہ بھی ایسے کہ دیکھنے والوں کو لڑائی کا منظر نظر نہیں آ رہا تھا، بس صدائے تکبیر سے اندازہ لگایا کہ علی علیہ السلام نے عمرو کا کام تمام کر دیا ہے۔

عربوں میں رواج تھا کہ جنگوں میں جب کوئی کسی کو قتل کرتا تو اُس کے قیمتی لباس یعنی زرہ وغیرہ پر اپنا حق سمجھتے ہوئے اُسے اُتار کر اپنے قبضے میں لے لیتا۔ محمد و آل محمد علیہم السلام نے کبھی اس رواج کو نہیں اپنایا اور اسے اپنی شان کے منافی سمجھتے ہوئے ہمیشہ اس عمل سے درگزر فرمایا۔

عمر بن عبدود اپنی شخصیت کی مناسبت سے نہایت قیمتی زرہ پہنے ہوئے تھا لیکن حضرت علی علیہ السلام نے اُسے قتل کرنے کے بعد اُس کی زرہ کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہ کیا اور اُسے یونہی چھوڑ دیا۔ تاریخ میں ہے کہ جنگ کے بعد اُس کی بہن اُس کی لعش پر پہنچی تو اُس کے جسم پر لباس اور قیمتی زرہ موجود پا کر حیران رہ گئی۔ کہنی لگی کہ لگتا ہے کہ اسے کسی شریف و کریم شخص نے قتل کیا ہے۔ پھر اُس نے قاتل کا نام پوچھا تو لوگوں نے بتایا کہ اسے علی بن ابی طالب علیہ السلام نے قتل کیا ہے۔ کہنے لگی:

لو کان قاتل عمرو غیر قاتله

لکنت ابکی علیہ آخر الابد

لكن قاتله من لا يعاب به

من كان يدعى قدما بيضة البلد^①

(اگر اس قاتل کے علاوہ عمر و کا قاتل کوئی اور ہوتا تو میں ہمیشہ رویا کرتی مگر اس کا قاتل تو وہ ہے جس کے ہاتھوں مرنا کوئی عیب نہیں، کیونکہ وہ تو ہمیشہ سے شہر کا ممتاز آدمی سمجھا جاتا رہا ہے۔) بعض مؤرخین نے یہ اشعار عمرو بن عبدود کی ماں سے منسوب کیے ہیں۔

عمرو بن عبدود کے ساتھی

بالائی صفحات پر ذکر کیا جا چکا ہے کہ عمرو بن عبدود کے ساتھ عکرمہ بن ابی جہل مخزومی، قبیلہ بنی محارب کا ضرار بن خطاب، ہبیرہ بن ابی وہب مخزومی اور نوفل بن عبد اللہ جیسے پہلوان بھی اُس کے ساتھ ہو لیے تھے۔ انہوں نے علی علیہ السلام کے ہاتھوں اپنے سب سے بڑے پہلوان کا یہ انجام دیکھا تو راہ فرار اختیار کرنے میں ہی عافیت سمجھی اور خندق کے اُس تنگ حصہ کو جہاں سے وہ آئے تھے گھوڑوں کے ذریعے پھلانگ کر واپس پہنچ گئے۔^②

ابن خلدون کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ خندق کے اُس حصے پر علی علیہ السلام نے جن لوگوں کو مامور کیا تھا وہ اُن بھاگتے ہوئے لوگوں کو روکنے میں کامیاب نہیں ہو سکے یا انہوں نے روکنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ علی علیہ السلام نے خود بھی اُن کا پیچھا نہیں کیا جیسا کہ تاریخ کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ آپ بھاگنے والوں کا تعاقب کرنا اپنی شان کے خلاف سمجھتے تھے۔

علامہ دیار بکری لکھتے ہیں کہ عمرو کے قتل کے بعد ضرار بن خطاب اور ہبیرہ بن ابی وہب نے مل کر حضرت علی علیہ السلام پر حملہ کر دیا۔ جب آپ اُن دونوں کی طرف متوجہ ہوئے تو ضرار نے بغور آپ کے چہرے کو دیکھا اور (دونوں نے) یکدم فرار کیا۔^③

① حسین بن محمد یار بکری (متوفی ۸۹۲ ہجری ۱۵۷۴ء)، تاریخ خمیس ج ۱ ص ۲۸۸

② ابن خلدون (متوفی ۱۴۰۶ء)، تاریخ ابن خلدون، ج ۲ ص ۵۷۵

③ علامہ علی نقوی، تاریخ اسلام ص ۳۰۸

علی علیہ السلام کے ہاتھوں ایک اور پہلوان کا قتل

ابنِ خلدون نے تو لکھ دیا کہ عمرو کے باقی ساتھی فرار ہو کر خندق کے پار واپس پہنچ گئے لیکن طبری کے بقول عمرو کے ساتھ دو آدمی بھی قتل ہوئے تھے۔ اُن میں سے ایک منبہ بن عثمان بن عبید بن سابق بن عبددار تھا جسے ایک تیر لگا تھا جس سے وہ زخمی ہوا لیکن جانبر نہ ہوسکا اور مکہ پہنچ کر ہلاک ہو گیا اور دوسرا بنی مخزوم کا نوفل بن عبد اللہ بن مغیرہ تھا۔ نوفل بن عبد اللہ واپسی پر خندق پار کرتے ہوئے اُس میں گر گیا تھا یا بقولے اُس میں کود پڑا تھا۔^(۱)

اتنی بلندی سے گرنے کی وجہ سے وہ زخمی ہو گیا۔ مسلمانوں نے اُسے خندق میں پڑے دیکھا تو اُس پر پتھر برسائے گئے۔

زمانہ قدیم میں رواج تھا، جو آج بھی جنگلوں اور بیابانوں میں رہنے والے چند قبیلوں میں پایا جاتا ہے، کہ جانوروں کا شکار کرنے کے لئے زمین میں ایک بہت بڑا گڑھا کھود دیتے ہیں جس میں سے نکلنا جانور کے لئے ممکن نہیں ہوتا تھا۔ جب کوئی جانور اتفاق سے اُس میں جا گرتا تو لوگ اُسے پتھر مار مار کر ماریا کرتے تھے۔ اُن جانوروں کی طرح مارے جانے پر نوفل نے احتجاج کرتے ہوئے کہا، ”اے قوم عرب کے سپوتو! قتل ہی کرنا ہے تو اس سے بہتر طریقے سے کرو۔“ طبری نے لکھا ہے کہ پھر علی علیہ السلام خندق میں اترے اور اُسے تلوار سے قتل کیا۔^(۲)

مشرکین کی خفت

عمرو بن عبدود اور اُس کے ساتھیوں کے قتل اور فرار سے مشرکین کے لشکر پر سخت مایوسی، بے چینی اور جھنجھلاہٹ طاری ہو گئی۔ اُن کا غرور علی علیہ السلام کے ہاتھوں خاک میں مل چکا تھا اور ناپاک ارادوں پر پانی پھر گیا تھا۔ اپنی خفت مٹانے کی غرض سے یا پھر اس خوف سے کہ کہیں مسلمان خندق عبور

^(۱) ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری (اردو)، ج ۲ حصہ اول، ص ۲۱۸

^(۲) ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری (اردو)، ج ۲ حصہ اول، ص ۲۱۸

کر کے اُن کے سر پر نہ پہنچ جائیں، اُنہوں نے اجتماعی تیر اندازی شروع کر دی۔ تیروں کی بوچھاڑ ٹڈی دَل کی طرح لشکرِ اسلام کی طرف اُڈی چلی آرہی تھی۔

ایک کافر حبان بن قیس بن العرقہ نے حضرت سعد بن معاذ ؓ کا نشانہ لے کر تیر چلایا جو اُن کی کہنی کے پاس ”اکھل“ نامی رگ میں پیوست ہو گیا۔ اس رگ کو ”عِرْقُ الحیوۃ“ اور ”ہفت اندام“ بھی کہا جاتا ہے۔ یہ کہنیوں کے جوڑ میں ہوتی ہے۔ ہاتھ میں اس رگ کا نام ”اکھل“ اور پشت میں ”ابھر“ ہے۔ عِرْقُ النساء جو ایک مرض کا نام ہے اُس کی وجہ تسمیہ بھی یہی ہے۔^①

اگر یہ رگ کٹ جائے تو خون بند نہیں ہوتا حتیٰ کہ تمام جسم کا خون بہہ جاتا ہے اور انسان کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ حضرت سعد بن معاذ ؓ نے سمجھ لیا کہ میرا آخری وقت آپہنچا ہے، وہ پریشان ہو گئے۔ سعد ؓ ایک سچے مسلمان اور کامل مومن تھے، اُنہیں اپنی موت کا ڈر نہیں تھا، غم یہ تھا کہ ابھی جنگ جاری ہے اور نتیجہ کوئی نہیں نکلا۔ وہ چاہتے تھے کہ میں جنگ کے اختتام تک زندہ رہوں اور رسول اللہ ﷺ کی معیت میں راہِ خدا میں لڑتا رہوں جب تک کہ اللہ کا وعدہ پورا نہیں ہو جاتا اور فتح و نصرت حاصل نہیں ہو جاتی۔ پس اُنہوں نے غم آنکھوں سے آسمان کی طرف دیکھا اور بارگاہِ الہی میں فریاد کی:

”پروردگار! مشرکین قریش سے جنگ اگر باقی ہے تو مجھے اُن سے مقابلے کے لئے زندہ رکھ اور اگر جنگ ختم ہو گئی ہے تو پھر اس زخم کو میری شہادت کا ذریعہ بنا دے مگر مجھے اُس وقت تک دُنیا سے نہ اٹھانا جب تک کہ بنو قریظہ کا انجام اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لوں۔“ اُن کی دعا قبول ہو گئی اور خون بہنا بند ہو گیا۔^②

”بنو قریظہ کی بغاوت“ کے باب میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ جب رسول خدا ﷺ کو بنو قریظہ کی

① شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۲۲۴

② شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۲۲۴

بغاوت کی خبر ملی تو آپ ﷺ نے ایک وفد کو اُن کی طرف روانہ کیا تھا۔ اُس وفد میں حضرت سعد بن معاذؓ بھی شامل تھے۔ یہودیوں نے بات چیت کرنے کی بجائے وفد کو فحش گالیاں دیں اور بدکلامی کرتے ہوئے واپسی پر مجبور کر دیا تھا۔ حضرت سعدؓ کو اُن کے اس رویہ پر بہت رنج تھا اور چاہتے تھے کہ انہیں اس کی سزا ملے، اسی لئے اپنی دعا میں کہا کہ پروردگار مجھے اُس وقت تک دُنیا سے نہ اٹھانا جب تک کہ بنو قریظہ کا انجام میں اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لوں۔

اختتامِ جنگ

اربابِ سیر بیان کرتے ہیں کہ کفار نے متفق ہو کر خندق کی ہر جانب یکبارگی جنگ (یعنی تیر اندازی) شروع کر دی جو دن رات جاری رہی۔^(۱)

تیر اندازی مسلسل جاری تھی جوڑکنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ ادھر مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد خوفزدہ اور ہراساں تھی۔ اُن کے خوف و ہراس کا یہ عالم تھا کہ بعض لوگ رسول اللہ ﷺ اور اللہ عزوجل کی شان میں گستاخی کرتے ہوئے کہنے لگے کہ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ نے ہمیں دھوکا دیا اور اپنا وعدہ پورا نہیں کیا۔ اس کا ذکر قرآن پاک نے ان الفاظ میں کیا ہے:^(۲)

وَإِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ إِلَّا غُرُورًا^(۱۳) (اور جب منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری تھی کہنے لگے کہ اللہ (ﷻ) اور

رسول (ﷺ) نے ہم سے (فتح کا) جو وعدہ کیا تھا وہ دھوکہ کے سوا کچھ نہ تھا۔)

منافقوں کی ایسی گفتگو سُن کر نبی اکرم ﷺ کو سخت کوفت ہوئی اور آپ ﷺ نے اپنے خالق و مددگار کی بارگاہ میں دُعا فرمائی، ”اے میرے اللہ! تُو قرآن نازل کرنے والا ہے اور جلد حساب لینے والا ہے، ان قبیلوں کو شکست دے اور ان کے قدم لڑکھڑا دے اور ان پر ہماری مدد فرما۔“

^(۱) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۲۲۴

^(۲) سورة الاحزاب، آیت ۱۲

حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کی جنگ کے آخری تین دنوں میں ظہر و عصر (کی نمازوں) کے درمیان مسجد فتح میں مسلسل دُعا مانگی۔

پس، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا قبول ہوئی اور حق تعالیٰ شانہ نے ایسی آندھی اور زلزلہ بھیجا کہ کفار کا لشکر تہس نہس ہو گیا، اُن کے خیمے اکھڑ گئے، چہرے خاک آلودہ ہو گئے، سنگریزوں کی بارش ہونے لگی اور وہ حواس باختہ ہو گئے۔ بروایت خداوند متعال نے فرشتوں کی ایک جماعت بھیجی جنہوں نے اُن کے خیموں کی طنابیں کاٹ کر آگ لگا دی اور اُن کو ایسا خوفزدہ کیا کہ وہ فرار پر مجبور ہو گئے۔

سخت سرد اور تاریک رات تھی، رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس ٹیلے پر جہاں بعد میں مسجد فتح تعمیر ہوئی نماز پڑھی اور پھر مسلمانوں سے مخاطب ہوئے۔ محمد بن جریر طبری لکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ”کوئی ایسا ہے جو دشمن کی فرو دگاہ میں جا کر اس خبر کی تصدیق کر کے آئے جو میں معلوم ہوئی ہے؟ میں اُس کے لئے بہشت کی ضمانت دیتا ہوں۔“ کوئی نہ کھڑا ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر نماز پڑھی اور فارغ ہو کر وہی سوال دہرایا لیکن کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پھر نماز کی طرف متوجہ ہوئے اور نماز پڑھ کر تیسری بار پھر وہی سوال کیا لیکن کوئی نہ بولا۔ بالآخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہ بن الیمانؓ کو آواز دی اور فرمایا حذیفہ! تم دشمن کے ہاں جاؤ اور دیکھ کر آؤ کہ وہ کیا کر رہے ہیں اور جب تک میرے پاس نہ آ جاؤ کسی سے کوئی بات نہ کرنا۔^①

حضرت حذیفہؓ کافروں کی طرف چلے گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر نماز میں مصروف ہو گئے۔ نماز کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سوز و گداز کے ساتھ فتح و نصرت کی دُعا مانگی۔ حذیفہؓ نے آکر بتایا کہ آگ سرد پڑی ہے، ایک سخت آندھی جس میں سنگریزے ہیں پوری فوج کو گھیرے میں لئے ہوئے ہے، تمام خیمے اکھڑ چکے ہیں اور چھو لدا ریاں زمین پر آ پڑی ہیں، عالم یہ ہے کہ وہ ڈھالیں منہ پر لیے ہوئے سنگریزوں سے بچاؤ کی کوشش کر رہے ہیں۔“ حذیفہؓ نے کہا سنگریزوں کے اُن

① ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری (اردو)، ج ۲ حصہ اول، ص ۲۲۲

کی ڈھالوں سے ٹکرانے کی آوازیں ابھی تک میرے کانوں میں گونج رہی ہیں۔^(۱)

اس کا ذکر قرآن کریم میں باری تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے:^(۲)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَتْكُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا^(۳)

(اے ایمان والو! اللہ کے اُس احسان کو یاد کرو جو اُس نے تم پر کیا ہے جب (کفار کے) لشکر تم پر چڑھ آئے اور ہم نے (تمہاری مدد کیلئے) اُن پر ہوا (آندھی) بھیجی اور (فرشتوں کے) ایسے لشکر بھیجے جن کو تم نے نہیں دیکھا اور جو کچھ تم کر رہے تھے۔ اللہ اُسے خوب دیکھ رہا تھا۔)

کفار کا فرار

کفار عذاب الہی کی تاب نہ لا سکے پس اُن کے پتے پانی ہونے لگے اور انہوں نے فرار میں عافیت سمجھی۔ ابوسفیان اپنی سواری کے پاس آیا اور پکارا ”النجا النجا“، یعنی بھاگ کر اپنی جان بچاؤ، بھاگ کر اپنی جان بچاؤ۔ یہی صدائے فرار حارث بن عوف نے بھی بلند کی اور تمام فوجیں پسپا ہو کر فرار ہونے لگیں۔^(۴) پس ارشاد خداوند والجلال ہوا:^(۵)

وَرَدَّ اللَّهُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوا خَيْرًا ۚ وَكَفَى اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ الْقِتَالَ ۚ وَكَانَ اللَّهُ قَوِيًّا عَزِيزًا^(۶)

(اور اللہ نے کافروں کو غم و غصہ کی حالت میں (بے نیل مرام) لوٹایا کہ وہ کوئی فائدہ حاصل نہ کر سکے اور اللہ نے مؤمنوں کو جنگ (کی زحمت) سے بچالیا اور اللہ بڑا طاقتور (اور) غالب ہے۔)

^(۱) علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۳۱۳۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مدارج النبوت ج ۲ ص ۲۲۵، ۲۲۶

^(۲) سورة الاحزاب، آیت ۹

^(۳) علامہ طبرسی (متوفی ۵۳۲ھ)، اعلام الوری

^(۴) سورة الاحزاب، آیت ۲۵

غزوہ بنو قریظہ

(ذیقعدہ ۵ ہجری / مارچ ۶۲۷ء)

یہ غزوہ، غزوہ خندق کے فوراً بعد ہی ذیقعدہ ۵ ہجری، مارچ ۶۲۷ء کو واقع ہوا۔ بعض مؤرخین اس کا مہینہ ذی الحجہ ۵ ہجری لکھتے ہیں^(۱) لیکن تاریخ کی مستند کتب ذیقعدہ ہی بتاتی ہیں۔^(۲)

بنو قریظہ یہودیوں کا ایک قبیلہ تھا جو بنو نضیر کی طرح بہت بڑا اور طاقتور تھا، انہی کی نسبت سے اس کو غزوہ بنو قریظہ کہا جاتا ہے۔ بنو قریظہ کی عہد شکنی اور بغاوت کا کچھ ذکر گزشتہ صفحات پر غزوہ خندق کے باب میں ہو چکا ہے۔ جنگ خندق کے نازک موقع پر ان کی اُس عہد شکنی کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کی پریشانی میں اضافہ ہو گیا تھا۔ مشرکین کے لشکر خندق میں شکست کھا کر واپس ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے مدینہ پہنچ کر حکم الہی مسلمانوں کو آرام کرنے کا موقع بھی نہ دیا اور اُسی دن بنو قریظہ کے قلعہ کی طرف کوچ کا حکم صادر فرما دیا، اور سبھی روانہ ہو گئے۔^(۳)

روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ غزوہ خندق سے واپس اپنے رحمت کدہ پر تشریف لائے ہی تھے کہ جبرائیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور کہا، حق تعالیٰ کا حکم ہے کہ فوراً بنی قریظہ کی طرف کوچ کریں اور انہیں مہلت نہ دیں۔ جبرائیل علیہ السلام نے یہ بھی عرض کیا کہ میں نے اور میرے ساتھی فرشتوں نے ابھی جسموں سے ہتھیار نہیں اتارے، خدا کی قسم میں جا کر ان کے قلعوں میں تہلکہ مچاتا ہوں اور ان کو پامال کرتا ہوں اور ایسے زلزلہ لاتا ہوں جیسے مرغی کے انڈے کو پتھر مارتے ہیں۔^(۴) جبرائیل علیہ السلام کا یہ عرض کرنا کہ میں نے اور میرے ساتھی فرشتوں نے ابھی جسموں سے ہتھیار

(۱) مولوی عبدالباری، دعوت دہلی، سیرت طیبہ، ۱۲ ربیع الاول ۱۳۷۹ھ، ص ۱۸۳

(۲) ابوالفداء (متوفی ۱۳۳۱ء) تاریخ ابوالفداء، ج ۱ ص ۱۳۳۔

سید محسن امین عالمی (متوفی ۱۹۵۳ء)، اعیان الشیعہ، ج ۲ ص ۲۳۹

(۳) شذرات الذهب فی اخبار من ذهب لابن العماد الحنبلی ج ۱ ص ۱۱

(۴) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۹۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۲۲۸ بحوالہ صحیح بخاری

نہیں اُتارے، غزوہ خندق کے تناظر میں تھا۔ یعنی خندق کے معرکہ میں وہ نازل ہوئے تھے اور اُس وقت اُن کے بدن پر جو ہتھیار تھے وہ ابھی تک ویسے ہی تھے۔

تاریخ طبری میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ غزوہ خندق سے واپسی پر حضور اکرم ﷺ نے ہتھیار رکھول دیے، دوسرے مسلمانوں نے بھی ہتھیار رکھول دیے کہ جبرائیل علیہ السلام آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور کہا کہ آپ ﷺ نے ہتھیار رکھ دیے مگر ملائکہ نے اب تک ہتھیار نہیں رکھے، حکم الہی ہے کہ آپ ﷺ دشمن کے مقابلے پر جائیں اور اُن سے لڑیں۔ پس آپ ﷺ نے اپنی زرہ منگوا کر پہنی اور تمام مسلمانوں کے ساتھ روانہ ہو گئے۔^(۱)

مدارج النبوت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کی عادت شریفہ تھی کہ جب غزوہ سے یا کسی سفر سے تشریف لاتے تو پہلے سیدۃ النساء العالمین فاطمہ علیہا السلام کے گھر تشریف لاتے اور اُن کو بوسہ دیتے۔ چنانچہ غزوہ خندق سے واپسی پر بھی آپ ﷺ حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کے گھر تشریف فرما تھے کہ اچانک ایک شخص نے گھر کے باہر سے سلام عرض کیا۔ حضور ﷺ باہر چلے گئے پھر جب واپس تشریف لائے تو فرمایا کہ یہ جبرائیل علیہ السلام تھے اور انہوں نے مجھے حکم الہی پہنچایا ہے کہ میں فوراً بنو قریظہ کی طرف متوجہ ہو جاؤں۔ کہا جاتا ہے کہ جبرائیل علیہ السلام، صحابی رسول ﷺ حضرت وحیہ کلبیؓ کے حلیے میں آئے تھے۔^(۲)

اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا، ”مدینہ میں اعلان کرو کہ اے خدا کے شہسوارو! سوار ہو جاؤ اور یہی کہو کہ جو خدا کے حکم کا فرمانبردار ہے اُسے چاہیے کہ نماز عصر بنو قریظہ میں پہنچنے سے پہلے نہ پڑھے۔“ (یعنی نماز عصر تک بیٹھے نہ رہیں، فوراً کوچ کریں اور یہ نماز منزل پر پہنچ کر ادا کریں۔)

آپ ﷺ نے ابن ام کلثومؓ کو مدینہ کا عامل مقرر فرمایا۔ علم لشکر حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کے

^(۱) ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری (اردو)، ج ۲ حصہ اول، ص ۲۲۵

^(۲) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۲۲۸۔

سپر دکیا^① اور اُن کو مقدمہ اکبیش پر مقرر فرمایا اور تین ہزار مجاہدین اسلام کے ساتھ بنوقریظہ کی طرف پیش قدمی فرمائی۔ راستے میں بنی نجار کے دستے کو دیکھا جو گھوڑوں پر سوار مستعد کھڑے آپ ﷺ کے منتظر تھے۔ آپ ﷺ نے اُن سے دریافت فرمایا کہ تمہیں یوں مسلح ہو کر انتظار میں کھڑے رہنے کو کس نے کہا تھا؟ انہوں نے جواب دیا کہ وحیہ کلبیہؑ کہہ گئے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ جبرائیل (علیہ السلام) تھے جو (ہم سے) پہلے روانہ ہوئے تھے۔^② طبری نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے علی ابن طالب (علیہ السلام) کو اپنا علم دے کر اپنے سے پہلے بنوقریظہ کی طرف روانہ کر دیا تھا۔^③

چنانچہ حضرت علی (علیہ السلام)، بنی نجار، بنی عبدالاشہل اور مہاجرین کی جماعتوں کو لئے بنوقریظہ کے قلعوں کے سامنے پہنچے تو انہوں نے قلعہ کے اوپر سے آپ کو دیکھ کر گالیاں بکنا شروع کر دیں اور نہ صرف آپ کی بلکہ پیغمبر خدا ﷺ کی شان میں بھی طرح طرح کے ریک الفاظ کہے۔ اس جاہلانہ حرکت پر آپ خاموش رہے اور پیچھے تشریف لائے جہاں رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام کے حلقے میں تشریف لا رہے تھے۔ آپ نے رسول خدا ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور ﷺ! اگر آپ (ﷺ) آگے تشریف نہ لے جائیں تو کیا حرج ہے؟ انشاء اللہ وہ خود رسوا ہو کر رہیں گے۔ آنحضرت ﷺ سمجھ گئے کہ وہ لوگ بدزبانی پر اتر آئیں ہیں۔ علامہ طبری کا بیان ہے کہ آپ ﷺ نے وہیں قیام فرمایا لیکن دیگر مؤرخین لکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اُن کی یا وہ گوئی کو کوئی پروا نہیں کی اور قلعہ کے سامنے تشریف لے گئے۔^④

حضور ﷺ وہاں شام ڈھلے پہنچے۔ مجاہدین نے وہاں پہنچتے ہی محاصرہ کر لیا جو پندرہ دن^⑤،

① ابن الوردی (متوفی ۱۳۴۹ء)، تاریخ ابن الوردی، ج ۱ ص ۱۲۲۔ تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۲۴۔

ابوالفداء (متوفی ۱۳۳۱ء)، تاریخ ابوالفداء، ج ۱ ص ۱۴۲۔ عبدالحق محدث دہلوی، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۳۹

② شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۲۲۸

③ ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری (اردو)، ج ۲ حصہ اول، ص ۲۲۴

④ علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۳۱۵ بحوالہ علامہ طبری (متوفی ۵۳۲ء)، اعلام الوری

⑤ شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۲۲۸، بحوالہ ابن سعد

یا پچیس دن رہا۔^① جب محاصرہ طویل ہوا تو حق تعالیٰ نے یہودیوں کے دلوں میں ایسا رعب و خوف ڈالا کہ انہوں نے جنگ کا سلسلہ موقوف کر دیا اور اپنے ایک آدمی نباش بن قیس کے ذریعے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں درخواست پیش کی کہ ہم اس شرط پر ہتھیار ڈالنے کو تیار ہیں کہ آپ ﷺ ہمیں چھوڑ دیں تاکہ ہم اپنے بال بچوں، ہتھیاروں اور مال و اسباب کے ساتھ کہیں اور چلے جائیں۔ حضور ﷺ نے اُن کی پیشکش کو حکم خدا مسترد فرمادیا۔ وہ عرض پرداز ہوئے کہ ہم اپنے مال و اسباب اور اسلحے سے بھی دستبردار ہوتے ہیں ہمیں اجازت دیں کہ بنو نضیر کی طرح اپنے اہل خانہ ہی کو لے کر نکل جائیں۔ آپ ﷺ نے حکم الہی اُن کی یہ پیشکش بھی ٹھکرا دی اور فرمایا کہ غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈالو، میں جو چاہوں گا وہ فیصلہ کروں گا۔^②

آپ ﷺ کے اس حکم پر بنو قریظہ ششدر رہ گئے۔ اُن کا سردار کعب بن اسد تھا اور اُس کا دوست جیمی بن اخطب اُس وقت اُس کا مہمان تھا، دونوں نے اپنی قوم کو مشورہ دیا کہ محمد (ﷺ) پر ایمان لے آؤ کیونکہ یہ وہی ہیں جن کے اوصاف تورات میں بیان کئے گئے ہیں اور اگر تم ان پر ایمان لے آتے ہو تو تمہارا جان و مال محفوظ رہے گا۔ یہودیوں نے کہا کہ ہم اپنا دین نہیں چھوڑ سکتے اور تورات پر کسی اور کتاب کو ترجیح نہیں دے سکتے۔ کعب نے کہا کہ تمہارے پاس تین راستے ہیں، اُن میں سے کسی ایک کا انتخاب کرلو۔

ایک یہ کہ محمد (ﷺ) پر ایمان لے آؤ جیسا کہ میں نے پہلے کہا۔

دوسرا یہ کہ ہم اپنے بیوی بچوں کو اپنے ہاتھوں قتل کر دیں اور پھر قلعے سے باہر نکل کر مسلمانوں سے مقابلہ کریں۔ اگر مارے گئے تو ہمارے پیچھے مسلمانوں کے ہاتھوں ذلیل و رسوا ہونے کو کوئی نہ ہوگا اور کامیاب ہو گئے تو نئی عورتیں حاصل کر لیں گے اور بچے بھی پیدا کر لیں گے۔

تیسرا یہ کہ آج کی رات مسلمانوں پر شب خون ماریں اور پھر جو ہوگا دیکھا جائے گا۔

① شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۲۲۸، بحوالہ ابن اسحاق

② ابو عبد اللہ محمد بن عمرو اقدی (متوفی ۸۲۲ء)، المغازی للواقدی ج ۲ ص ۵۰۱

بنو قریظہ نے کعب کے تینوں مشوروں کو مسترد کر دیا تو اُس نے کہا کہ اپنی پیدائش سے لے کر مدت العمر تم میں سے کوئی شخص ایک شب میں بھی دُور اندیش ثابت نہیں ہوا۔^(۱)

پھر ایک روز محاصرے کی طوالت سے گھبرا کر، شکست خوردہ حالت میں وہ قلعے سے باہر آگئے اور کہا ہمارے متعلق سعد بن معاذ (رضی اللہ عنہ) جو فیصلہ کریں گے وہ ہمیں منظور ہے۔

علامہ طبری لکھتے ہیں، ”پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے پچیس دن تک اُن کا محاصرہ قائم رکھا یہاں تک کہ اُن لوگوں نے سعد بن معاذ (رضی اللہ عنہ) کے فیصلے پر انحصار کر کے ہتھیار ڈال دیئے۔“^(۲)

حضرت سعد (رضی اللہ عنہ) خندق کے غزوہ میں زخمی ہونے کی وجہ سے اس غزوہ میں شریک نہیں ہو سکے تھے اور پیچھے رہ گئے تھے، چنانچہ انہیں لانے کے لئے کسی کو روانہ کیا گیا۔

حضرت سعد بن معاذ (رضی اللہ عنہ) کی نامزدگی کی وجہ

حضرت سعد بن معاذ (رضی اللہ عنہ) کی بنو قریظہ کے معاملے میں بطور ثالث نامزدگی کی ایک وجہ تو بنو قریظہ خود تھے کیوں کہ حضرت سعدؓ اُن کے بہت اچھے دوست اور حلیف تھے اور وہ اُن پر بہت اعتماد کرتے تھے۔ دوسری وجہ محققین یہ بیان کرتے ہیں کہ مدینہ میں سب سے پہلے یہودیوں کے قبیلہ بنو قینقاع نے غداری کی تھی، وہ قبیلہ خزرج کے حلیف تھے۔ اُس وقت کا سب سے بڑا منافق عبد اللہ بن ابی قبیلہ خزرج کا ایک اہم رکن تھا، جب بنو قینقاع نے ہتھیار ڈالے تو اُس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی پُر زور سفارش کی کہ بنو قینقاع کے ساتھ نرمی برتی جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو یہ رعایت دے دی کہ وہ سلامتی کے ساتھ مدینہ سے باہر چلے جائیں۔

بالفاظ دیگر خزرج والوں کی سفارش پر اُن کے حلیف یہودی قبیلہ بنو قینقاع کو رعایت مل گئی تھی۔ بنو قریظہ مدینہ کے دوسرے بڑے قبیلے اوس کا دوست تھا۔ اُن کا معاملہ درپیش آیا تو خزرج کی

^(۱) ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری (اردو)، ج ۲ حصہ اول، ص ۲۲۵، ۲۲۶

^(۲) علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۳۱۷، ۳۱۸ بحوالہ علامہ طبری (متوفی ۵۳۲ء)، اعلام الوری

دیکھا دیکھی اوس والے اپنے حلیفوں کی حمایت میں اُٹھ کھڑے ہوئے اور رسول اللہ ﷺ سے کہنے لگے کہ جس طرح خزر ج کے دوست قبیلہ قینقاع کو عبد اللہ بنی اُبی کی سفارش پر بخش دیا گیا تھا اُسی طرح ہمارے حلیف بنی قریظہ پر بھی کرم فرمائیے۔ آنحضرت ﷺ نے یہ صورت حال ملاحظہ کرتے ہوئے فرمایا، ”کیا تم اس پر تیار ہو کہ ان کا معاملہ سعد بن معاذ پر چھوڑ دیا جائے؟“ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کیونکہ قبیلہ اوس کے سردار تھے اس لئے وہ لوگ بخوشی اس پر تیار ہو گئے۔ پس، حضرت سعد بن معاذ کو بلا یا گیا۔^①

اوس کے لوگ حضرت سعدؓ کی طرف بھاگے اور کہا کہ نبی اللہ ﷺ نے بنو قریظہ کی قسمت کا فیصلہ آپ پر چھوڑا ہے یہ آپ کے حلیف بھی ہیں اور اُن کی ساری اُمیدیں اب آپ سے وابستہ ہیں لہذا جس طرح عبد اللہ بن اُبی نے اپنے دوستوں (بنو قینقاع) کو چھڑایا تھا آپ ان پر شفقت کریں تاکہ یہ قتل ہونے سے بچ جائیں۔ حضرت سعدؓ خاموش رہے۔ اوس کے لوگ اُن کی منت سماجت کرنے لگے اور جب اُن کا اصرار بہت بڑھ گیا تو حضرت سعدؓ کہنے لگے، ”یہ وقت ایسا نہیں ہے کہ خدا کے دشمنوں کی سفارش کی جائے۔“ اُسی مایوس ہو گئے اور سمجھ گئے کہ بنو قریظہ قتل ہی کیے جائیں گے۔^②

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کے حکم پر بڑے احترام کے ساتھ آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر کیا گیا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اُن سے فرمایا، ”اے سعد! ان کے بارے میں حکم دو۔“ حضرت سعدؓ نے کہا، ”خدا اور اُس کا رسول ﷺ ہی حکم دینے کے سزاوار ہیں۔“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، ”بے شک، (لیکن) تمہیں حق تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ان کے بارے میں تم فیصلہ کرو۔“^③

① ابن الورودی (متوفی ۷۷۹ھ ۱۳۴۹ء)، تاریخ ابن الورودی ج ۱ ص ۱۱۲

② شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۲۳۱

③ شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۲۳۲

ہمارا قیاس یہ ہے کہ حضرت سعدؓ کو یہ مقام و مرتبہ غزوہ خندق میں اُن کے ساتھ بنو قریظہ کے توہین آمیز سلوک کے بعد اُن کی مانگی گئی دُعا کی قبولیت کی وجہ سے ملا تھا۔ تیرکا مہلک زخم آنے کے بعد اُنہوں نے دعا کی تھی کہ پروردگار! مشرکین قریش سے جنگ اگر باقی ہے تو مجھے اُن سے مقابلے کے لئے زندہ رکھ اور اگر ختم ہو چکی ہے تو پھر اس زخم کو میری شہادت کا ذریعہ بنادے مگر مجھے اُس وقت تک دُنیا سے نہ اٹھانا جب تک کہ بنو قریظہ کا انجام اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لوں۔“ اُن کی دعا قبول ہو گئی تھی اور خون بہنا بند ہو گیا تھا۔^(۱)

اوس کے لوگوں نے ایک بار پھر بنو قریظہ کے لئے حضرت سعدؓ کی منت سماجت شروع کر دی۔ اُنہوں نے کہا، ”تم سے اللہ تعالیٰ کا عہد و میثاق یہ ہے کہ میں جو حکم کروں تم سب اُسے تسلیم کرو۔“ سب نے کہا، ”ہم تسلیم کریں گے۔“

اربابِ سیر نے یہاں بڑی عجیب و لطیف اور گہری بات لکھی ہے کہ حضرت سعدؓ نے حضور ﷺ کی تعظیم و توقیر اور ادب و احترام کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے آپ ﷺ کو براہِ راست مخاطب کرنے اور آپ ﷺ کی جانب رخ کر کے آپ ﷺ کو متوجہ کرنے سے اجتناب کیا اور کہا، ”جو یہاں موجود ہیں کیا وہ میرے حکم پر راضی ہیں؟“^(۲)

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا، ”حکم وہی ہے جو تم کرو گے۔“ پس حضرت سعدؓ نے حکم دیا، ”بنی قریظہ کے مردوں کو قتل کر دیا جائے، ان کی عورتوں اور بچوں کو باندیاں اور غلام بنالیا جائے اور ان کے ساز و سامان اور اموال کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جائے۔“ رسول خدا ﷺ نے فرمایا، ”اے سعد! تم نے ان کے بارے میں وہ حکم دیا ہے جو حق تعالیٰ نے ساتوں آسمانوں کے اُوپر سے کیا تھا۔“^(۳)

^(۱) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۲۲۴

^(۲) ابوجعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری (اردو)، ج ۲ حصہ اول، ص ۲۲۸

شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۲۳۲

^(۳) ابوجعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری (اردو)، ج ۲ حصہ اول، ص ۲۲۸

شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۲۳۲

بنو قریظہ کا انخام

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے فیصلے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ بنو قریظہ کا تمام مال و متاع اور اسلحہ جمع کر لو اور انہیں گرفتار کر کے مدینہ لے چلو۔

اُن کے قلعے سے برآمد ہونے والے سامان میں پندرہ سو (۱۵۰۰) تلواریں، تین سو (۳۰۰) زرہیں، دو ہزار (۲۰۰۰) نیزے اور پانچ سو (۵۰۰) یا بروایت پندرہ سو (۱۵۰۰) مختلف اقسام کی ڈھالیں تھیں، اس کے علاوہ شراب کا بہت بڑا ذخیرہ بھی تھا جسے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے بہادیا گیا۔^① اسلحے کی اتنی بڑی مقدار سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک بڑی جنگ کے لئے تیار تھے۔ مدینہ پہنچ کر مرد قیدیوں کو اُسامہ بن زید کے مکان میں بھیج دیا گیا اور عورتوں اور بچوں کو ایک خاتون بنت حارث کے مکان میں پہنچا دیا گیا، پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر قیدیوں کے لئے دونوں جگہ کھجوروں کے ٹوکڑے بھجوائے گئے جو انہوں نے پیٹ بھر کر کھائے۔^②

اگلی صبح پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر جا بجا گڑھے کھودے گئے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ اصحاب کے ساتھ ایک جگہ تشریف فرما ہوئے جہاں بنی قریظہ کے لوگوں کو لایا جاتا اور اُن کی گردنیں قلم کردی جاتیں۔ واقدی کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طرزِ عمل سے بالکل نمایاں تھا کہ وہ اُسے ایک ناخوشگوار فریضہ سمجھ رہے تھے جسے مجبوراً اُن جرائم کی شدت کی بنا پر ادا کیا جا رہا تھا جن کا ارتکاب بنو قریظہ نے کیا تھا اور اس فریضے کی ادائیگی میں کوئی انتقام یا دشمنی کا جذبہ قطعاً نہیں تھا چنانچہ جو لوگ قتل کئے جا رہے تھے اُن کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ترحم کے جذبات بھی کارفرما تھے اس لئے دو پہر کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب گرمی زیادہ ہو گئی ہے انہیں سایہ میں لے جاؤ اور لیٹنے کا موقع دو اور ٹھنڈا پانی پلاؤ کہ انہیں سکون ملے اور باقی ماندہ لوگوں کو دوسرے وقت قتل کرنا، ایسا نہ ہو کہ سورج کی گرمی اور تھپھپکی کی گرمی دونوں کو ان پر ایک ساتھ مسلط کر دو۔ یہ سن کر

① ابو عبد اللہ محمد بن عمر واقدی (متوفی ۸۲۲ء)، واقدی، ج ۲ ص ۵۰۹۔ مدارج النبوت ج ۲ ص ۲۳۱

② ابو عبد اللہ محمد بن عمر واقدی (متوفی ۸۲۲ء)، واقدی، ج ۲ ص ۵۱۲

اصحاب انہیں لے گئے، آرام دہ جگہوں پر رکھا اور کھانا پانی پہنچایا۔ جب ٹھنڈا وقت ہوا تو رسول اللہ ﷺ پھر تشریف لائے اور باقی افراد کو قتل کیا گیا۔^①

اسی دوران بنو نضیر کے سردار جی بن اخطب کو آپ ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا۔ وہ ملعون آپ ﷺ سے انتہائی بغض و عناد رکھتا تھا۔ جس وقت آپ ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ میں رونق افروز ہوئے تھے تو وہ صبح و شام آپ ﷺ کے پاس موجود رہتا اور منافقت برتا کرتا۔ اُس کے بھائی یاسر بن اخطب نے رسول اکرم ﷺ کے بارے میں اُس سے پوچھا کہ کیا یہ وہی مقدس ہستی ہیں جن کے اوصاف ہم تورات میں پڑھتے ہیں؟ اُس نے تمسخر سے کہا ”ہو ہو“، یعنی یہ ہیں تو وہی لیکن میرے دل میں اُن کے لئے عداوت کے سوا کچھ نہیں۔ جب اُسے آنحضرت ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا، ”اے دشمنِ خدا! آخر کار حق تعالیٰ نے تجھے میرا اسیر بنا دیا، تجھ پر ذلت و خواری مسلط کر دی اور مجھے تجھ پر غالب کر کے حاکم بنایا۔“ وہ شقی القلب اب بھی گستاخی سے باز نہ آیا اور کہنے لگا، ”میں خود کو آپ (ﷺ) کی عداوت میں ملامت نہیں کرتا لیکن جس کو اللہ رسوا کرے اُسے کوئی عزت نہیں ملتی۔ میں نے اپنی عزت تلاش کی اور خدا نے آپ (ﷺ) کو ظفر مند کیا۔“ شاید وہ کچھ اور بھی کہتا لیکن حیدر کرار علی علیہ السلام نے ذوالفقار کھینچی اور اُس کا سرتن سے جدا کر دیا۔

اُس کے بعد کعب بن اسد کو لایا گیا۔ حضور ﷺ نے اُس سے فرمایا، ”مے لے کعب! ایمان لے آؤ۔ تم تو اچھی طرح جانتے ہو کہ میں رسولِ برحق ہوں۔“ کعب نے کہا، ”میں آپ (ﷺ) کی تصدیق اور اطاعت کرتا لیکن مجھے شرم آتی ہے کہ لوگ کہیں گے عاجز ہو کر اور جان کے خوف سے ایمان لے آیا، پس میں دینِ یہود پر ہوں اسی پر مروں گا۔“ آنحضرت ﷺ کے حکم پر حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام نے اُسے بھی جہنم واصل کر دیا۔

اربابِ سیر کہتے ہیں اُس دن حضرت علی علیہ السلام اور حضرت زبیرؓ، رات تک بنو قریظہ کے قتل میں

① ابو عبد اللہ محمد بن عمرو واقدی (متوفی ۸۲۲ء)، واقدی ج ۲ ص ۵۱۴

مصرف رہے جن کی مجموعی تعداد چار سو تھی۔ بعض نے چھ سو، سات سو اور نو سو بھی لکھی ہے لیکن چار سو والی روایت کو مؤرخین کی اکثریت نے صحیح کہا ہے۔ کچھ قیدیوں کو آزاد کر دیا گیا، بعض کو بہہ (کسی کو دے دینا) کر دیا گیا اور ان کا مال و اسباب مسلمانوں میں تقسیم کر دیا گیا۔^(۱)

واقدی کے مطابق مقتولین کی تعداد ساڑھے سات سو تھی۔ عورتوں اور بچوں کو کنیزوں اور غلاموں کی حیثیت سے فروخت کر دیا گیا جن کی تعداد ایک ہزار تھی۔ اُن کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے تاکید فرمائی کہ کسی ماں سے اُس کے بچے کو اُس وقت تک جدا نہ کیا جائے جب تک وہ سنِ بلوغت کو نہ پہنچ جائے۔^(۲)

علامہ علی نقی نقوی صاحب نے ”تاریخ اسلام“ میں میرے دل کی بات لکھی ہے، فرماتے ہیں، ”دل کہتا ہے اگر وہ (بنو قریظہ) اپنے کو خدا اور رسول ﷺ کے رحم و کرم پر چھوڑتے تو انہیں اتنے تباہ کن انجام کا شاید سامنا نہ کرنا پڑتا۔ مگر انہوں نے رسول کریم ﷺ کے خلقِ عظیم پر بے اعتمادی سے کام لیتے ہوئے اپنے ذاتی تعلقات پر بھروسہ کیا اور سعدؓ کو ثالث بنا دیا جس کے بعد فیصلہ کی ذمہ داری خود رسول ﷺ پر بالکل نہ رہی۔ انہیں سعدؓ کے ذاتی تعلقات پر بھروسہ تھا جو انہوں نے اُن کا نام ثالثی کے لئے پیش کیا اور رسول ﷺ کو اُن (سعدؓ) کے خلوص ایمانی پر اعتماد تھا جو آپ ﷺ نے اُن کی اس پیشکش کو قبول فرمایا۔“^(۳)

سطحی نظر سے دیکھا جائے تو یہ فیصلہ مناسب معلوم نہیں ہوتا لیکن شریعت، قانون اور عدل و انصاف کی رُو سے دیکھا جائے تو یہ فیصلہ بالکل درست ہے۔ جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ فیصلے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعدؓ سے فرمایا، ”اے سعد! تم نے ان کے بارے میں وہ حکم دیا ہے جو حق تعالیٰ نے ساتوں آسمانوں کے اوپر سے کیا تھا۔“^(۴)

^(۱) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۲۷۷

^(۲) ابو عبد اللہ محمد بن عمرو واقدی (متوفی ۸۲۲ء)، واقدی، ج ۲ ص ۵۱۸، ۵۲۳، ۵۲۴

^(۳) علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۳۱۹

^(۴) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۲۷۷

مولانا شبلی نعمانی صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے جو فیصلہ کیا وہ تورات کے مطابق تھا، توراۃ کتاب تشذیبہ اصحاب ۲۰ فقرہ ۱۰ میں ہے، ”جب کسی شہر پر حملہ کرنے کے لئے تُو جائے تو پہلے صلح کا پیغام دے۔ اگر وہ صلح کر لیں اور تیرے لئے دروازے کھول دیں تو جتنے لوگ وہاں موجود ہوں سب تیرے غلام ہو جائیں گے لیکن اگر صلح نہ کریں تو اُن کا محاصرہ کر اور جب تیرا خدا تجھ کو اُن پر قبضہ دلا دے تو جس قدر مرد ہوں سب قتل کر دے۔ باقی بچے، عورتیں، جانور اور جو چیزیں شہر میں موجود ہوں سب تیرے لئے مال غنیمت ہوں گی۔“^①

ڈاکٹر عبدالعلیم لکھتے ہیں، ”دراصل بنو قریظہ کا علاقہ اور بنو نضیر کے ساتھ جو سلوک کیا گیا تھا وہ انصاف نہیں تھا بلکہ اس میں رحم کی کار فرمائی نظر آتی ہے اس لئے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جیسا رحیم انسان اُس (رحم کی کار فرمائی) کا ذمہ دار ہے۔ ہاں بنو قریظہ کے ساتھ پورا پورا انصاف کیا گیا اور سختی کے ساتھ وہ سزا دی گئی جس کے وہ مستحق تھے۔ اگر کسی کو اس میں بے جا شدت نظر آتی ہے تو اُس کے ذمہ دار رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہیں بلکہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ ہیں جو بنو قریظہ کے دوست تھے اور جنہیں خود انہوں نے نامزد کیا تھا۔ یورپی مورخ لین پول لکھتا ہے کہ سزا سخت تھی لیکن یہ فراموش نہ کرنا چاہئے کہ اُن لوگوں کا جرم حکومت سے کھلم کھلا بغاوت تھی اور وہ بھی محاصرے کے زمانہ میں۔ جو لوگ یہ پڑھ چکے ہیں کہ ولنگٹن کی فوج کے راستے کا پتہ غداروں اور ڈاکوؤں کی اُن لاشوں سے چلتا تھا جو ادھر ادھر درختوں پر لٹکتی ہوتی تھیں تو اُنہیں تو کم از کم ایک غدار قبیلہ کے قتل کیے جانے پر متعجب نہیں ہونا چاہیے۔“^②

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی شہادت

جب بنو قریظہ کے یہود اپنے انجام کو پہنچ گئے تو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا زخم پھر کھل گیا اور خون بہنے لگا یہاں تک کہ وہ اللہ کو پیارے ہو گئے۔

① مولانا شبلی نعمانی (متوفی ۱۹۱۳ء)، سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حصہ اول ص ۳۳۵

② ڈاکٹر عبدالعلیم، سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور مستشرقین ص ۷۶

روایت ہے کہ حضرت سعدؓ کے وقت اخیر، حضور نبی کریم ﷺ اُن کے سرہانے تشریف فرما تھے اور اُن کے سر کو اپنے زانوئے اقدس پر رکھے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے دعا فرمائی، ”یا اللہ! سعد کو اپنی رحمتوں سے ڈھانپ لے، اس نے تیرے رسول (ﷺ) کی تصدیق کی اور اسلام کے جو حقوق اس پر عائد تھے اس نے ادا کئے اور تُو اس کی روح کو بہترین طریقے سے کہ جس طرح تُو اپنے پیاروں کی روحوں کو قبض کرتا ہے قبض فرما۔“ رسول معظم ﷺ کے الفاظ حضرت سعدؓ کی سماعت تک پہنچے تو آنکھیں کھولیں اور عرض کیا، ”السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ“ پھر کہا، ”میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور آپ ﷺ نے خوب تبلیغ رسالت کا حق ادا فرمایا۔“ پھر انہوں نے اپنے سر کو رسول ﷺ کے زانوئے مبارک سے اُٹھایا اور معذرت خواہی کرتے ہوئے رخصت کی اجازت طلب کی۔

روایت ہے کہ حضرت سعدؓ سفر آخر پر روانہ ہوئے تو جبرائیل علیہ السلام بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ کے صحابی کی وفات پر اُس کی روح کے استقبال کے لئے آسمانوں کے دروازے کھولے گئے ہیں۔

رسول اکرم ﷺ حضرت سعدؓ کی تجہیز و تکفین کے لئے تشریف لے گئے۔ سعدؓ طویل القامت اور تنومند تھے لیکن اُن کا جنازہ بہت ہلکا تھا۔ لوگوں نے اس پر حیرت کا اظہار کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ سعد کے جنازے کو فرشتوں نے اُٹھا رکھا تھا اس وجہ سے ہلکا لگتا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اُس کے جنازے میں ستر ہزار فرشتے موجود تھے۔^①

حضرت ابولبانهؓ کی پشیمانی

غزوہ بنو قریظہ کے حوالے سے حضرت ابولبانه رفاعہ بن عبدالمندراوسؓ کا ایک واقعہ تاریخ میں بہت مشہور ہے۔ ابولبانهؓ، بنو قریظہ کے حلیف اور دوست تھے اس لئے محاصرہ کے دوران نبی اللہ ﷺ نے انہیں مذاکرات کیلئے بنو قریظہ کی طرف روانہ کیا۔ وہ قلعے میں پہنچے تو یہودیوں نے

① شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۲۳۴

اُن کا پرتپاک استقبال کیا۔ اُن کی عورتیں اور بچے اُن کے سامنے محاصرہ کی وجہ سے ہونے والی پریشانی کی شکایت کر کے گریہ وزاری کرنے لگے۔ حضرت ابولبانبہ اُن کی حالتِ زار سے بہت متاثر ہوئے چنانچہ بات چیت کے دوران جب اُنہوں نے پوچھا کہ ہم ہتھیار ڈال کر قلعے سے باہر آ جائیں تو ہمارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا؟

ابولبانبہ نے اپنے حلق پر ہاتھ پھیر کر اشارہ کیا کہ تم قتل کر دیے جاؤ گے۔ معاً انہیں خیال آیا کہ میں نے یہ کیا کر دیا؟ یہ تو قومی اور فوجی نکتہ نگاہ سے غداری اور رسول اللہ ﷺ کے حق میں سراسر خیانت ہے، چنانچہ استغفار پڑھنے لگے اور اپنی غلطی پر نادم و گریہ کنال ہوئے۔ پھر بغیر اپنے ساتھیوں سے ملے یا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، مسجد نبوی پہنچے اور ایک ستون کے ساتھ خود کو باندھ لیا۔ (وہ ستون آج بھی مسجد نبوی میں ”اسطوانہ ابولبانبہ“ یعنی ”ستون ابولبانبہ“ کے نام سے موسوم اور موجود ہے) ستون کے ساتھ بندھ جانے کے بعد ابولبانبہ کہتے تھے کہ میں یہاں سے اُس وقت تک نہ جاؤں گا جب تک کہ میری توبہ قبول نہ ہو اور حق تعالیٰ میرے اس گناہ کو بخش نہ دے۔ حضور ﷺ کو اس کی خبر ہوئی تو فرمایا کہ وہ میرے پاس آتے تو میں اُن کے لئے دعائے مغفرت کرتا۔ پس قرآن حکم میں ارشادِ حق تعالیٰ ہوا: ①

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا ۝۶۳

(اور اگر یہ لوگ جب انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا، آپ (ﷺ) کے پاس آ جاتے اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے اور رسول (ﷺ) بھی ان کے لئے استغفار کرتے تو یقیناً یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو معاف کرنے والا مہربان پاتے)

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اب جبکہ انہوں نے خود بارگاہِ الہی میں حاضر ہو کر خود کو باندھ لیا ہے تو میں اُس وقت تک انہیں نہیں کھول سکتا جب تک کہ حق تعالیٰ ان کی توبہ نہ قبول فرمائے اور ان کے گناہ کو نہ بخشے۔

حضرت ابولہبانہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی مسجد میں آتی اور انہیں کچھ کھلا پلا جاتی، نماز کے وقت یا قضاے حاجت کے لئے اُن کو کھولا جاتا، اس کے بعد وہ پھر خود کو بھاری زنجیر سے باندھ لیتے۔ پندرہ دن اسی طرح گذر گئے، اُن کی سماعت جاتی رہی اور قریب تھا کہ بینائی بھی رخصت ہو جاتی کہ توبہ کی قبولیت کی نوید وحی کی صورت میں آئی۔ روایت ہے کہ جناب سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف فرما تھے، سحری کا وقت تھا کہ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تبسم فرماتے دیکھا۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی وجہ دریافت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابولہبانہ کی توبہ قبول ہو گئی ہے اور اُن کو بخش دیا گیا ہے۔ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اجازت مرحمت فرمائیں تو میں جا کر انہیں یہ بشارت دے دوں؟ فرمایا، ”اگر تمہاری خواہش ہے تو جا کر یہ نوید دے دو۔“ اس کے بعد نبی اپنے حجرہ کے دروازہ پر کھڑی ہوئیں اور کہا، ”اے ابولہبانہ! تمہارے لئے خوشخبری ہے کہ تمہاری توبہ قبول ہو گئی ہے۔“ (ارباب سیر لکھتے ہیں کہ یہ واقعہ آیت حجاب کے نازل ہونے سے پہلے کا ہے) یہ سننا تھا کہ مسجد میں موجود لوگ حضرت ابولہبانہ رضی اللہ عنہ کو کھولنے کے لئے دوڑے مگر انہوں نے کہا کہ مجھے مت کھولو۔ میری آرزو ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنے دست مبارک سے آزاد فرمائیں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے تو اپنے دست مبارک سے اُن کو بندشوں سے آزاد فرمایا۔^①

صاحب المواہب اللدنیہ، دلائل النبوة کے بیہقی اور محمد بن اسحاق، حضرت ابولہبانہ رضی اللہ عنہ کا مندرجہ بالا واقعہ غزوہ بنو قریظہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں جبکہ بقول ابن مسیب اور بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہ اُن کا اس طرح بندھنا غزوہ تبوک میں اُن کے پیچھے رہ جانے کی بنا پر تھا۔^②



① شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۲۷

② شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۲۷ بحوالہ المواہب اللدنیہ، دلائل النبوة

حجاب کا حکم

(کیم ذیقعدہ ۵ ہجری / ۲۴ مارچ ۶۲۷ء)

زمانہ جاہلیت کے عربوں میں پردے کا کوئی رواج نہیں تھا اور ایک دوسرے کے گھروں میں آزادانہ آنے جانے پر کوئی قدغن نہیں تھی بلکہ اسے محبت و یگانگت پر محمول کیا جاتا تھا۔ آپس میں جان پہچان رکھنے والے لوگ ایک دوسرے کے گھروں میں بلا جھجک آتے جاتے تھے اس طرح گھریلو پردہ داری اور خلوت کا کوئی تصور نہیں تھا۔ خواتین گھروں میں اکیلی ہوں اور غیر مردوں کی آمد و رفت ایک معمول ہو تو ایسی آزادی بے راہروی کا سبب بن سکتی ہے، چنانچہ نبی رحمت ﷺ نے ایسی مملکت بے راہروی کا سد باب کر دیا اور فرمایا کہ ایک دوسرے کے گھروں میں بغیر اجازت یوں آزادانہ مت داخل ہوا کرو اور اگر ان گھروں میں کسی آدمی کو نہ پاؤ تو بھی نہ آیا جایا کرو، اور اگر تم سے کہا جائے کہ لوٹ جاؤ تو واپس چلے جایا کرو کیونکہ یہ طریقہ کار بہت پاکیزہ ہے۔

پس ارشادِ خداوند متعال ہوا: ^①

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّى تَسْتَأْذِنُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَى أَهْلِهَا ۚ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۝ فَإِنْ لَمْ تَجِدُوا فِيهَا أَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوهَا حَتَّى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَإِنْ قِيلَ لَكُمْ ارْجِعُوا فَارْجِعُوا هُوَ أَزْكَى لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ۝۲۸

(اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو۔ جب تک کہ اجازت نہ لے لو اور گھر والوں پر سلام نہ کرلو۔ یہی تمہارے لئے بہتر ہے۔ تاکہ نصیحت حاصل کرو۔ پھر اگر ان (گھروں) میں کسی (آدمی) کو نہ پاؤ تو ان میں داخل نہ ہوا کرو جب تک کہ

① سورۃ النور، آیت ۲۸، ۲۷

تمہیں اجازت نہ مل جائے اور اگر تم سے کہا جائے کہ واپس چلے جاؤ تو واپس چلے جاؤ یہ (طریقہ کار) تمہارے لئے زیادہ پاکیزہ ہے۔ اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اُسے خوب جانتا ہے) ایک طرف تو نبی گرامی ﷺ نے لوگوں کے ایک دوسرے کے گھروں میں آزادانہ داخلے پر پابندی لگا دی اور اس کے لئے ایک بہترین طریقہ کار بھی وضع فرمادیا تو دوسری طرف مردوں کو حکم دیا کہ تاک جھانک کی عادت ٹھیک نہیں ہے اس لئے اپنی نظریں بھی نیچی رکھا کرو، بدکاری سے بچو کیونکہ یہی پاکیزگی کے حصول کا ذریعہ ہے۔

چنانچہ ارشاد الہی ہوتا ہے: ①

قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا اَفْوَاجَهُمْ ۚ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝۳۰

(اے رسول ﷺ)! آپ مؤمن مردوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں یہ (طریقہ) اُن کیلئے زیادہ پاکیزگی کا باعث ہے۔ بے شک لوگ جو کچھ کیا کرتے ہیں اللہ اُس سے خوب واقف ہے)

معلم اعظم ﷺ نے جہاں مردوں کو آداب معاشرت سکھائے وہاں عورتوں کو بھی تنبیہ فرمادی کہ تم بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھا کرو، برائی سے اجتناب کیا کرو اور اپنی آرائش و زیبائش کو ظاہر نہ کیا کرو یعنی پردہ کیا کرو۔ اور ساتھ ہی اس کی وضاحت بھی فرمادی کہ تمہیں کن لوگوں سے پردہ کرنا ہے اور کن لوگوں کے سامنے اس کی ضرورت نہیں۔

پس اللہ تعالیٰ نے فرمادیا: ②

وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ

① سورۃ النور، آیت ۳۰

② سورۃ النور، آیت ۳۱

زَيْنَتُهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبَنَّ مُحْصِرُهُنَّ عَلَى جُيُوبِهِنَّ ۖ وَلَا يُبْدِينَ زَيْنَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ آبَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنَاتِ أَخَوَاتِهِنَّ أَوْ نِسَائِهِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ أَوِ الشَّبَعِينَ غَيْرَ أُولَى الرَّبَّةِ مِنَ الرِّجَالِ أَوِ الطِّفْلِ الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا عَلَى عَوْرَتِ النِّسَاءِ ۖ وَلَا يَضْرِبَنَّ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِنْ زَيْنَتِهِنَّ ۖ وَتَوْبُّوا إِلَى اللَّهِ بِمَجْمِيعِ آيَةِ الْهُؤُمُونِ لَعَلَّكُمْ تَفْلَحُونَ ﴿٣١﴾

(اے رسول ﷺ)! اور آپ مؤمن عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت و آرائش کو ظاہر نہ کریں سوائے اس کے جو خود بخود ظاہر ہو جائے اور چاہیے کہ وہ اپنی اوڑھنیاں اپنے گریبانوں پر ڈالے رہیں اور اپنی زیبائش و آرائش ظاہر نہ کیا کریں سوائے اپنے شوہروں کے، یا اپنے باپ داداؤں کے، یا اپنے شوہروں کے باپ داداؤں کے، یا اپنے بیٹوں کے یا اپنے شوہروں کے بیٹوں کے، یا اپنے بھائیوں کے یا اپنے بھتیجوں کے یا اپنے بھانجوں کے یا اپنی (ہم مذہب) عورتوں کے یا اپنے غلاموں یا لونڈیوں یا نوکروں چاکروں کے جو جنسی خواہش نہ رکھتے ہوں۔ یا اُن بچوں کے جو ابھی عورتوں کی پوشیدہ باتوں سے واقف نہیں ہیں اور وہ اپنے پاؤں (زمین پر) اس طرح نہ مارا کریں کہ جس سے ان کی وہ زیبائش و آرائش معلوم ہو جائے جسے وہ چھپائے ہوئے ہوں۔ اے اہل ایمان! تم سب مل کر اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرو تا کہ تم فلاح پاؤ)

آپ ﷺ تمام جہانوں کے لئے نورِ ہدایت ہیں پس آپ ﷺ نے جہاں عام خواتین و حضرات کو معاشرتی زندگی کے قواعد و ضوابط سکھائے وہاں اپنی ازواج سے بھی فرمایا کہ تم عام خواتین کی طرح نہیں ہو بلکہ نبی کی بیویاں ہونے کے ناطے تمہارا درجہ خاص ہے اس لئے عام عورتوں کے لب و لہجے اور طور طریقوں کو اپنانے سے گریز کرو اور حجاب اوڑھا کرو۔

چنانچہ ارشادِ پروردگار عالم ہوتا ہے: ^(۱)

يُنْسَاءُ النَّبِيُّ لَسْتَنْ كَأَحَدٍ مِنَ النِّسَاءِ إِنْ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ
الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلًا مَعْرُوفًا ۝

(اے نبی ﷺ) کی بیویو! تم (عام) عورتوں کی طرح نہیں ہوا اگر تم پر ہیزگاری اختیار کرو۔
پس تم ایسے نرم لہجہ میں بات نہ کرو کہ جس کے دل میں کوئی بیماری ہے وہ طمع کرنے لگے اور قاعدے
کے مطابق (باوقار طریقہ سے) بات کیا کرو)

اور پھر ارشادِ باری تعالیٰ ہوا: ^(۲)

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ
جَلَابِيزِهِنَّ ۚ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ۚ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ۝

(اے نبی ﷺ)! آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی بیویوں، بیٹیوں اور (عام) اہل ایمان کی عورتوں سے
کہہ دیجئے کہ وہ (باہر نکلتے وقت) اپنے اُپر چادر (بطور حجاب) لٹکالیا کریں یہ طریقہ قریب تر ہے
کہ وہ پہچان لی جائیں اور ستائی نہ جائیں اور اللہ بڑا بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے)

نوٹ: حجاب سے متعلق مکمل شرعی احکام جاننے کے لئے مستند دینی کتب سے رجوع کریں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی مُحَمَّدٍ



^(۱) سورة الاحزاب، آیت ۳۲

^(۲) سورة الاحزاب، آیت ۵۹

سنہ ۶ ہجری

سریہ محمد بن مسلمہؓ یا سریہ نجد

(۱۰ محرم ۶ ہجری / یکم جون ۶۲۷ء)

اس مہم میں نجد کے بنی حنفیہ کا سردار ثمامہ بن اثال گرفتار کر کے مدینہ لایا گیا۔ جناب رسول کریم ﷺ نے تین دن بعد اُسے آزاد کر دیا۔ اُس عرصے میں وہ مسلمانوں کو باجماعت نماز پڑھتے دیکھتا اور اُن کے اور خاص طور پر نبی اکرم ﷺ کے طرزِ عمل کا مطالعہ کرتا رہا اور اس قدر متاثر ہوا کہ آزاد ہوتے ہی اسلام قبول کر لیا۔ ثمامہ نجد کا سردار تھا، اُس کا علاقہ غلے کا بہت بڑا مرکز تھا جہاں سے مکہ میں بھی اناج جاتا تھا۔ اُس نے اہل مکہ کے مشرک ہونے کے سبب اُن کو غلے کی ترسیل بند کر دی جسکی وجہ سے وہاں اناج کا قحط پڑ گیا۔ قریش نے مجبور ہو کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں گزارش کی تو آپ ﷺ نے اُن کی درخواست کو قبول فرماتے ہوئے ثمامہ کو اناج کی ترسیل بحال کرنے کا حکم دیا، چنانچہ اُن کو غلے کی فراہمی دوبارہ شروع کر دی گئی۔^①

غزوہ بنو لحيان

(یکم ربیع الاول ۶ ہجری / ۲۱ جولائی ۶۲۷ء)

یہ غزوہ ربیع الاول میں اور ابن اسحق کے مطابق جمادی الاول ۶ ہجری میں اور بروایت ۵ ہجری میں ہوا۔ مؤرخین کے مطابق اس کا مقصد شہدائے ربیع کا انتقام لینا تھا چنانچہ آنحضرت ﷺ دوسو (۲۰۰) مجاہدین کو لے کر بنی لحيان کی سرکوبی کے لئے تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ پہلے اُس جگہ پہنچے جہاں سریہ نجد کے مسلمانوں کو شہید و اسیر کیا گیا تھا اور اُن کے لئے دعائے مغفرت فرمائی۔ اس دوران بنو لحيان کو آپ ﷺ کی آمد کی خبر ہوئی تو وہ فرار ہو کر پہاڑوں میں روپوش ہو گئے۔ آنحضرت ﷺ وہاں ایک دو روز قیام فرمانے کے بعد واپس تشریف لے آئے۔^②

① ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر ﷺ ص ۵۷۲ بحوالہ زاد المعاد، سیرۃ ابن ہشام، استیعاب

② شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۲۴۱

غزوہ ذی قرد یا غزوہ غابہ (ربیع الاول ۶ ہجری)

مدینہ منورہ سے ایک منزل دور شام کے راستے میں ایک چشمہ تھا جسے ذی قرد کہا جاتا تھا اور غابہ ایک جنگل کا نام ہے جہاں مسلمانوں کے اُونٹ چرا کرتے تھے۔ یہ غزوہ غابہ کے جنگل سے شروع ہوا اور ذی قرد کے چشمے تک جا پہنچا اسی وجہ سے یہ دونوں ناموں سے موسوم ہے۔

یہ غزوہ ربیع الاول ۶ ہجری میں ^(۱) یا ذی الحج ۶ ہجری یا محرم ۷ ہجری میں پیش آیا۔ ^(۲) حضور اکرم ﷺ کے اُونٹ غابہ میں چرا کرتے تھے۔ عتبہ بن حصین فزاری ^(۳) یا بقولے عبدالرحمن بن عیینہ ^(۴) اپنے گروہ کے ساتھ غابہ کی چراگاہ پر حملہ آور ہوا، چرواہوں کو شہید کر دیا جن میں ایک حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا بیٹا بھی تھا اور اُونٹوں کو ہنکا کر لے گیا۔ اتفاقاً حضرت سلمہ بن الاکوع، حضور ﷺ کے خدمتگار حضرت رباحؓ کے ساتھ ادھر جا نکلے۔ اُنہوں نے رباحؓ کو اطلاع پہنچانے کیلئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں روانہ کر دیا اور خود ٹیروں کے تعاقب میں نکل گئے۔ حضرت سلمہؓ ماہر تیر انداز تھے، اُنہوں نے خوب دلیری کے ساتھ ٹیروں کا پیچھا کیا اور اُن میں سے کئی اپنے تیروں کے ذریعے گرا لئے۔ حضور نبی کریم ﷺ کو خبر ملی تو آپ ﷺ پانچ سو اور بروایت سات سو صحابہ کے ساتھ جن میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہ بھی تھے، اُن کی سرکوبی کو روانہ ہوئے اور بہت جلد سلمہؓ بن الاکوع سے جا ملے۔ سلمہؓ کہتے ہیں کہ عبدالرحمن مارا گیا اور ہم باقی کافروں کا تعاقب کرتے ہوئے اُس گھاٹی میں داخل ہو گئے جہاں پانی کا چشمہ ذی قرد تھا۔ ^(۵) اس غزوہ میں مشرکین کے چند آدمی ہلاک ہوئے باقی بھاگ گئے۔ کچھ ناقے اُن سے چھڑا لئے گئے۔

^(۱) سید حسن امین عالمی (متوفی ۱۹۵۳ء)، اعیان الشیعہ، ج ۲ ص ۲۴۵

^(۲) مولوی عبدالباری ایم اے، دعوتِ دہلی سیرۃ طیبہ نمبر ۱۶ ستمبر ۱۹۵۹ء

^(۳) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۲۴۳

^(۴) ذاکر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبرِ اعظم وآخراہم ﷺ ص ۵۷۳

^(۵) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۲۴۴

سریرہ غمر یا سریرہ عکاشہ بن محسنؓ

(ربیع الآخر ۶ ہجری / اگست ستمبر ۶۲۷ء)

اس سریرہ میں حضرت عکاشہ بن محسنؓ کو ربیع الآخر ۶ ہجری میں غمر کی طرف روانہ کیا گیا۔ اس وجہ سے اس سریرہ کو سریرہ غمر یا سریرہ عکاشہ کہا جاتا ہے۔^(۱)

سریرہ ذی القصة یا سریرہ بنو ثعلبہ

(ربیع الآخر ۶ ہجری / اگست ستمبر ۶۲۷ء)

ذی القصة میں بنی ثعلبہ اور بنی غوال نے شورش برپا کر رکھی تھی۔ نبی اکرم ﷺ کے حکم پر حضرت محمد بن مسلمہؓ دس مجاہدین کے ساتھ ربیع الآخر ۶ ہجری میں اُن کی سرکوبی کو روانہ ہوئے۔ اس مہم میں حضرت محمد بن مسلمہؓ شدید زخمی ہوئے جبکہ باقی تمام مجاہدین نے جام شہادت نوش کیا۔^(۲) وہ رات کا وقت تھا اور تقریباً سو آدمی مقابلے پر نکل آئے تھے۔ دونوں طرف سے تیر اندازی ہوئی آخر کار کفار نے یکبارگی حملہ کیا جس میں تمام مسلمان شہید ہو گئے۔ صرف حضرت محمد بن مسلمہؓ بچے جو زخمی ہو کر گر پڑے تھے۔ انہیں ایک مسلمان اٹھا کر مدینہ لایا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ کو چالیس مجاہدین کے ساتھ اُن کی سرکوبی کے لئے روانہ فرمایا۔^(۳)

سریرہ جموم

(ربیع الآخر ۶ ہجری / اگست ستمبر ۶۲۷ء)

مدینہ سے چار کوس کے فاصلے پر بطن نخلہ کے قریب جموم کی بستی میں قبیلہ بنو سلیم رہتا تھا۔ اُن کی

^(۱) ذاکر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر ﷺ ص ۵۷۳

^(۲) ذاکر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر ﷺ ص ۵۷۳

^(۳) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۲۴۱، ۲۴۲

شورش کو فرو کرنے کے لئے ربیع الآخر ۶ ہجری میں حضرت زید بن حارثہؓ کو بھیجا گیا لیکن لڑائی کی نوبت نہ آئی۔^(۱)

سریرہ وادی القریٰ (رجب ۶ ہجری / نومبر دسمبر ۶۲۷ء)

اس جماعت میں بارہ مجاہدین تھے جن کے قائد حضرت زید بن حارثہؓ تھے۔ رجب ۶ ہجری میں بنی فزارہ نے وادی القریٰ میں اُن پر حملہ کیا جس کے نتیجے میں نو مجاہد شہید اور ایک زخمی ہوا۔^(۲)

سریرہ علی مرتضیٰ علیہ السلام یا سریرہ فدک (شعبان ۶ ہجری / جنوری ۶۲۸ء)

شعبان ۶ ہجری / جنوری ۶۲۸ء میں بنی سعد مکہ نے یہود کی مدد کے لئے فدک کے قریب ایک لشکر جمع کیا جس کی سرکوبی کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کی کمان میں دو سو مجاہدین کا ایک دستہ روانہ کیا۔ امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے اس تیزی سے اُن کو جالیا کہ وہ اس غیر متوقع اور اچانک حملے سے حواس باختہ ہو کر بھاگ گئے۔^(۳)

مدارج النبوٰت میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی صاحب کا بیان ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے فدک اور خیبر کے درمیان اُن پر اچانک حملہ کر دیا۔ بنو سعد نے شکست کھائی اور اُن کے پانچ سو اونٹ اور ایک ہزار مکرمیاں مسلمانوں کے قبضہ میں آئیں۔ اس کے بعد علی المرتضیٰ علیہ السلام اپنے ساتھیوں کے ساتھ بغیر کوئی نقصان اُٹھائے مدینہ طیبہ واپس آ گئے۔^(۴)

^(۱) ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم وآخرا صلی اللہ علیہ وسلم ص ۵۷۳

^(۲) ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم وآخرا صلی اللہ علیہ وسلم ص ۵۷۴

^(۳) ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم وآخرا صلی اللہ علیہ وسلم ص ۵۷۳

^(۴) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوٰت، ج ۲ ص ۲۳۸

حدیبیہ کا معرکہ

(یکم ذیقعد ۶ ہجری / ۱۲ مارچ ۶۲۸ء)

مقام حدیبیہ

حدیبیہ ایک کنویں کا اور بقولے ایک درخت کا نام تھا اور وہ جگہ جہاں پر وہ کنواں یا درخت واقع تھا حدیبیہ کے نام سے موسوم ہو گئی۔ حدیبیہ مکہ مکرمہ سے نو میل کے فاصلے پر ہے اور مقام حل و حرم ہے یعنی اس کا کچھ حصہ حد و حرم میں ہے اور کچھ حد و حرم سے باہر۔ وہ خاص جگہ جہاں حضور نبی کریم ﷺ نے قیام فرمایا تھا، آپ ﷺ کے زمانہ مبارک میں تو متعین و معلوم تھی لیکن بعد میں مبہم و مجہول ہو گئی اور لوگ اُس جگہ کو پانے اور اُس کی زیارت کرنے سے محروم ہو گئے۔^①

حدیبیہ کے واقعے کو متعدد مؤرخین نے ”معاهدہ حدیبیہ“ کے عنوان سے لکھا ہے لیکن چند اہل نظر نے اسے بھی ایک معرکہ قرار دیا ہے۔ سطحی نظر سے دیکھا جائے تو یہ ایک معاہدہ ہی تھا لیکن تحریک اسلام کے تناظر میں دیکھا جائے تو بدروا حد کی طرح یہ بھی ایک بہت بڑا معرکہ ہی تھا اگرچہ اس میں جنگ و جدال اور قتل و غارت گری کی نوبت نہیں آئی مگر صبر و ثبات اور ایمان و استقامت کا ایک کڑا امتحان ضرور تھا جس سے رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے جاں نثاروں کو گذرنا پڑا۔

دورِ حاضر کے محققین و مبصرین جس طرح یہ کہتے ہیں کہ آنے والے وقتوں میں جنگیں میدانِ جنگ میں نہیں بلکہ میز پر (مذاکرات کی صورت میں) ہوا کریں گی، اُسی طرح ہمارے نزدیک یہ بھی ایک ایسی جنگ تھی جو میدانِ جنگ میں شمشیر و سناں کے ذریعے نہیں بلکہ میز پر مذاکرات کی صورت میں قلم کے ذریعے ہوئی اور نبی معظم ﷺ کی دُور اندیشی، حکمتِ عملی اور تدبیر و دانش کی وجہ سے آپ ﷺ کی لازوال فتح و کامرانی پر منتج ہوئی۔

① شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۲۵۴

ارباب سیر بیان کرتے ہیں حضور نبی کریم ﷺ نے ایک خواب دیکھا کہ خانہ کعبہ کی چابی آپ ﷺ کے دست مبارک میں ہے اور آپ ﷺ اپنے صحابہؓ کے ساتھ مکہ معظمہ کی زیارت اور عمرہ کے لئے تشریف لے گئے ہیں۔ آپ ﷺ نے جب یہ خواب صحابہ کرام سے بیان فرمایا تو وہ بہت خوش ہوئے اور سمجھے کہ اس خواب کی تعبیر اسی سال ظہور پذیر ہوگی لیکن جب حالات نے ایک اور رخ اختیار کر لیا تو بعض نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے سوال اٹھادیا، حتیٰ کہ (معاذ اللہ) آپ ﷺ کی رسالت پر شک کرنے لگے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے یہ کب کہا تھا کہ یہ (عمرہ) اسی سال واقع ہوگا (یہ تو تمہاری اپنی تعبیر اور خیال تھا)۔^①

بروایت یکم ذیقعدہ ۶، ہجری بروز دوشنبہ (پیر)،^② رسول اعظم و آخر ﷺ نے عمرہ کا ارادہ کیا اور صحابہ سے فرمایا کہ تم بھی مستعد و تیار ہو جاؤ۔ آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن اُم مکتوم کو مدینہ منورہ کا انتظام و انصرام سونپا اور صحابہؓ کے ساتھ مدینہ سے باہر تشریف لائے۔ اکثر صحابہ نے تلوار کے سوا کوئی اور اسلحہ ساتھ نہیں لیا تھا کیونکہ تلوار کو عرب میں مسافر کا ہتھیار کہا جاتا تھا یعنی دوران سفر تلوار ساتھ رکھنا عربوں کے رواج میں شامل تھا اور وہ اسے کسی حالت میں اپنے جسم سے الگ نہیں کرتے تھے۔^③ کچھ صحابہ نے اپنے جسموں پر پورے ہتھیار سجالے تھے لیکن حضور ﷺ نے اُسے جائز قرار نہ دیا۔^④ آپ ﷺ نے اپنے ساتھ قربانی کے اُونٹ بھی لئے جو تعداد میں ستر (۷۰) تھے۔ قریش کو آپ ﷺ کی روانگی کی خبر ہوئی تو سب نے متفقہ فیصلہ کیا کہ آپ ﷺ کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیا جائے چنانچہ انہوں نے قرب و جوار کے قبیلوں کو بھی

① شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۲۵۶

② حسین بن محمد یار بکری (متوفی ۸۹۲ ہجری ۱۵۷۷ء)، تاریخ خمیس جلد ۲ ص ۶۶

③ خواجہ محمد لطیف، اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ، ج ۱ ص ۱۲۰

④ شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۲۵۶

ساتھ ملا لیا اور جنگ کے لئے تیار ہو کر مکہ سے باہر آ گئے۔ قریش نے جدہ کے راستے پر واقع موضع بلدہ میں پڑاؤ ڈالا اور ایک ہراول دستہ ترتیب دیا جس میں خالد بن ولید اور عکرمہ بن ابو جہل شامل تھے۔ آنحضرت ﷺ کو لشکر کفار کی آمد کی خبر ہوئی تو فرمایا کہ مقام غمیم میں خالد بن ولید قریش کے لشکر کا ہراول دستہ لیے بیٹھا ہے اس لئے تم داہنے راستے سے نکل چلو۔ ارباب سیر کہتے ہیں کہ مسلمانوں نے جو راستہ اختیار کیا وہ نہایت دشوار گزار اور سخت ترین تھا۔ جب حضور ﷺ نے راستے کی صعوبتیں ملاحظہ فرمائیں تو صحابہ کی دلجوئی کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے۔ سفر کے اختتام پر آپ ﷺ نے حدیبیہ کے میدان میں ایک کنویں کے کنارے نزول فرمایا۔ ہو سکتا ہے کہ اُسی کنویں کا نام حدیبیہ ہو جس کی نسبت سے وہ جگہ حدیبیہ کے نام سے مشہور ہو گئی۔ اُس کنویں میں پانی بہت کم تھا لوگوں نے آپ ﷺ سے شکایت کی تو آپ ﷺ نے ایک تیر کنویں میں چلایا۔ کنواں پانی سے بھر گیا اور لوگ خوب سیراب ہوئے۔ بروایت آپ ﷺ نے وضو کر کے گلی کے پانی کو کنویں میں ڈال دیا، کنویں میں پانی بھر آیا اور لوگ اچھی طرح سیراب ہوئے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے وضو کر کے دست مبارک کو پانی کے پیالے میں ڈالا تو آپ ﷺ کی انگلیوں سے چشموں کی طرح پانی جاری ہو گیا جسے پندرہ سو آدمیوں نے پیا اور کہا کہ اگر ایک لاکھ بھی ہوتے تو وہ پانی ہم سب کے لئے کافی ہوتا۔ پھر آپ ﷺ نے دُعا فرمائی جس سے بارش ہوئی اور جل تھل ایک ہو گیا۔^①

مدارج النبوت میں ہے کہ اس منزل میں پانی کی کمی تھی اس لیے یہاں ایسے کئی معجزے ظہور میں آئے۔ میرا خیال میں، ممکن ہے کہ یہ تینوں معجزے اس سفر میں الگ الگ موقعوں یا الگ الگ مقامات پر ظہور پذیر ہوئے ہوں یا پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حدیبیہ کے ایک ہی معجزے کو مختلف راویوں نے مختلف طریقوں سے بیان کیا ہو کیونکہ قرین قیاس یہی ہے کہ جب پڑاؤ ڈالا جا چکا تھا

① شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۲۵۶

اور ایک کنویں سے اتنا پانی جاری ہو گیا تھا جس سے سب لوگ خوب اچھی طرح سیراب ہوئے تو پھر آس پاس کسی اور مقام پر پانی کی تلاش کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ (واللہ اعلم)

قریش مکہ کو جب معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ حرمتِ کعبہ کا خیال کرتے ہوئے جنگ و جدال کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے تو اپنی جہالت، حماقت اور بد فطرت کی بنا پر ترمودوسرکشی پر اُتر آئے اور ڈرانے دھمکانے کی کوشش کرنے لگے۔

سب سے پہلے انہوں نے بذیل بن ورقا خزاعی کو چند لوگوں کے ساتھ بھیجا۔ بذیل نے حضور ﷺ سے کہا کہ قریش اور دیگر قبائل عرب متحد ہو کر حدیبیہ کے کنوؤں کے آس پاس جمع ہو چکے ہیں تاکہ آپ لوگوں کو خانہ کعبہ کی زیارت سے روک سکیں لہذا آپ (ﷺ) واپس چلے جائیں ورنہ وہ جنگ کریں گے۔ نبی اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہم جنگ و جدال کے لئے نہیں آئے ہمارا مقصد زیارتِ کعبہ اور عمرہ ادا کرنا ہے۔ قریش جنگ کرنا چاہتے ہیں لیکن یہ اُن کے حق میں بہتر نہیں ہے، ہاں! اگر وہ چاہیں تو ہم ایک مدت معین کر لیتے ہیں جس میں ہمارے اور اُن کے درمیان جنگ نہیں ہوگی۔ جنگ کے واسطے وہ مجھے دیگر مشرکین کے لئے چھوڑ دیں، اگر میں مغلوب ہو گیا تو اُن کی دلی مراد پوری ہو جائے گی اور اگر غالب آ گیا تو وہ بھی اُن کی طرح میری پیروی کر لیں یا صلح کی معینہ مدت تک جنگ و جدال سے دُور رہیں۔ اور میری اس پیشکش کے باوجود بھی اگر وہ لڑائی پر مصر ہیں تو پھر میں اُن سے جہاد کروں گا اور بے شک اللہ اپنے دین کی نصرت فرمائے گا۔ بذیل نے واپس جا کر رسول اللہ ﷺ کی باتیں قریش کو بتائیں لیکن انہوں نے ایک نہ مانی۔

اُن میں سے ایک معزز شخص عروہ بن مسعود ثقفی نے قریش کی ہٹ دھرمی دیکھی تو کہا کہ اگر تم مجھ پر خیانت و عداوت کا گمان نہیں کرتے تو مجھے محمد (ﷺ) کے پاس جا کر بات چیت کرنے اور اُن کا عندیہ معلوم کرنے کی اجازت دو۔ پس عروہ، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے (عروہ اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے لیکن بعد میں مسلمان ہو گئے تھے)۔ آنحضرت

ﷺ نے اُن سے بھی تقریباً وہی کچھ کہا جو بذیل سے فرمایا تھا۔ عروہ بن مسعود نے حضور ﷺ سے ہونے والی بات چیت قریش کو بتائی اور جنگ سے باز رہنے کا مشورہ دیا لیکن وہ اپنی ضد پر قائم رہے اور کہنے لگے کہ ہمیں ایسی نصیحتیں مت کرو، ہم محمد (ﷺ) اور اُن کے ساتھیوں کو مکہ میں داخل ہونے دیں گے نہ کعبہ کی زیارت کرنے دیں گے۔ ہاں اگر وہ اس وقت واپس چلے جائیں تو اگلے سال ہم انہیں نہیں روکیں گے۔

عروہ کے بعد قبیلہ احابیش کا ایک آدمی حلیس، قریش سے اجازت لے کر رسولِ حلیم و کریم ﷺ کی بارگاہ میں پہنچا۔ وہ آپ ﷺ کی شخصیت سے بہت متاثر ہوا اور آپ ﷺ کی گفتگوں کو اور قربانی کے جانوروں کو دیکھ کر سمجھ گیا کہ آپ ﷺ جنگ و قتال کا ارادہ نہیں رکھتے بلکہ حقیقتاً زیارتِ کعبہ کی غرض سے آئے ہیں۔ اُس کی آنکھوں میں پانی بھر آیا اور وہ کہنے لگا، ”سبحان اللہ! اُس قوم کو سزاوار نہیں ہے کہ ان کو خانہ کعبہ کی زیارت و طواف سے روکا جائے۔ ربِ کعبہ کی قسم! قریش ہلاک ہو جائیں گے۔“ وہ فوراً واپس لوٹ گیا اور قریش سے کہا کہ میں نے محمد (ﷺ) اور اُن کے ساتھیوں کو دیکھا ہے، وہ قربانی کے اونٹ لے کر بیت اللہ کی زیارت کے لئے آئے ہیں اس لئے انہیں روکنا مناسب نہیں۔ احابیش قبیلہ کے لوگ قربانی کے جانوروں کی بہت تعظیم کیا کرتے تھے۔ بروایت جب وہ حضور ﷺ سے ملاقات کے لئے آیا تو اُن جانوروں کو دیکھ کر آپ ﷺ سے ملے بغیر ہی واپس لوٹ گیا اور قریش سے کہا میں نے دیکھا ہے کہ وہ قربانی کے اونٹ لے کر بیت اللہ کی زیارت کو آئے ہیں اس لئے انہیں مت روکو۔ قریش نے حلیس کے مشورے کو درخورِ اعتنا نہ سمجھا اور انتہائی شقاوت سے کہنے لگے کہ اے حلیس! تو دیہاتی آدمی ہے تو لمبی اُمور نہیں جانتا۔ حلیس نے طیش میں آ کر کہا قسم ہے اُس خدا کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اگر تم محمد (ﷺ) کو کعبہ کے طواف سے روکے تو میں اور احابیش کے تمام لوگ تم سے الگ ہو جائیں گے۔ حلیس کی دھمکی کام کر گئی اور قریش جھاگ کی طرح بیٹھ گئے،

عذر خواہی کرتے ہوئے کہنے لگے اے حلّیس! ان باتوں کو جانے دو، ہم اپنی شرائط پر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ صلح کر لیں گے۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ قریش نے جب اپنوں میں سے کسی کی بات نہ مانی تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے چاہا کہ اپنی طرف سے کسی کو مذاکرات کے لئے بھیجیں۔ پس آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بنی خزاعہ کے ایک شخص حراش بن اُمیہ کعبی کو بھیجا کہ وہ قریش کو باور کرائیں کہ ہم جنگ کے لئے نہیں بلکہ بیت اللہ کی زیارت کے لئے آئے ہیں۔ حراش اُن کے پاس پہنچے تو وہ انہیں قتل کرنے پر تِل گئے۔ حراش کے قبیلے کے لوگ جو مکہ میں تھے انہیں بچانے دوڑے اور کسی نہ کسی طرح چھڑا کر واپس حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف روانہ کیا۔

پھر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حضرت عمر بن خطابؓ سے فرمایا کہ تم مکہ جا کر قریش کو سمجھاؤ کہ ہم جنگ کے لئے نہیں بلکہ عمرہ کرنے کے لئے آئے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) جانتے ہیں کہ قریش میرے سخت دشمن ہیں انہوں نے مجھ پر قابو پالیا تو یقیناً مجھے زندہ نہ چھوڑیں گے اور وہاں بنی عدی میں سے ایسا کوئی نہیں ہے جو میری حمایت و حفاظت کر سکے اس لئے اگر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت عثمان بن عفانؓ کو بھیجیں تو زیادہ مناسب ہوگا کیونکہ وہ قریش کے قریبی عزیز ہیں اور مکہ میں اُن کے عزیز واقارب بھی بہت ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حضرت عثمان بن عفانؓ کو مکہ کی طرف روانہ کیا تا کہ ابوسفیان اور قریش کے دیگر ارباب اختیار کو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مافی الضمیر سمجھائیں۔^①

حضرت عثمانؓ دس مہاجرین کے ساتھ مکہ روانہ ہوئے اور وہاں پہنچ کر حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کا پیغام پہنچایا مگر کفار اپنی اسی ضد پر اڑے رہے کہ اس کا کوئی امکان نہیں ہے کہ ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مکہ آنے

① ابن الوردی (متوفی ۷۴۹ھ ۱۳۴۹ء)، تاریخ ابن الوردی طبع مصر ج ۱ ص ۱۲۵۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۲۶۲۔

دیں اور خانہ کعبہ کی زیارت کرنے دیں۔ مدارج النبیوت میں ہے کہ حضرت عثمانؓ نے واپسی کا ارادہ کیا تو قریش نے کہا کہ اگر تم چاہو تو طوافِ کعبہ کر لو۔ حضرت عثمانؓ نے کہا کہ میں اس وقت تک طواف نہیں کروں گا جب تک رسولِ خدا ﷺ نہ کریں۔ مشرکین نے اس بات پر برہم ہو کر حضرت عثمانؓ کو زبردستی مکہ میں روک لیا اور قید کر لیا۔ ادھر لشکرِ اسلام میں یہ خبر پھیل گئی کہ مکہ والوں نے حضرت عثمانؓ کو اُن کے دس ساتھیوں سمیت شہید کر دیا ہے۔^①

بیعتِ رضوان

ہجرت کے بعد سے لے کر اب تک اگرچہ مسلمانوں کی قوت میں اضافہ ہو چکا تھا تاہم وہ اپنے آبائی وطن مکہ جانے سے قاصر تھے۔ وطن کی کشش اور بیت اللہ کی زیارت کی تڑپ انہیں ہر لمحہ بیکار اور پریشان رکھتی تھی۔ روئے رسول اللہ ﷺ اُن کی بیکاری میں اضافہ ہو گیا تھا اور وہ چاہتے تھے کہ کسی طرح اُڑ کر مکہ جا پہنچیں۔ آغازِ سفر سے لیکر قیامِ حدیبیہ تک گزرنے والے ہر لمحہ نے اُن کی بیکاری کو ہمیز کیا تھا اور شوقِ سفر کو بڑھا دیا تھا چنانچہ حدیبیہ پہنچ کر جب انہیں معلوم ہوا کہ قریش کا لشکر سیدِ راہ ہو گیا ہے تو اُن کا جوش و خروش حد سے تجاوز کر گیا۔ پس اکثر مسلمان جنگ پر مُصر ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ سے مطالبہ کرنے لگے کہ حملہ کر دیجئے۔ آپ ﷺ کو اُحد میں مسلمانوں کی بیوفائی کا ایک تلخ تجربہ ہو چکا تھا جس کی وجہ سے اب ضروری سمجھا گیا کہ ان لوگوں سے اس شرط پر بیعت کی تجدید کرائی جائے کہ میدانِ جنگ سے فرار نہیں ہوں گے۔^②

اس بیعت کو بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ یہ ”موت“ پر لی گئی۔ جیسے مسٹر کے۔ اے۔ حمید لکھتے

① شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبیوت ج ۲ ص ۲۶۳۔ ابن لوردی (متوفی ۱۳۹۹ء)،

تاریخ ابن لوردی، طبع مصر، ج ۱ ص ۱۲۵۔ کے اے حمید، تاریخ مسلمانانِ عالم ج ۱ ص ۸۰

② علامہ علی نقوی، تاریخ اسلام ص ۳۴۰

ہیں، ”ایک درخت کے نیچے چودہ سو (۱۴۰۰) آدمیوں نے بیعت کی کہ اگر ضرورت پڑی تو اسلام پر جان دینے کے لئے تیار ہیں۔“^(۱)

ابن الوردی اور ابوالفداء بیان کرتے ہیں، ”کہا جاتا ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ نے اُن سے موت پر بیعت لی جب کہ حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم سے اس بات پر بیعت لی کہ ہم بھاگیں گے نہیں۔“^(۲)

قدیم ترین مؤرخ و اقدی کے الفاظ ہیں، ”حضرت ﷺ نے اُن سے بیعت لی اس پر کہ وہ فرار نہیں کریں گے اور کسی نے یوں کہا کہ آپ ﷺ نے اُن سے موت پر بیعت لی۔“^(۳)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں، ”رسول اللہ ﷺ نے ایک درخت سے پشت مبارک لگا کر صحابہ کرام سے ثابت قدم رہنے پر بیعت لی کہ اگر جنگ ہوئی تو منہ نہ پھیریں گے۔“^(۴)

علامہ طبرسی فرماتے ہیں، ”اُن سب نے درخت کے نیچے آپ ﷺ سے بیعت کی اس بات پر کہ وہ آپ ﷺ کو چھوڑ کر فرار نہیں کریں گے۔“^(۵)

مندرجہ بالا مؤرخین کے بیانات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام سے اس پر بیعت لی کہ اگر جنگ ہوتی ہے تو وہ آپ ﷺ کا ساتھ دیں گے، مرتے دم تک لڑیں گے اور میدان جنگ سے فرار نہیں ہوں گے۔ پس، اس بیعت کو ”بیعت رضوان“ کہا جاتا ہے۔

جب قریش نے اس بیعت کی خبر سنی تو اُن میں خوف و ہراس پھیل گیا کہ رسول خدا (ﷺ) جنگ کے لئے تیار ہو گئے ہیں۔ اس پر وہ پریشان ہوئے اور صلح پر آمادہ ہو گئے۔ انہوں نے اپنے

(۱) علامہ علی نقوی، تاریخ اسلام ص ۳۴۰، بحوالہ مسٹر کے۔ اے۔ حمید، مسلمانانِ عالم

(۲) ابن الوردی (متوفی ۷۹ھ)، تاریخ ابن الوردی، ج ۱ ص ۱۲۵۔ ابوالفداء (متوفی ۱۳۳۱ھ)، تاریخ ابوالفداء

(۳) ابوعبد اللہ محمد بن عمرو و اقدی (متوفی ۸۲۲ھ)، کتاب المغازی ج ۲ ص ۶۰۳

(۴) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ھ)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۲۶۳

(۵) علامہ طبرسی (متوفی ۵۳۲ھ)، اعلام الوری

خطیب سہیل بن عمرو صلح کی شرائط طے کرنے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں روانہ کیا۔^① قریش کے نمائندے سہیل بن عمرو نے قریش کے جذبات کی ترجمانی کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ آپ (ﷺ) کا یوں آزادانہ مکہ میں داخل ہونا ہم برداشت نہیں کر سکتے، اس طرح ہماری توہین ہوتی ہے کیونکہ لوگ یہی سمجھیں گے کہ آپ (ﷺ) اپنی طاقت کے بل بوتے پر آئے ہیں۔ لہذا اس مرتبہ آپ (ﷺ) بغیر زیارت کے لوٹ جائیں اور آئندہ سال عمرہ کے لئے آئیں اور جب آئیں تو اپنی تلواریں نیام میں رکھیں۔ ہم تین دن کے لئے مکہ خالی کر دیں گے تاکہ آپ (ﷺ) اپنی عبادت جس طرح چاہیں انجام دیں۔ اس سے اُن کا مقصد یہ تھا کہ اطرافِ عرب میں بھی مشہور ہو کہ مسلمان اپنی طاقت کے بل بوتے پر نہیں آئے بلکہ قریش مکہ نے خود اُن کو اجازت دی ہے۔ سہیل نے مزید کہا کہ دس سال تک ہمارے اور آپ (ﷺ) کے درمیان صلح رہے گی، جنگ و جدال نہیں ہوگا، دونوں اطراف کے شہری امن و سلامتی سے رہیں گے، ایک دوسرے کے مقابل آئیں گے نہ ایک دوسرے کو نقصان پہنچائیں گے۔ ابوداؤد، مستدرک اور المواہب اللدنیہ میں صلح کی مدت چار سال منقول ہے لیکن معروف مدت دس سال ہی ہے۔ اُس نے کہا کہ اگر ہمارا کوئی شخص آپ (ﷺ) کی طرف جائے گا تو آپ (ﷺ) اُسے واپس کرنے کے پابند ہوں گے لیکن آپ (ﷺ) کا جو آدمی ہماری طرف آئے گا ہم اُسے واپس نہیں کریں گے۔ اس گفتگو کے دوران سہیل کے بیٹے ابو جندل کلمہ شہادت پڑھتے ہوئے مسلمانوں کے درمیان پہنچ گئے۔ ابو جندل پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے اور اس ”جرم“ کی پاداش میں اپنے باپ سہیل بن عمرو کی قید میں تھے۔ اب کسی طرح بھاگ کر بارگاہِ رسالت میں پہنچ گئے

① ابن الورودی (متوفی ۴۹ھ ۱۳۴۹ء)، تاریخ ابن الورودی، ج ۱ ص ۱۲۵۔

ابوالفداء (متوفی ۱۳۳۱ء)، تاریخ ابوالفداء، ج ۱ ص ۱۴۶۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۲۶۳۔

تھے۔ سہیل کہنے لگا میرے بیٹے کو میرے سپرد کر دیں کیونکہ یہ بات معاہدے میں طے پا چکی ہے ہمارا کوئی شخص آپ کے پاس آئے گا تو آپ اُسے واپس کر دیں گے۔ بروایت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ شخص معاہدہ تحریر ہونے سے پہلے آیا ہے اور یہ شرط تو معاہدہ تحریر ہونے کے بعد آنے والوں پر لاگو ہوگی۔ (واضح ہو کہ معاہدہ ابھی ہوا نہیں تھا بلکہ فریقین کے مابین بات چیت چل رہی تھی)۔ سہیل ہٹ دھرمی پر اُتر آیا اور کہنے لگا کہ اگر ایسا ہے تو پھر ہمارے اور آپ (ﷺ) کے درمیان صلح نہیں ہو سکتی۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اس کو میری خاطر مستثنیٰ کر دو اور نرمی اور آسانی پیدا کرو، مگر وہ نہ مانا۔ بقول آنحضرت ﷺ کے بار بار کہنے کے باوجود وہ آمادہ نہ ہوا تو آپ ﷺ نے ابو جندل کو اُس کے سپرد کر دیا اور فرمایا کہ اسے ایذا نہ دینا۔ ابو جندل نے کہا مسلمانو! مجھے مشرکوں کے سپرد نہ کرو، میں ایمان لا کر تمہاری پناہ میں آیا ہوں، تمہیں معلوم نہیں ان کافروں نے مجھ پر کیسے کیسے ظلم و ستم کیے ہیں۔“ رسول کریم ﷺ نے ابو جندل سے فرمایا، ”اے ابو جندل! صبر کرو اور دل کو مطمئن و شاد رکھو، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر بھروسہ رکھو، وہ تمہارے لئے کشادگی اور آزادی پیدا فرمائے گا، بلاشبہ صبر کشادگی کی کنجی ہے۔

قریش کی شرائط بظاہر مسلمانوں کے مفاد اور وقار کے منافی تھیں لیکن حقیقت میں وہ ایسی نہ تھیں بلکہ اُن میں کافروں کی شکست اور مسلمانوں کی نصرت کے عوامل پنہاں تھے جنہیں صرف رسول حکیم ﷺ کی دُور رس نگاہیں ہی دیکھ رہی تھیں۔ جبکہ کچھ مسلمان ایسے بھی تھے جو صرف الفاظ پر غور کر رہے تھے، اُن کی سطحی نظریں رسول گرامی ﷺ کی حکمت و دُور اندیشی کو نہ بھانپ سکیں اور وہ اس معاہدے پر اعتراض کرنے لگے حتیٰ کہ رسول معظم ﷺ کے ساتھ اُن کا رویہ گستاخانہ ہو گیا اور وہ آپ ﷺ کی رسالت پر شک کرنے لگے۔^①

① شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۲۶۶، ۲۶۷

صحیح بخاری، ج ۲ کتاب الجہاد۔ حسین بن محمد یاربکری (متوفی ۸۹۲ ہجری ۱۵۷۷ء) تاریخ خمیس، ج ۲ ص ۳۲

چنانچہ تمام شرائط جب زبانی طور پر طے پا چکیں تو رسول اللہ ﷺ نے معاہدے کو ضبط تحریر میں لانے کے لئے امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام کو مقرر کیا۔^①

آپ ﷺ نے فرمایا، یا علی! لکھو:

”بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ“ سہیل کہنے لگا کہ ”الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ“ کیا ہے؟ یہ ہم نہیں جانتے اس لئے لکھیں، ”بِسْمِكَ اللَّهُمَّ“ جیسا کہ عام طور پر لکھا جاتا ہے۔ مسلمانوں نے اس پر احتجاج کیا لیکن حضور اکرم ﷺ نے تحمل اور بردباری کا مظاہرہ کرتے ہوئے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا کہ اے علی! ”بِسْمِكَ اللَّهُمَّ“ لکھو۔ حضرت علی علیہ السلام نے ایسا ہی لکھا پھر نبی اللہ ﷺ نے فرمایا، لکھو، ”هَذَا مَا قَاضَى بِهِ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ“ (اللہ کے رسول محمد ﷺ نے جو فیصلہ کیا ہے وہ یہ ہے)۔ علی علیہ السلام نے لکھ دیا۔ سہیل پھر بھڑک اٹھا اور کہا، ”ہم آپ (ﷺ) کو رسول اللہ نہیں مانتے، اگر مانتے ہوتے تو پھر آپ (ﷺ) کو خدا کے گھر کی زیارت سے روکتے ہی کیوں؟ اس لئے ”مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ“ کی بجائے ”مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ“ لکھیے۔ آنحضرت ﷺ نے نہایت صبر اور سکون سے فرمایا، ”میں اللہ کا رسول بھی ہوں اور محمد بن عبد اللہ بھی۔ پھر علی علیہ السلام سے فرمایا، ”اے علی! اس تحریر میں سے ”مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ“ کاٹ دو اور ”مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ“ لکھو۔ حضرت علی المرتضیٰ نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! میں ایسا ہرگز نہیں کر سکتا کہ وصف رسالت کو محو کر دوں (یعنی رسول اللہ کے الفاظ مٹا دوں)۔ روایت ہے کہ علی علیہ السلام نے قلم کو رکھ دیا اور ہاتھ تلوار پر لے گئے۔^②

نبی معظم ﷺ اپنے جاں نثار بھائی کے جذبات اور ”باب علم“ کی دوراندیشی اور حکمت و دانائی سے بخوبی واقف تھے اس لئے اُن کے ہاتھ سے تحریر لے کر ”رسول اللہ“ کے الفاظ کو خود محو کیا اور

① مسٹر کے۔ اے۔ حمید، تاریخ مسلمانان عالم ج ۱ ص ۸۱۔ محمد حمید اللہ، الوثائق السياسية، طبع مصر۔

رسول اکرم (ﷺ) کی سیاسی زندگی، ص ۱۲۶۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مدارج النبوت ج ۲ ص ۲۶۵

② شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۲۶۶

اُن کی جگہ ”ابن عبد اللہ“ لکھ دیا۔

محققین کہتے ہیں کہ اس میں علی علیہ السلام کی حکمت یہ تھی کہ علی علیہ السلام ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی گواہی دینے والے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وزیر اور جانشین تھے۔ انہوں نے اپنے ہاتھ سے ”رسول اللہ“ کے الفاظ اس لئے نہیں مٹائے کہ منافقین کو یہ کہنے کا موقع مل جاتا کہ جب علی نے ہی ”رسول اللہ“ نہیں مانا تو پھر رسالت پر ہمارے شک کرنے پر اعتراض کیسا؟

مدارج النبوت میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی صاحب لکھتے ہیں، ”حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا لفظ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) محو کرنے (مٹانے) سے انکار از باب ترک امتثال (حکم عدولی کی وجہ سے) نہیں تھا جو مستلزم ترک ادب ہے (جو ترک ادب کی وجہ سے قابل سزا ہو) بلکہ عین امتثال و ادب (فرمانبرداری اور تعظیم) ہے جو انتہائی عشق و محبت پر دلالت کرتا ہے۔^(۱)

مذکور ہے کہ اُس موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا، ”اے علی (علیہ السلام)! تمہیں بھی ایسا ہی معاملہ آگے درپیش ہوگا۔ بیان کرتے ہیں کہ جب قضیہ صفین میں صلح قرار پائی تو صلح نامہ لکھا گیا کہ یہ کتابت امیر المومنین علی علیہ السلام کی مصالحت معاویہ بن ابوسفیان کے ساتھ ہے۔ معاویہ بن ابوسفیان نے کہا لفظ ”امیر المومنین“ کاٹ دواور لکھو علی بن ابی طالب۔ اگر میں ان کو امیر المومنین جانتا تو ان کے ساتھ جنگ نہ کرتا اور ان کی پیروی و اطاعت کرتا۔ اس پر علی المرتضیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا تھا۔^(۲)

صلح نامہ کی کتابت کے دوران قریش کا نمائندہ سہیل بن عمرو بار بار جھگڑا کرتا اور تحریر میں رکاوٹ ڈالتا لیکن رسول حلیم و کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر بار درگزر فرماتے اور صبر و تحمل کے ساتھ اُس کی بات کو تسلیم کرتے ہوئے صلح کی کاروائی کو آگے بڑھاتے۔ بالآخر صلح نامہ مکمل ہو گیا۔ اس صلح نامہ کو معاہدہ حدیبیہ یا صلح نامہ حدیبیہ کے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔

^(۱) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۲۶۶

^(۲) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۲۶۶

صلح نامہ حدیبیہ کے نکات ^①

۱۔ اے اللہ تیرے نام سے

۲۔ یہ وہ معاہدہ ہے جو محمد بن عبد اللہ (ﷺ) اور سہیل بن عمرو کے درمیان طے پایا۔

۳۔ دونوں کے درمیان اس بات پر صلح ہوئی ہے کہ دس سال تک جنگ بندی رہے گی اور اس عرصہ میں دونوں اطراف کے لوگ ایک دوسرے کے مقابل نہیں آئیں گے اور امن سے رہیں گے۔

۴۔ محمد (ﷺ) کا جو ساتھی حج یا عمرہ یا تجارت کی غرض سے مکہ آئے گا اُسے جان و مال کی امان دی جائے گی اور قریش کا جو شخص تجارت کے لئے مصر یا شام (بروایتے عراق یا شام) جاتے ہوئے مدینہ سے گزرے گا تو اُسے مسلمانوں کی طرف سے جان و مال کی امان حاصل ہوگی۔

۵۔ قریش کا جو شخص اپنے ولی کی اجازت کے بغیر محمد (ﷺ) کے پاس آئے گا تو آپ (ﷺ) اُسے واپس قریش کے حوالے کر دیں گے جبکہ محمد (ﷺ) کا کوئی ساتھی قریش کے پاس جائے گا تو وہ اُسے آپ (ﷺ) کو واپس نہیں کریں گے۔

۶۔ فریقین کے سینے بند رہیں گے (یعنی دلوں میں کوئی غداری یا نفاق داخل نہ ہو سکے گا)، نہ تو خفیہ طور پر کسی دوسرے کو مدد دی جائے گی اور نہ ہی اعلانیہ خلافِ عہد دغا بازی کی جائے گی۔

۷۔ جو محمد (ﷺ) کے معاہدے اور ذمہ داری میں داخل ہونا چاہتا ہے وہ بھی ایسا کر سکے گا اور اسی طرح جو قریش کے معاہدے اور ذمہ داری میں داخل ہونا چاہتا ہے وہ بھی ایسا کر سکے گا۔

۸۔ مسلمان اس سال یہاں سے واپس چلے جائیں گے اور مکہ میں نہیں آئیں گے البتہ اگلے سال قریش مکہ سے باہر چلے جائیں گے اور مسلمان وہاں تین راتیں ٹھہر سکیں گے جبکہ مسلمانوں کے پاس صرف ”سوار کا ہتھیار“ یعنی تلوار ہوگی جو میان میں ہوگی اور اس کے سوا کوئی اور ہتھیار نہ ہوگا۔

۹۔ قربانی کے جانور وہیں رہیں گے جہاں وہ پائے گئے ہیں (یعنی حدیبیہ میں)۔ انہیں وہیں ذبح کر دیا جائے گا اور مکہ میں نہیں لایا جائے گا۔ اور صراحت کی جاتی ہے کہ دونوں فریقین کے حقوق

① ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم وآخراً (ﷺ) ص ۵۸۰

اور واجبات برابر ہوں گے۔

معادہ کی تکمیل کے بعد بھی کئی مسلمانوں کی برہمی نکتہ عروج پر تھی حتیٰ کہ جب رسول گرامی ﷺ نے فرمایا کہ اُٹھو قربانیاں کرو اور سر کے بال منڈوا کر واپس چلو تو مسلمانوں کی اکثریت خاموش رہی اور تمیل ارشاد کے لئے نہ اُٹھی اس پر آنحضرت ﷺ نے اُن سے بے اعتنائی اختیار فرما کے خود جا کر قربانی کی اور بال منڈوائے تو کچھ لوگوں نے بال منڈوائے اور اکثر نے بددلی سے تھوڑے تھوڑے ترشوائے اور اُن کے رنج و الم کا یہ عالم تھا کہ معلوم ہوتا تھا کہ اُن میں سے ایک دوسرے کو قتل کر رہا ہے۔^①

حدیبیہ میں آپ ﷺ کے قیام کا دورانیہ بیس روز تھا۔ قربانی کے بعد آپ ﷺ واپس مدینہ تشریف لے گئے۔^②

معادہ حدیبیہ پر تبصرہ

معادہ حدیبیہ کے نکات اُن لوگوں کو دعوت فکر دیتے ہیں جن کا کہنا ہے کہ اسلام تلوار کے زور پر پھیلا۔ اس معادہ کی تمام شرائط ایسی ہیں جو تلوار کے بل بوتے پر حکومت کرنے والوں کے لئے کسی بھی صورت میں قابل قبول نہیں ہو سکتیں مگر رسولِ حلیم و کریم ﷺ نے اُن کو قبول فرما کر تمام عالم پر ثابت کر دیا کہ آپ ﷺ امن کے سفیر اور عالمین کے لئے رحمت ہیں اور آپ ﷺ کا مقصد حیاتِ زمانے کو نورِ ایمان سے منور فرمانا ہے نہ کہ لوگوں کا خون بہا کر کسی ریاست کی بنیادوں کو مستحکم کرنا۔ اس معادہ کی کتابت کے دوران قریش کے نمائندے سہیل بن عمرو کا سخت رویہ، بات بات پر جھگڑا کھڑا کر دینا اور اپنی مرضی کے مطابق معادے میں الفاظ کو تبدیل کروانا اس کا غماز ہے کہ وہ یہ بات اچھی طرح جانتا تھا کہ صلح پسند نبی اللہ ﷺ جنگ نہیں کرنا چاہتے اور امن کو لڑائی پر ترجیح دیتے ہیں۔ اور پھر ہوا بھی یہی، رسولِ اکرم ﷺ نے باوجود کئی مسلمانوں کی سخت

① علامہ علی نقوی، تاریخ اسلام ص ۵۹ بحوالہ تاریخ طبری، ج ۲ طبع جدید مصر ۱۳۶۱ھ ص ۷۳

② شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۷۱

مخالفت اور ناراضگی کے وہ شرائط بھی قبول فرمائیں جو بادی النظر میں باعثِ ہزیمت سمجھی جا رہی تھیں لیکن درحقیقت فروغِ امن کا ذریعہ تھیں۔ آنے والے وقت نے یہ ثابت بھی کر دیا کہ بعض مسلمان صلح کی جن شرائط کو اپنی شکست اور توہین کا باعث سمجھتے ہوئے سخت نالاں اور افسردہ و مضطرب تھے، وہی شرائط اسلام کی ترقی اور عروج کا زینہ بنیں۔ عرب کی فضائیں مسلمانوں کے لئے خوشگوار اور پرسکون ہوئیں اور نور حق کی شعائیں چہار سو پھیلنے لگیں۔ جو مسلمان مشرکین کے پاس جاتے اور انہیں معاہدے کی شرط کے مطابق واپس نہ آنے دیا جاتا، وہ وہاں اپنی زبان اور اخلاق و اطوار سے نشر و اشاعتِ اسلام کا ذریعہ بنتے اور قریش کے جو لوگ مسلمانوں میں آکر واپس جاتے وہ مسلمانوں کے حسنِ سلوک اور اوصاف و کردار کو بیان کر کے تبلیغ کا ذریعہ بنتے۔^①

بروایتِ اُس ایک سال کی مدت میں مسلمانوں کی تعداد میں جو اضافہ ہوا وہ اس سے پہلے کی پوری مدت میں بھی نہیں ہوا تھا۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان ہے، ”یہ مدت گزرنے نہیں پائی اور قریب تھا کہ اسلام تمام اہل مکہ پر چھا جائے۔“^②

یہی وہ زمانہ تھا جب قریش کے مشہور و معروف سردار خالد بن ولید اور عمرو بن عاص بھی دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔^③

حضرت اُمّ حبیبہؓ سے نکاح

(ذی الحجہ ۶ ہجری / اپریل مئی ۶۲۸ء)

حضرت اُمّ حبیبہ کے بیوہ ہو جانے کے بعد نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے بروایتِ ذی الحجہ ۶ ہجری میں ان سے نکاح فرما کر اپنے سایہ رحمت میں لیا۔ (تفصیل کتاب کے حصہ اول میں دی جا چکی ہے۔)

① خواجہ محمد لطیف، اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ، ج ۱ ص ۱۲۹

② علامہ علی نقوی، تاریخ اسلام، ص ۳۶۰

③ مسٹر کے۔ اے۔ حمید، تاریخ مسلمانان عالم، ج ۱

سنہ ۷ ہجری

مکتوباتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(یکم محرم ۷ ہجری / ۶۲۸ء)

نبی آخر و اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کسی ایک قوم یا ملک کے نبی نہیں تھے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام بنی نوع انسان کے لئے پیغمبر بنا کر مبعوث کیا گیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور چونکہ عرب کی سرزمین پر ہوا اس لئے کافروں و کفار کا آغاز بھی یہیں سے فرمایا۔ عرب میں مشرکین اور یہود و نصاریٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نہ صرف سخت مخالفت کی اور طرح طرح کی اذیتیں دیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو راہ سے ہٹانے کے لئے قاتلانہ حملے بھی کئے اور کئی جنگیں بھی لڑیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی۔ یہ اللہ کی نصرت تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جہدِ مسلسل کا اعجاز کہ عرب کی اُن شوریہ سرتوتوں کو بالآخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سرنگوں ہونا پڑا۔ اس کی پہلی مثال ميثاقِ مدینہ اور دوسری معاہدہ حدیبیہ ہے۔ ميثاقِ مدینہ کے تحت یہودیوں نے ایک طرح سے اسلام کو بطور ایک ملت و مذہب تسلیم کرتے ہوئے ہتھیار ڈال دیے تھے تو معاہدہ حدیبیہ میں سب سے بڑے دشمن قریش نے بھی دس سال کے لئے جنگ نہ کرنے، اور مسلمانوں کی مکہ میں آمد و رفت پر آمادہ ہو کر گھٹنے ٹیک دیے تھے اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اُن کے کئی لوگ جن میں سرکردہ افراد اور قبیلے کے سردار بھی شامل تھے دائرہ اسلام میں داخل ہونے لگے۔ پس، جب شمعِ رسالت کی ضوفشائیاں ظلمتِ عرب کا جگر چاک کرنے لگیں تو رسولِ گرامی صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کی سرحدوں سے باہر کی دنیا کو بھی نورِ اسلام کی تابانیوں سے منور کرنے کا ارادہ فرمایا۔

اُس زمانے میں دنیا میں شاہی نظامِ راج تھا اور اقوامِ عالم انہیں مذاہب کی پیروی کرتی تھیں جن کو اُن کے فرمانروا اختیار کرتے تھے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے مختلف کونوں میں

اپنے نامہ بر بھیجے اور سربراہانِ مملکت کو دعوتِ اسلام دی۔ بروایتِ یکم محرم ۷ ہجری (۱۱ مئی ۶۲۸ء) کا وہ عہد آفرین دن تھا جب پیغمبرِ اسلام ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا، ”اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام جہانوں کے لئے رحمت اور پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ دیکھو! عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کی طرح اختلاف نہ کرنا۔ اٹھو اور میری طرف سے پیغامِ حق (تمام دنیا کو) پہنچاؤ۔“ پھر آپ ﷺ نے ایک ہی دن میں چھ مختلف سربراہانِ مملکت کے نام خطوط ارسال کئے جن میں انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی گئی تھی۔

بعض کے مطابق آپ ﷺ نے یہ خطوط ۶ ہجری کے آخر میں ماہ ذوالحجہ میں صلح حدیبیہ کے بعد روانہ کئے اور بعض کے نزدیک ۷ ہجری میں روانہ کئے گئے۔ ممکن ہے کہ آپ ﷺ نے سلاطین کے نام یہ خطوط بھیجنے کا ارادہ تو ۶ ہجری کے آخر میں کیا ہو اور اس پر عمل ۷ ہجری میں فرمایا ہو یا یہ سلسلہ چھٹے سال سے شروع ہو کر ساتویں سال تک جاری رہا ہو۔^①

بہر حال اکثریت کا اتفاق اسی پر ہے کہ یہ خطوط حدیبیہ کے بعد اور فتح مکہ سے پہلے روانہ کئے گئے۔ خطوط لے کر جانے والے سفراء اور مکتوب الیہ شاہان کے نام مندرجہ ذیل ہیں:^②

- ۱۔ سفیر حضرت وحیہ بن خلیفۃ الکلبی، مکتوب الیہ ہرقل، قیصر روم۔
- ۲۔ سفیر حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی، مکتوب الیہ خسرو پرویز، شاہ ایران / شاہ فارس کسریٰ پرویز۔
- ۳۔ سفیر حضرت عمرو بن اُمیہ الضمری، مکتوب الیہ نجاشی، بادشاہ حبشہ۔
- ۴۔ سفیر حضرت حاطب بن ابی بلتعہ، مکتوب الیہ عزیز مصر۔
- ۵۔ سفیر حضرت سلیط بن عمرو عامری، مکتوب الیہ حاکم یمامہ، ہوذہ۔
- ۶۔ سفیر حضرت شجاع بن وہب الاسدی، مکتوب الیہ حارث بن شمر غسانی، رئیس حدود شام۔

① شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۲۷۲۔ علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام، ص ۳۹۹۔

خواجہ محمد لطیف، اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ، حصہ اول باب ۱۱۔ ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبرِ اعظم و آخر (ﷺ)، ص ۵۹۱

② ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبرِ اعظم و آخر (ﷺ)، ص ۵۹۱

بقولے آپ ﷺ کو معلوم ہوا کہ کئی ممالک کے حکمران صرف انہی خطوط و دستاویزات کو قابل وثوق و اعتماد سمجھتے ہیں جن پر مہر ثبت ہو چنانچہ آپ ﷺ نے چاندی کی ایک مہر بنوائی جس پر ”محمد رسول اللہ“ اس صورت میں کندہ تھا کہ پڑھنے میں ”اللہ رسول محمد“ تھا یعنی سب سے نیچے لفظ محمد، سب سے اوپر لفظ اللہ اور درمیان میں لفظ رسول تھا۔ پس تمام حکمرانوں کو ارسال کئے گئے خطوط پر آپ ﷺ نے یہ مہر ثبت فرمائی۔^①

آپ ﷺ نے اپنے خطوط میں اُن کو دین اسلام قبول کرنے کی دعوت دی اور فرمایا کہ اپنی رعایا کو بھی دین حق کی طرف راغب کرو ورنہ اُن کی گمراہی کی ذمہ داری بھی تم پر عائد ہوگی۔

مکتوباتِ نبوی ﷺ میں جن لوگوں کو مخاطب کیا گیا وہ مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے لوگ تھے مثلاً مشرکین، زرتشتی (مجوسی)، عیسائی اور یہودی وغیرہ۔ آپ ﷺ نے ہر ایک کے عقیدے کو پیش نظر رکھتے ہوئے اُس کو خط لکھا مثلاً ہرقل اور مقوقس کے نام جو خطوط لکھے، اُن میں آپ ﷺ نے اپنے نام کے ساتھ خصوصیت کے ساتھ عبد اللہ (خدا کا بندہ) لکھا، جس سے مخاطب کے عقیدے کی نہایت لطیف پیرائے میں تردید کر دی کہ انبیاء و مرسلین خدا کی اولاد نہیں، بلکہ خدا کے بندے ہوتے ہیں۔ خسرو پرویز فارس کے نام جو نامہ مبارک ارسال فرمایا اُس میں عقیدہ توحید کو خاص طور پر اجاگر کیا، کیونکہ فارس میں دو خداؤں کا نظریہ موجود تھا، پھر اسلام کے عالمگیر ہونے اور آپ ﷺ کے تمام اقوامِ عالم کی جانب مبعوث ہونے کا واضح بیان فرمایا۔ یہود کے نام خط میں تورات کے حوالے سے اپنی نبوت کا اثبات کیا۔ عیسائی قیصر روم نے آپ ﷺ کے دعوتی خط کے بعد احوال کا جائزہ لے کر آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کا اقرار تو کیا، مگر اسلام قبول نہ کیا۔ اسی طرح نصرانی عزیز مصر مقوقس نے بھی آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کا اعتراف کیا مگر دائرہ اسلام میں داخل نہ ہوا۔ شاہ حبشہ نجاشی عیسائی تھا، وہ آپ ﷺ کی دعوت پر حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے ایک خط اہل سندھ کی

① شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۲۷۳

جانب بھی ارسال فرمایا تھا جو نتیجہ خیز ثابت ہوا اور سندھ کے کچھ خوش قسمت لوگ مسلمان ہو کر دربار رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوئے۔

سرورِ عالم ﷺ کے خطوط میں طوالت، تکلف، تصنع اور بیان کی شوخی کی بجائے لطافت، سادگی، حقیقت پسندی اور ایجاز و اختصار کا پہلو نمایاں ہے۔ ان میں پیغمبرانہ امانت و صداقت، عزم و یقین اور رسولِ گرامی ﷺ کی زبانِ حق کی خاص فصاحت و بلاغت نظر آتی ہے۔ ان خطوط میں تبلیغی جذبے کی آبیاری کا سامان بھی ہے اور تزکیہٴ باطن و اصلاحِ نفس کے لئے رہنمائی بھی۔ اُصولِ دین کی تبلیغ بھی ہے اور اسلام کے احکام و مصالح اور تشریعی مسائل کا ذکر بھی۔ آپ ﷺ نے شاہانِ عالم کے نام جو خطوط ارسال فرمائے وہ اس امر کی واضح دلیل ہیں کہ آپ ﷺ کی نبوت و رسالت فقط جزیرہٴ عرب کے ساتھ مخصوص نہیں تھی بلکہ آپ ﷺ کی رسالت عرب و عجم، یہود و نصاریٰ، مشرکین اور مجوس حتیٰ کہ تمام عالمین کے لئے ہے۔

آپ ﷺ نے اپنی زندگی میں بڑے بڑے بادشاہوں، قبائل عرب کے سرداروں اور گورنروں کے نام جو خطوط لکھے وہ کتبِ حدیث میں محفوظ ہیں۔ بقولے ان کی تعداد تین سو کے قریب ہے، جن میں سے ۱۳۹ خطوط ایسے ہیں جن کا اصل متن محفوظ ہے اور ۸۶ وہ ہیں جن کا صرف مفہوم کتب میں ذکر کیا گیا ہے۔ ذیل میں ہم آپ ﷺ کے چند مکتوباتِ گرامی پیش کر رہے ہیں۔

مکتوب رسول ﷺ

بنام ہرقل، قیصرِ روم

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ○ من محمد رسول الله الى هرقل عظيم الروم ○
سلام على من اتبع الهدى ○ اما بعد ○ فاني ادعوك بدعاية الاسلام ○
اسلم تسلم ○ يوتك الله اجرک مرتين ○ فان توليت فان عليك اثم
الاريمين ○ وياهل الكتب تعالوا الى كلمه سواء بينا وبينكم الا نعبد الا

اللہ ولا نشرک به شیئاً ۝ ولا یتخذ بعضنا بعضاً ارباباً من دون اللہ فان تولوا فقولوا اشهدوا بانا مسلمون^① (مہرِ نبوت، رسول گرامی ﷺ)

ترجمہ:

”اللہ مہربان اور رحم کرنے والے کے نام سے۔ اللہ کے رسول محمد (ﷺ) کی طرف سے، ہر قل ”عظیم روم“ کے نام۔ سلامتی ہو اُس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔ بعد ازیں میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ مسلمان ہو جاؤ، سلامت رہو گے اور اللہ تمہیں دو گنا اجر دے گا۔ اگر تم نے روگردانی کی تو تمہاری جاہل رعایا کا گناہ بھی تم پر ہوگا۔ اے اہل کتاب! (اختلاف و نزاع کی ساری باتیں چھوڑ کر) اس بات پر آ جاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں طور پر مسلم ہے، یعنی اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، کسی ہستی کو اُس کا شریک نہ ٹھہراؤ اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو رب نہ بناؤ۔ پھر اگر اس سے روگردانی کرو تو گواہ رہنا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بندے (مسلمان) ہیں۔“

(مہرِ نبوت، رسول گرامی ﷺ)

آنحضرت ﷺ کا یہ خط حضرت دحیہ کلبیؓ نے امیر بصری (حوارن) کے توسط سے قیصر روم ہرقل تک پہنچایا۔ خط اُس نے کہا، نبوت کا دعویٰ کرنے والے کی قوم کا کوئی شخص اس شہر میں موجود ہو تو اُسے دربار میں پیش کیا جائے۔ اتفاق سے ابوسفیان اپنے قافلے کے ساتھ تجارت کی غرض سے وہاں گیا ہوا تھا، اُسے دربار میں پیش کیا گیا تو ہرقل نے اُس سے رسول اللہ ﷺ سے متعلق کئی سوالات کئے۔ ابوسفیان کا کہنا ہے کہ میں اس خوف سے جھوٹ نہ بول سکا کہ مبادا اپنے ساتھیوں میں بدنام ہو جاؤں۔ پس اُس نے ہرقل کے سوالات کا جواب دیتے ہوئے کہا، ”محمد (ﷺ) اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ اُن کے خاندان میں اس سے پہلے نہ کسی نے نبوت کا

① ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر (ﷺ)، ص ۵۹۲۔ صحیحین، ڈاکٹر محمد حمید اللہ، سیاسی وثیقہ جات

(اردو ترجمہ) ص ۵۱، ۵۲۔ علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۴۰۱ بحوالہ تاریخ الرسل والملوک، ص ۱۵۶۵

دعویٰ کیا ہے اور نہ کوئی بادشاہ ہی ہو گزرا ہے۔ وہ صادق اور امین ہیں۔ اُن کے پیروکار زیادہ تر کمزور لوگ ہیں جن کی تعداد میں آئے دن اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ جنگوں میں کبھی وہ غالب رہے اور کبھی ہم۔ وہ کبھی عہد شکنی نہیں کرتے۔ ابھی ابھی ہم نے اُن کے ساتھ ایک معاہدہ کیا ہے، اب دیکھیے وہ کیا کرتے ہیں؟“ ہرقل نے کہا، ”یہ علامتیں تو سچے نبی کی ہیں۔“ پھر پوچھا، ”وہ لوگوں کو کس بات کا حکم دیتے ہیں؟“ ابوسفیان نے کہا، ”نماز، روزہ، صلہ رحمی اور پرہیزگاری کا۔“ ہرقل کہنے لگا، ”اگر ایسا ہے تو وہ یقیناً نبی ہیں۔ ہمیں معلوم تھا کہ ایک نبی کا ظہور ہونے والا ہے لیکن ہم یہ نہیں جانتے تھے کہ اُن کا ظہور تم لوگوں میں ہوگا۔“ ہرقل بے حد متاثر ہوا، اُس نے عقیدت کا اظہار بھی کیا لیکن اسلام نہ لایا۔^(۱) اُس نے آنحضرت ﷺ کا نام مبارک محفوظ کر لیا، جو قسطنطنیہ کے کتب خانہ میں آج بھی موجود ہے۔^(۲)

ہرقل نے ایک جوابی خط آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لکھا جس کا متن یوں تھا:

ہرقل، قیصر روم کا خط

بحضور احمد رسول اللہ (ﷺ)، جن کے ظہور کی بشارت عیسیٰ نے بھی دی۔ منجانب قیصر روم۔ حضور (ﷺ) کا فرمان آپ (ﷺ) کے سفیر کے ذریعے ملا۔ میں آپ (ﷺ) کے رسول ہونے کا اقرار کرتا ہوں۔ آپ (ﷺ) کے ظہور کی بشارت عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) نے بھی انجیل میں دی۔ میں نے اپنی ساری رومی رعایا کو آپ (ﷺ) پر ایمان لانے کی دعوت دی لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ اگر وہ آپ (ﷺ) پر ایمان لے آتے تو اُن کے حق میں بہتر ہوتا۔ حضور (ﷺ)! کاش میں آپ (ﷺ) کی خدمت میں باریاب ہوسکوں اور آپ (ﷺ) کے پاؤں دھوؤں۔^(۳)

^(۱) ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر (ﷺ)، ص ۵۹۲

^(۲) خواجہ محمد لطیف، اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ، ج ۱ ص ۱۳۰

^(۳) ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر (ﷺ)، ص ۵۹۳

مکتوب رسول ﷺ

بنام شاہ فارس (ایران)، کسریٰ پرویز

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ○ من محمد رسول الله الى كسرى عظيم فارس
○ سلامٌ على من اتبع الهدى و آمن بالله ورسوله و شهدان لا اله الا الله
وحدۀ لا شريك له وان محمداً عبداً ورسوله ○ ادعوك بدعاية الله فاني انا
رسول الله الى الناس كافة لينذر من كان حياً و يحق القول على الكافرين ○
اسلم تسلم ان ابيت فعليك اثم المجوس ^① (مہرِ نبوت، رسول گرامی ﷺ)
ترجمہ:

”شروع اللہ مہربان اور رحیم کے نام سے۔ از محمد رسول اللہ (ﷺ) بنام حاکم فارس کسریٰ۔
سلامتی ہو اُس پر جو ہدایت کی پیروی کرے، اللہ اور اُس کے رسول (ﷺ) پر ایمان لائے اور
گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ایک ہے اُس کا کوئی شریک نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ
کا بندہ اور اُس کا رسول ہے۔ میں تمہیں اللہ کی طرف آنے کی دعوت دیتا ہوں۔ میں تمام بنی نوع
انسان کے لئے اللہ کا رسول (ﷺ) ہوں تاکہ جو لوگ زندہ ہیں انہیں بد اعمالیوں سے ڈراؤں
اور کافروں پر جہت قائم کروں۔ اسلام قبول کرلو، اسی میں تمہاری سلامتی ہے۔ اگر انکار کرو گے تو
سارے مجوسیوں کا وبال تم پر ہوگا۔“
(مہرِ نبوت، رسول گرامی ﷺ)

رسول اکرم ﷺ کا یہ مکتوب حضرت عبداللہ بن حذافہ السہمیؓ نے بحرین کے والی کی وساطت
سے کسریٰ پرویز تک پہنچایا۔ کسریٰ پرویز یہ خط سُن کر طیش میں آ گیا اور اُسے پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے
کر دیا۔ رب العالمین نے اس حرکت کی پاداش میں بہت جلد اُسے ہلاک کر دیا اور خط کی طرح

^① ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم وآخراً (ﷺ)، ص ۵۹۴۔ صحیحین۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، سیاسی وثقہ

جات (اردو ترجمہ) ص ۷۴، ۷۵۔ ابوالبرکات عبدالرؤف دانا پوری، اصح السید، ص ۲۳۵

اُس کی سلطنت بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔

کسریٰ پرویز نہایت مغرور اور متکبر بادشاہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے مکتوب میں اپنے نام سے پہلے آنحضرت ﷺ کا نام لکھا دیکھ کر وہ سیخ پا ہو گیا تھا۔ اُس نے اسے اپنی توہین سمجھا اور یمن کے والی باذان کو حکم بھجوا دیا کہ (خاکم بدین) مدعی نبوت (ﷺ) کو گرفتار کر کے دربار میں پیش کرے۔ چنانچہ باذان نے اُس بد بخت کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اپنے دو اہلکار جن کے نام بابویہ اور خرخرہ تھے مدینہ روانہ کیے۔ انہوں نے بارگاہ رسالت میں پہنچ کر شہنشاہ فارس کا گستاخانہ پیغام پہنچایا اور دھمکی دی کہ انکار کی صورت میں مدینہ کو تاراج کر دیا جائے گا۔ رسول اکرم ﷺ نے اُن کی ناپاک جسارت سے درگزر فرماتے ہوئے سفارتی آداب و رواج کو ملحوظ خاطر رکھا اور حلم و کرم روا رکھتے ہوئے فرمایا، ”تم واپس جاؤ، کسریٰ ہلاک ہو چکا ہے۔“ چنانچہ وہ یمن پہنچے تو انہیں معلوم ہو گیا کہ کسریٰ پرویز اپنے بیٹے شیرویہ کے ہاتھوں ہلاک ہو چکا ہے۔^①

مکتوب رسول ﷺ بنام شاہ حبش اصحم نجاشی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ○ من محمد رسول الله الى النجاشي ملك الحبشه
○ اسلم انت فآتي احمد اليك الله الذي لا اله الا هو الملك القدوس
السلام المومن المهيمن واشهد ان عيسى بن مريم روح الله وكلية
القاهها الى مريم البتول الطيبه المحصنة فحملت بعيسى فخلقة من روحه
ونفخة كما خلق آدم بيده واني ادعوك وجنودك الى الله عز وجل وبلغت

① ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم وآخراً (ﷺ)، ص ۵۹۵ بحوالہ طبری ج ۳ ص ۱۵۷۲

وَنصَحْتَ فَأَقْبِلُوا نَصِيحَتِي وَالسَّلَامَ عَلَيَّ مَنْ اتَّبَعَ الْهُدَى^①

(مہرِ نبوت، رسول گرامی ﷺ)

ترجمہ:

”مہربان اور رحم کرنے والے اللہ کے نام سے۔ محمد رسول اللہ (ﷺ) کی جانب سے شاہِ حبش نجاشی کے نام۔

سلامتی ہو اُس پر جو ہدایت کی راہ پر گامزن ہوا۔ میں تمہارے سامنے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کرتا ہوں جس کا کوئی شریک نہیں۔ وہ بادشاہ ہے (الْمَلِكُ) ہر قسم کے نقص سے پاک و متزہ (الْقُدُّوسُ)، خود سلامت (السَّلَامُ)، امن دینے والا (الْمُؤْمِنُ) اور نگہبان (الْمُهَيِّمُ)۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) اللہ کی رُوح اور کلمہ ہیں۔ اللہ نے انہیں پاکدامن کنواری مریم (علیہا السلام) میں القا کیا جس سے وہ حاملہ ہوئیں تو اللہ نے عیسیٰ (علیہ السلام) کو اپنی رُوح اور نَفْخ (پھونک) سے پیدا کیا جس طرح آدم (علیہ السلام) کو اپنے ہاتھ سے پیدا فرمایا اور میں تم کو اور تمہارے حبش کو اللہ عزّوجلّ کی طرف بلاتا ہوں۔ میں نے اللہ کا حکم پہنچا دیا اور نصیحت کر دی۔ تم میری نصیحت قبول کرو۔ اور سلام اُس پر جو اللہ کی ہدایت کی پیروی کرے۔“

(مہرِ نبوت، رسول گرامی ﷺ)

عرصہ دراز سے عرب اور حبش کے درمیان بہترین تعلقات قائم تھے، اسی بنا پر مسلمانوں نے قریش کے مظالم سے تنگ آ کر ماضی میں حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ تب شاہِ حبش اصم نجاشی (نجاشی حبش کے بادشاہوں کا خطاب ہوتا تھا، اصم بن ابجر اُس وقت کے بادشاہ کا اصل نام تھا) نے نہ صرف مسلمانوں کو پناہ دی تھی بلکہ رسول گرامی ﷺ کی ذاتِ مبارکہ سے گہری عقیدت و احترام

① ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبرِ اعظم و آخر (ﷺ)، ص ۶۲۸۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، سیاسی وثیقہ جات (اردو

ترجمہ) ص ۴۶، ۴۷۔ ابوالبرکات عبدالرؤف دانا پوری، اصح السید، ص ۴۳۶

اور دلی وابستگی کا اظہار بھی کیا تھا۔ اُم المؤمنین حضرت اُم حبیبہؓ کے رسول گرامی ﷺ کے ساتھ نکاح میں بھی اسی شاہ حبش اصحم نجاشی کا اہم کردار تھا (ہجرت حبشہ اور ازواج نبی ﷺ کے ابواب میں اس کا تفصیلی ذکر کیا جا چکا ہے)۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کا نامہ مبارک پاکر نجاشی بہت خوش ہوا۔ جواباً اُس نے بھی سرکارِ دو عالم ﷺ کی خدمت میں خطوط ارسال کئے جن میں سے دو خط مندرجہ ذیل ہیں:

شاہ حبش نجاشی کا خط

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ بخدمت جناب محمد رسول اللہ (ﷺ)، من جانب اصحم ابن ابجر اے اللہ کے نبی (ﷺ)! میں آپ (ﷺ) کی بارگاہ میں سلام عرض کرتا ہوں اور اللہ کی رحمت و برکت کا ہدیہ پیش کرتا ہوں۔ اُس اللہ کی جانب سے جو تنہا لائق عبادت ہے اور جس نے مجھے اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ اے اللہ کے رسول (ﷺ)! آپ (ﷺ) نے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی ولادت کے بارے میں جو ارشاد فرمایا ہے، خداوند عرض و سما کی قسم! حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) میں اس سے بڑھ کر کوئی اور بات نہیں (یعنی بلام و کاست ایسا ہی ہے) اور آپ (ﷺ) پر جو قرآن نازل ہوا ہے تو میں یقین رکھتا ہوں کہ وہ اللہ ہی کی جانب سے ہے۔ آپ (ﷺ) کے عم زاد بھائی (حضرت جعفر طیار بن ابی طالب رضی اللہ عنہ) اور اُن کے رفقاء کار ہمارے ہاں تشریف لائے، میں نے آپ (ﷺ) کے بھائی کے ہاتھ پر آپ (ﷺ) کی بیعت کر لی اور خدائے رب العالمین کی وحدانیت کا اعتراف کر لیا۔ میں اپنے بیٹے ابراہیم اصحم بن ابجر کو آپ (ﷺ) کی خدمت میں بھیج رہا ہوں لیکن اپنے نفس کے سوا دوسروں کی ذمہ داری لینے سے قاصر ہوں۔ اگر حکم ہو تو میں خود بھی حاضر خدمت ہونے پر آمادہ ہوں۔ یا رسول اللہ (ﷺ)! جب میں آپ (ﷺ) کی رسالت پر ایمان لا چکا ہوں تو پھر آپ (ﷺ) کے حکم کی تعمیل کیا مشکل ہے۔

والسلام علیک یا رسول اللہ (ﷺ)۔

شاہ حبش نجاشی کا دوسرا خط

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ بحضور جناب محمد نبی اللہ (ﷺ)، من جانب نجاشی اصم ابن ابجر السلام علیک یا رسول اللہ من اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ بعد ازیں میں نے آپ (ﷺ) کے قبیلے (یعنی قریش) کی مسلمان بی بی اُم حبیبہ بنت ابوسفیان کا آپ (ﷺ) سے نکاح کر دیا ہے اور آپ (ﷺ) کی خدمت میں مندرجہ ذیل اشیاء ہدیہ اریجا کے ہمراہ بھیج رہا ہوں:

ایک قمیض، ایک پاجامہ، ایک رداء اور چرمی موزوں کی ایک جوڑی۔

والسلام علیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مکتوب رسول اللہ ﷺ بنام والی مصر

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ○ من محمد عبد الله رسول الله الى المقوقس
عظيم القبط ○ سلام على من اتبع الهدى ○ اما بعد فاني ادعوك بدعاية
الاسلام ○ اسلم يوتك الله اجرًا مرتين ○ فان توليت فعليك اثم اهل
القبط ○ يا اهل الكتب تعالوا الى كلمه سواء بيننا وبينكم ان لا نعبد الا
الله ○ ولا نشرك به شيئاً ○ ولا يتخذ بعضنا بعضاً ارباباً من دون الله فان
تولوا فقلوا اشهدوا بانا مسلمون^①

(مہرِ نبوت، رسول گرامی ﷺ)

① ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر (ﷺ)، ص ۶۲۸۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، سیاسی و شیعہ جات، رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی ص ۱۹۹، طبری، ۱۵۶۹:۳۔ صبح الاعشی، ۶: ۶۶۶۔ ابوالفداء عماد الدین ابن کثیر (متوفی ۱۳۳۱ھ)، تاریخ ابن کثیر ۳: ۸۴۔ ابن القیم (متوفی ۷۵۱ھ)، زاد البعاد، ۳: ۶۰۔

ترجمہ:

”شروع اللہ مہربان اور رحیم کے نام سے۔ محمد (ﷺ) کی جانب سے جو اللہ تعالیٰ کا بندہ اور رسول (ﷺ) ہے۔ مَّقْوِس کے نام جو قبط (مصر) کا حاکم ہے۔ سلامتی ہو اُس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔ میں تم کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں، دائرہ اسلام میں داخل ہو جاؤ، سلامت رہو گے۔ اسلام قبول کر لو، اللہ تمہیں دُہرا اجر دے گا۔ اگر تم روگردانی کرو گے تو اہل قبط کا وبال بھی تم پر ہوگا۔ اے اہل کتاب! اُس بات کی طرف آؤ جو ہمارے تمہارے درمیان متفق علیہ ہے یعنی یہ کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ ہم میں سے بعض کسی کو اللہ کے سوا اپنا رب نہ بنائیں۔ پھر اگر اس سے روگردانی کرو تو گواہ رہنا کہ ہم اللہ کے فرماں بردار بندے (مسلمان) ہیں۔“

(مُبَرِّیوَت، رسول گرامی ﷺ)

رسول اکرم ﷺ کا یہ نامہ مبارک حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ نے قبط یعنی مصر کے حاکم مَّقْوِس کو پہنچایا۔ اُس نے کہا میں نے آنحضرت (ﷺ) سے متعلق غور و فکر کیا ہے۔ وہ کسی اچھی بات سے منع کرتے ہیں نہ برائی کا حکم دیتے ہیں اور نہ تو میں انہیں جھوٹا جادو گر سمجھتا ہوں اور نہ جھوٹا کاہن ہی خیال کرتا ہوں۔ میں اُن میں علاماتِ نبوت محسوس کرتا ہوں پس اس پر مزید سوچ بچار کروں گا۔^①

مَّقْوِس نے نبی اللہ ﷺ کا نامہ مبارک نہایت تعظیم کے ساتھ ایک قیمتی صندوقی میں بند کر دیا۔ مصر کے شاہی کتب خانہ میں یہ نامہ مبارک اب تک محفوظ ہے۔^②

پھر مَّقْوِس نے ایک عربی کاتب کو بلوا کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں مندرجہ ذیل خط لکھوایا:

① ذاکر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم وآخِر (ﷺ)، ص ۵۹

② خواجہ محمد لطیف، اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ ج ۱ ص ۱۲۰

حاکم مصر مقوقس کا خط

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ محمد بن عبد اللہ (ﷺ) کی خدمت میں مقوقس عظیم قبط کی طرف سے۔
 سلام ہو آپ (ﷺ) پر۔ انا بعد، میں نے آپ (ﷺ) کا نام گرامی پڑھا اور اس میں جو
 کچھ آپ (ﷺ) نے فرمایا ہے اور جس بات کی طرف بلایا ہے، اُس کو سمجھا۔ میں جانتا ہوں کہ
 ایک نبی باقی ہیں مگر میرا خیال تھا کہ اُن کا خروج شام میں ہوگا۔ میں نے جناب کے قاصد کی عزت
 افزائی کی ہے اور آپ (ﷺ) کی خدمت میں قوم قبط (مصر کی قوم) کی دو بلند مرتبہ
 کنیزیں، خلعت اور سواری کے لئے خچر بطور تحفہ روانہ کیے ہیں۔ والسلام علیک
 بروایت اُن کنیزوں کے نام ماریہ اور سیرین تھا اور خچر کا نام دُل دُل تھا۔ مقوقس نے رسول
 اللہ ﷺ کے سفیر حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ کو بھی خلعت اور ایک سو مثقال سونا دیا۔^①

مکتوب رسول ﷺ

بنا م شاہِ یسامہ ہوذہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ من محمد رسول اللہ الی ہوذہ بن علی ○
 سلام علی من اتبع الهدی واعلم ان دینی سیظهر الی منتهی الخف والحافر
 فاسلم تسلم واجعل لك ماتحت یدیک^②

(مہر نبوت، رسول گرامی ﷺ)

① ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر (ﷺ)، ص ۵۹۸

ابن القیم (متوفی ۷۵۱ھ)، زاد المعاد، ج ۳، ص ۱۸۲۔ دانا پوری، اصح السیر، ص ۳۳۸

② ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر (ﷺ)، ص ۶۲۹

ترجمہ:

”اللہ رحمن اور رحیم کے نام سے۔ اللہ کے رسول محمد (ﷺ) کی طرف سے ہوزہ بن علی کے نام۔ سلامتی ہو اُس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی۔ جان لو کہ میرا دین وہاں تک پھیلے گا جہاں تک چوپائے اور گھوڑے جاسکتے ہیں۔ اسلام قبول کر لو تو تمہاری لئے سلامتی ہے اور جو علاقہ تمہارے ماتحت ہے اُسے تمہارا بنادیں گے۔“

(مہرِ نبوت، رسول گرامی ﷺ)

رسول خدا ﷺ کا یہ مکتوب گرامی لے کر حضرت سلیمان بن عمرو عامریؓ شاہِ یمامہ ہوزہ کے پاس گئے۔ ہوزہ اُن کے ساتھ بہت احترام سے پیش آیا اور آنحضرت ﷺ کا نام مبارک بڑی توجہ سے سنا پھر مندرجہ ذیل خط جواب میں لکھوایا:

شاہِ یمامہ ہوزہ کا خط

”کتنی اچھی اور خوبصورت بات ہے جس کی طرف آپ (ﷺ) ہمیں بلاتے ہیں۔ عرب میرے مقام و مرتبہ کی تعظیم کرتے ہیں۔ آپ (ﷺ) مجھے اختیارات تفویض فرمائیں، (تو پھر) ہم اتباع کریں گے۔“

حضور ﷺ نے اُس کا خط سُن کر فرمایا، ”اگر وہ ایک بالشت زمین بھی طلب کرے گا تو نہیں دیں گے۔ جو کچھ اُس کے قبضے میں ہے وہ بھی جانے والا ہے۔“^① نبی صادق ﷺ کا فرمان صادق آیا اور ہوزہ کے قبضے میں جو کچھ تھا، سب جاتا رہا۔ (اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُس نے اتباعِ رسول ﷺ کو اختیارات کے تفویض کیے جانے سے مشروط کیا تھا۔)

① ذاکر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبرِ اعظم و آخر (ﷺ)، ص ۵۹۸۔

مکتوب رسول ﷺ بنام منذر بن حارث بن ابی شہر غسانی یا حارث بن شمر غسانی

- ① ڈاکٹر نصیر احمد ناصر نے کتاب پیغمبر اعظم و آخر ﷺ میں اس کا نام حارث بن شمر غسانی لکھا ہے۔
 ② علامہ علی نقی نقوی صاحب نے تاریخ اسلام میں منذر بن الحارث بن ابی شہر الغسانی تحریر کیا ہے۔
 ③ طبری نے تاریخ طبری میں منذر بن الحارث بن ابی شمر الغسانی رئیس دمشق لکھا ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ○ من محمد رسول الله الى الحارث ابن ابی شمر ○
 سلام علی من اتبع الهدی وامن به وصدق وانی ادعوك الى ان تؤمن بالله
 وحده لا شریک وله یبقی لك ملک ④
 (مہربانیت، رسول گرامی ﷺ)

”اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان اور رحیم ہے۔ اللہ کے رسول محمد (ﷺ) کی جانب سے حارث بن ابی شمر کے نام۔ سلامتی ہو اُس پر جو راہ ہدایت پر گامزن ہو اور جو ایمان لائے اور اُس کی تصدیق کرے۔ میں تمہیں اللہ عزوجل پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہوں، اللہ جو ایک ہے اور جس کا کوئی شریک نہیں۔ (ایمان لے آؤ) اس طرح تمہارا ملک تمہارے پاس باقی رہے گا۔“

آنحضرت ﷺ نے یہ خط شجاع بن وہب کے ہاتھ بھجوایا۔

① ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر (ﷺ)، ص ۶۲۹

② علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۴۰۱

③ ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری (اردو)، ج ۲ حصہ اول، ص ۲۶۸

④ ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر (ﷺ)، ص ۶۲۹۔

خیبر

(محرم ۷، ہجری / مئی جون ۶۲۸ء)

خیبر کا مقام مدینہ منورہ سے سات برید کی مسافت پر واقع تھا اور اُس وقت وہ مسافت ۴۸ گھنٹے کی تھی۔ برید کا مطلب ہے قاصد یا ڈاک یا ڈاکخانہ وغیرہ۔ پرانے زمانے میں ڈاک کی چوکیاں بنی ہوتی تھیں اور لمبی منزل تک ڈاک پہنچانے کا طریقہ یہ تھا کہ ایک قاصد ڈاک لے کر ایک چوکی تک جاتا تھا وہاں سے وہ ڈاک دوسرا قاصد لے کر اگلی چوکی تک جاتا تھا اور اسی طرح مختلف چوکیوں پر ڈاک اگلے قاصد کے حوالے کر دی جاتی تھی۔ پس یہاں برید سے مراد ڈاک کی چوکیاں ہیں یعنی مدینہ منورہ سے سات چوکیوں کی مسافت پر خیبر واقع تھا۔

خیبر کا نام عمالقمہ میں سے ایک شخص کے نام پر مشہور ہوا، اُس شخص کے دوسرے بھائی کا نام یثرب تھا، مدینہ کو اُسی کی نسبت سے یثرب کہا جاتا تھا۔ ایک قول کے مطابق یہودیوں کی زبان میں خیبر کے معنی قلعہ کے ہیں، اُس شہر میں کئی مضبوط قلعے، کھیت اور نخلستان تھے جن کی نسبت سے اس جگہ کو خیبر کہا جاتا تھا۔^①

خواجہ محمد لطیف انصاری صاحب لکھتے ہیں، ”خیبر عبرانی لفظ ہے جس کا ماخذ لفظ ”خبر“ ہے جو قلعوں کے معانی میں ہے۔ خیبر مدینہ منورہ سے شمال کی طرف آٹھ منزل یعنی ۹۲ میل کے فاصلے پر یہودیوں کا ایک قصبہ تھا جہاں بہت سے قلعے تھے۔“^②

مؤرخ کے اے حمید (بیرسٹریٹ لاء) لکھتے ہیں، ”خیبر مدینہ سے شام کی طرف تین منزل کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہاں یہودیوں کی کئی ایک بستیاں قائم تھیں۔ یہودیوں کو خیبر کے فلک بوس قلعوں پر بہت ناز تھا، انہیں یقین تھا کہ ان کا ملک بہت زیادہ مستحکم اور مضبوط ہے۔“^③

① سید محسن امین عالمی (متوفی ۱۹۵۳ء)، اعیان الشیعہ، ج ۲ ص ۲۵۶

② خواجہ محمد لطیف انصاری، اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ، ج ۱ ص ۱۵۰

③ مسٹر کے۔ اے حمیدی اے (لندن) بیرسٹریٹ لاء لاہور، تاریخ مسلمانان عالم، ج ۲ ص ۸۳

خیبر کی مہم ہجرت کے ساتویں سال کے آغاز میں، ماہ محرم کے وسط میں ^(۱) یا بقولے جمادی الاول میں ^(۲) یا بروایت ۶ ہجری کے آخری ماہ ذی الحجہ میں ^(۳) پیش آئی۔

جنگ خیبر کا پس منظر

مِثاقِ مدینہ کے باب میں تفصیلاً بیان کیا جا چکا ہے کہ مدینہ اور اُس کے گرد و نواح کے یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ کے ایک ساتھ ایک معاہدہ کیا تھا جسے تاریخ میں مِثاقِ مدینہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اُس معاہدے کے تحت انہوں نے پیغمبرِ خدا ﷺ کی حکومت کو سیاسی طور پر قبول کیا تھا اور اسلامی حکومت کے زیرِ سایہ بحیثیت رعایا رہنا تسلیم کیا تھا۔ انہوں نے عہد کیا تھا کہ وہ امن سے رہیں گے اور مسلمانوں کے خلاف کوئی کاروائی نہیں کریں گے، بلکہ مسلمانوں کے کسی حریف کا ساتھ بھی نہیں دیں گے اور اگر مسلمانوں کے خلاف کوئی بیرونی دشمن سر اٹھائے گا تو وہ مسلمانوں کی حمایت کریں گے۔ لیکن اس کے برعکس یہودیوں نے درپردہ اور بسا اوقات کھلم کھلا اسلامی حکومت کے خلاف کئی گھناونی سازشیں کیں حتیٰ کہ مشرکین مکہ کا ساتھ بھی دیا۔ اس بغاوت کی پاداش میں یہودیوں کے خلاف کی گئی کاروائیاں، جنہیں ”تادیبی کاروائیاں“ کہا جاسکتا ہے، بیان کی جا چکی ہیں۔ اُن کاروائیوں کے ذریعے یہودیوں کو مدینہ بدر بھی کیا گیا تھا جن میں سے اکثر خیبر چلے گئے تھے۔

خیبر کے یہودیوں نے مخالف جماعتوں کے ساتھ ساز باز کر کے کئی قبیلوں کو اپنے ساتھ ملا لیا اور ایک خفیہ معاہدہ کیا کہ مدینہ پر حملہ کر کے اسلامی حکومت کو تاراج کر دیا جائے اور اگر وہ اس مقصد میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو ہمیشہ کے لئے خیبر کی نصف پیداوار اپنے حلیفوں کو دیں گے۔ ^(۴)

^(۱) ابوالفداء (متوفی ۱۳۳۱ء)، تاریخ ابوالفداء، ج ۱ ص ۱۴

^(۲) سید محسن امین عالمی (متوفی ۱۹۵۳ء)، اعیان الشیعہ، ج ۲ ص ۲۵۶

^(۳) علامہ طبری (متوفی ۵۳۲ء)، اعلام الوری

^(۴) مسٹر کے اے حمید، بی اے (لندن) بیرسٹریٹ لاء لاء ہور، تاریخ مسلمانانِ عالم، ج ۲ ص ۸۳

چنانچہ چھ ہجری کے اواخر میں خیبر کے یہودیوں نے اپنے حلیف قبیلہ غطفان اور یثرب کے کئی چھوٹے موٹے قبائل کو مالِ غنیمت کا لالچ دے کر اپنے ساتھ ملا لیا۔ رسول گرامی ﷺ کو ان کے ناپاک عزائم کی خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے جوابی کارروائی کی تیاری شروع کر دی۔

شکرِ اسلام کی روانگی

آنحضرت ﷺ نے محرمِ سات ہجری میں حضرت سباع بن عرفطہ غفاریؓ کو مدینہ کا نگران مقرر فرمایا اور سولہ سو (۱۶۰۰) مجاہدین کے ساتھ جن میں دو سو (۲۰۰) سوار اور چند رضا کار خواتین تھیں^① یا چودہ سو (۱۴۰۰) مسلمان جن میں بیس (۲۰) خواتین تھیں،^② خیبر کی طرف پیش قدمی فرمائی۔

آپ ﷺ جنگی اُمور اور عسکری منصوبہ بندی کے ماہر تھے چنانچہ آپ ﷺ نے برق رفتاری سے رجعِ پہنچ کر چھاؤنی ڈال دی۔ یہ غطفان اور خیبر کے درمیان عسکری نوعیت کا ایک اہم ترین مقام تھا۔ یہاں چھاؤنی قائم کرنے کا مقصد یہ تھا کہ غطفان سے خیبر جانے والی شاہراہ کو کاٹ دیا جائے تاکہ غطفان خیبر کے یہود کو کمک نہ پہنچا سکیں اور اسلامی لشکر پر عقب سے حملہ آور نہ ہو سکیں۔ آپ ﷺ کی اس حکمت عملی کا نتیجہ فوراً ہی سامنے آ گیا۔ بنی غطفان کو جب خبر ہوئی کہ اسلامی لشکر خیبر کی طرف پیش قدمی کر چکا ہے تو وہ عقب سے حملہ آور ہونے کے لئے تیزی سے روانہ ہوئے مگر رجع پر لشکرِ اسلام کو جارحانہ انداز میں صفِ آراء دیکھ کر ششدر رہ گئے۔ عقب سے حملہ کرنے کا اب کوئی راستہ نہیں تھا، لشکرِ اسلام سے ٹکرانے کا مطلب خودکشی کے سوا اور کچھ نہ تھا چنانچہ وہ ناکام و نامراد واپس بھاگ گئے۔ آنحضرت ﷺ نے رجع کو اپنا عسکری صدر مقام بنایا، سامانِ رسد اور خواتین کا کیمپ بھی یہیں لگوا دیا اور لشکر کی ایک ٹکڑی اُن پر متعین فرما کر خیبر کی

① ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبرِ اعظم و آخر (ﷺ)، ص ۶۰۰

② مسٹر کے۔ اے حمید بی اے (لندن) بیرسٹرایٹ لاء لاہور، تاریخ مسلمانانِ عالم، ج ۲ ص ۸۳

طرف کوچ فرمایا۔ سپہ سالار اعظم رسول معظم ﷺ اتنی تیزی سے خیر پینچے کہ اسلامی لشکر کو دیکھ کر یہود سراسیمہ ہو کر اپنے قلعوں میں دبک گئے۔ وہاں اُن کے آٹھ قلعے تھے:

ایک طرف الطَّاط، صعب بن معاذ، الشَّق اور النَّاعم تھے اور دوسری طرف الکتیبہ، الوطیح، السَّلاّم اور القموص یا قیموس تھے۔^(۱) مسٹر کے اے حمید کے مطابق وہ دس قلعے تھے جن میں دس ہزار (۱۰۰۰۰) فوج ہر وقت لڑنے کے لئے تیار رہتی تھی۔^(۲) علامہ طبرسی لکھتے ہیں خیر میں چودہ ہزار (۱۴۰۰۰) یہودی قلعہ بند تھے۔^(۳)

قلعہ القموص یا قیموس، ان قلعوں میں سب سے زیادہ مضبوط تھا اور مرکزی حیثیت رکھتا تھا۔ یہ ایک پہاڑی پر واقع تھا، قموص درحقیقت اُسی پہاڑی کا نام تھا جس کی نسبت سے اُسے قلعہ قموص کہا جاتا تھا۔^(۴)

یہ قلعہ اس پوری یہودی ریاست کو محفوظ کرنے والا باب تھا اس لئے اس قلعہ قموص پر خیر کا اطلاق ہوتا تھا۔^(۵) کچھ ایسا ہی دیگر کتب مثلاً فتح الباری اور فاتح خیر میں بھی منقول ہے کہ قموص نامی قلعہ تمام قلعوں سے زیادہ مستحکم و عظیم تھا اور یہی قلعہ بسبب اپنی عظمت و استحکام کے اس خبر میں جس کا ذکر اوپر ہوا ہے خیر کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے۔^(۶)

رسول اکرم ﷺ نے یہود کو پیشکش کی کہ دائرہ ایمان میں داخل ہو کر امان حاصل کر لو، لیکن وہ اس

(۱) ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر (ﷺ)، ص ۶۰۱

(۲) مسٹر کے اے حمید بی اے (لندن) بیرسٹریٹ لاء لاہور، تاریخ مسلمانان عالم، ج ۲ ص ۸۳

(۳) علامہ طبرسی (متوفی ۵۳۲ھ)، اعلام الوری

(۴) شہاب الدین ابو عبد اللہ یاقوت بن عبد اللہ رومی حموی (متوفی ۶۲۶ ہجری)، معجم البلدان، ج ۷ ص ۱۶۹۔

حسین بن محمد دیار بکری (متوفی ۸۹۲ ہجری ۱۵۷۷ء)، تاریخ خمیس، ج ۲ ص ۱۳۸

(۵) علامہ زرقانی (متوفی ۱۱۲۲ ہجری)، الزرقانی علی المواہب، ج ۲ ص ۲۳۰

(۶) علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام، ص ۶۹ بحوالہ فتح الباری، فاتح خیر، ص ۹

پر آمادہ نہ ہوئے تو آپ ﷺ نے حملے کا حکم صادر فرما دیا۔ سب سے پہلے قلعہ الفاظ پر حملہ ہوا اور وہ فتح ہو گیا، پھر قلعہ الناعم اور قلعہ صعب بھی سر ہو گئے۔ اب قلعہ قموص کی باری تھی لیکن اُسے سر کرنا دشوار ثابت ہوا چنانچہ اُس کا محاصرہ طول پکڑ گیا۔^(۱)

رسول خدا ﷺ اور شیر خدا علیہ السلام کی علالت

قلعہ قموص، جو خیر کا مضبوط ترین قلعہ تھا اور جسے سر کرنا دشوار ترین ثابت ہوا، اُس کو فتح کرنے میں ناکامی کے دو اسباب تھے۔ ایک تو یہ کہ اُس قلعے کے محاصرے کے دوران در و شقیقہ کی وجہ سے نبی پاک ﷺ کا مزاج ناساز ہو گیا^(۲) اور آپ ﷺ قلعہ سر کرنے کی مہم میں بنفسِ نفیس شامل نہ ہو سکے۔ اور دوسرا سبب تھا شیر خدا علی علیہ السلام کی عدم موجودگی، جو اب تک ہر جنگ میں پیش پیش تھے مگر شدید آشوبِ چشم میں مبتلا ہونے کی وجہ سے خیر کی مہم میں آہی نہیں سکے تھے۔^(۳) اگر علی علیہ السلام ہوتے تو یہ قلعہ اب تک فتح ہو چکا ہوتا، جیسا کہ آنیوالے وقت نے بعد میں ثابت کر دیا۔

مسلمانوں کی خیر فتح کرنے کی کوشش ناکام

رسول اللہ ﷺ کی علالت کے دوران کچھ مسلمان خود ہی علم لے کر میدان میں جاتے رہے اور اپنی سی کوشش کرتے رہے مگر کسی سے قلعہ فتح نہ ہوا، عنانِ مراد ہاتھ نہ آئی اور وہ بے نیل و مرام ہی واپس لوٹتے رہے۔^(۴)

فاتح خیر کا انتخاب اور عطائے علم

اہل سنت کے معروف سیرت نگار شیخ عبدالحق محدث دہلوی صاحب ”مدارج النبوت“ میں لکھتے

^(۱) ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر (ﷺ)، ص ۶۰۲

^(۲) حسین بن محمد یار کبری (متوفی ۸۹۲ ہجری ۱۵۷۷ء)، تاریخ خمیس، ج ۲ ص ۴۳

^(۳) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۲۹۷، تاریخ خمیس، ج ۲ ص ۴۳

^(۴) ابوالفداء (متوفی ۱۳۳۱ء)، تاریخ ابوالفداء، ج ۱ ص ۱۸۷، شیخ عبدالحق، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۲۹۶

ہیں، ”ازل سے ارادہ الہی اسی پر تھا کہ یہ فضل خاص یعنی فتح خیبر حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے ساتھ مزید خصوصیت کے ساتھ شامل ہو، چونکہ قلعہ قوص خیبر کے تمام قلعوں سے زیادہ سخت اور مستحکم تھا اس لیے اُس کو آپ کے ہاتھ پر فتح کرایا۔ اُسے خیبر کے تمام قلعوں اور اُن کے شہروں کا مقدمہ اور اساس بنایا۔ اگرچہ اُن میں سے کچھ قلعے مثلاً نطاۃ (نطاط) اور صعب وغیرہ اس سے پہلے فتح ہو چکے تھے لیکن تمام فتح خیبر اور اکمال جناب مرتضوی (حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام) سے منسوب ہے۔ پس ایک رات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ”لَا عَظِيْنَ الرَّايَةِ غَدًا رَجُلًا يُحِبُّهُ اللهُ وَرَسُولُهُ يَفْتَحُ اللهُ عَلَيْهِ“، یعنی کل وہ شخص جھنڈا لے گا جس کو اللہ اور اُس کا رسول پسند فرماتا ہے اور اللہ اُس پر فتح دے گا۔ ایک روایت میں آیا ہے ”رَجُلٌ كَرَّارٌ غَيْرَ فَرَّارٍ“ یعنی وہ مرد بار بار پلٹ کر دشمن پر حملہ کرے گا اور پیچھے نہ ہٹے گا۔ روضۃ الاحباب میں اس کی تفسیر یہ کی گئی ہے کہ وہ شخص بڑھ بڑھ کر حملہ کرنے والا ہے اور پیچھے ہٹنے والا نہیں ہے۔^(۱)

بروایت، رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

”لَا عَظِيْنَ الرَّايَةِ غَدًا رَجُلًا يُحِبُّ اللهُ وَرَسُولُهُ وَيُحِبُّهُ اللهُ وَرَسُولُهُ“^(۲)

(ضرور بالضرور میں کل یہ علم اُس آدمی کو دوں گا جو اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب رکھتا ہوگا اور اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم اسے محبوب رکھتے ہوں گے)۔ اسی طرح کے الفاظ الگ الگ روایتوں یا تاریخوں میں کچھ کمی بیشی کے ساتھ وارد ہوئے ہیں مثلاً تاریخ ابوالفداء میں ہے:

”أَمَّا وَاللهُ لَا عَظِيْنَ الرَّايَةِ غَدًا رَجُلًا يُحِبُّ اللهُ وَرَسُولُهُ وَيُحِبُّهُ اللهُ وَرَسُولُهُ كَرَّارٌ غَيْرَ فَرَّارٍ يَأْخُذُهَا عَنُودَةً“^(۳) (معلوم ہونا چاہئے کہ قسم اللہ کی میں لازمی طور پر یہ علم کل

^(۱) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۲۹۶، ۲۹۷ بحوالہ روضۃ الاحباب

^(۲) علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام، ص ۳۷۰

^(۳) ابوالفداء (متوفی ۱۳۳۱ء)، تاریخ ابوالفداء، ج ۱ ص ۱۴

اُس شخص کو دوں گا جو اللہ اور اُس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہے اور اللہ اور اُس کا رسول ﷺ اُس سے محبت کرتے ہیں، وہ بڑھ بڑھ کر حملے کرنے والا ہے، بھاگنے والا نہیں اور وہ اس قلعہ کو قوت و طاقت کے ساتھ لے لے گا۔

اعلام الوریٰ میں ہے:

”لَاُعْطِيَنَّ الرَّايَةَ غَدًا رَجُلًا كَرَارًا غَيْرَ فَرَارٍ يُحِبُّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَبِحُبِّهِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَا يَرِجُّ حَتَّى يَفْتَحَ اللَّهُ عَلَى يَدَيْهِ“^(۱) (میں لازمی طور یہ علم کل اُس شخص کو دوں گا جو اللہ اور اُس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہے اور اللہ اور اُس کے رسول ﷺ اُس سے دوست رکھتے ہیں۔ وہ بڑھ بڑھ کر حملے کرنے والا ہے ایسا جو بھاگنے والا نہیں اور وہ اللہ اُس کے ہاتھ پر فتح و نصرت عنایت کرے گا۔)

ابن ہشام نے لکھا ہے:

”لَاُعْطِيَنَّ الرَّايَةَ غَدًا رَجُلًا يُحِبُّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يَفْتَحَ اللَّهُ عَلَى يَدَيْهِ لَيْسَ بِفَرَارٍ“^(۲) (میں لازمی طور یہ علم کل اُس شخص کو دوں گا جو اللہ اور اُس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہے اور اللہ اُس کے ہاتھ پر فتح و نصرت عنایت کرے گا اور وہ بھاگنے والا نہیں۔)

جب زبان رسالت مآب ﷺ سے یہ اعلان ہوا تو ہر ایک کے دل میں یہ حسرت پیدا ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ کل مجھے علم عطا فرمائیں۔ پس وہ بارگاہ رسالت میں دوڑا نو ہو کر اور گھٹنوں کے بل بیٹھے اور گردنیں لمبی کر کر کے رسول خدا ﷺ کی طرف پُر امید نظروں سے دیکھنے لگے۔^(۳)

^(۱) علامہ طبرسی (متوفی ۵۳۲ھ)، اعلام الوریٰ

^(۲) ابن ہشام (متوفی ۸۳۳ھ)، تاریخ ابن ہشام ج ۲ ص ۱۸۷

^(۳) ابوالفداء (متوفی ۱۳۳۱ھ)، ابوالفداء ج ۱ ص ۱۴۰، ابوجعفر محمد بن جریر طبری، تاریخ طبری ج ۳ ص ۹۳۔

علامہ طبرسی (متوفی ۵۳۲ھ)، اعلام الوریٰ۔ حسین بن محمد یار بکری (متوفی ۱۵۷۷ھ)، تاریخ خمیس ج ۲ ص ۴۸

اسد اللہ الغالب علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی شجاعت اور مردانگی سے سبھی واقف تھے اس لیے جانتے تھے کہ عطائے علم کے واحد حقدار تو وہی ہیں لیکن دل کو اطمینان یہ تھا کہ وہ آشوبِ چشم میں مبتلا ہونے کی وجہ سے اس مہم پر آئے ہی نہیں، پس اُن کی عدم موجودگی میں اُس خاص علمدار کا انتخاب باقی ماندہ لوگوں میں سے ہی ہوگا۔

”مدارج النبوت“ میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی صاحب فرماتے ہیں، ”روایت میں ہے کہ ایک جماعت دوسرے سے کہتی تھی، ”یہ تو طے سمجھو کہ علی ابن ابی طالب علیہ السلام تو اس مراد سے فائز نہ ہوں گے کیونکہ اُن کی آنکھ اس شدت سے درد کرتی ہے کہ وہ اپنے پاؤں تک نہیں دیکھ سکتے۔“^①

معروف مؤرخ علامہ طبرسی لکھتے ہیں، ”قریش کے لوگ آپس میں کہہ رہے تھے کہ علی علیہ السلام کے میدان میں آنے کا خطرہ تو ہے ہی نہیں کیونکہ اُن کی آنکھیں اس شدت سے دکھتی ہیں کہ وہ اپنے پیر رکھنے کی جگہ نہیں دیکھ سکتے۔“^②

اُدھر مدینہ میں حضرت علی علیہ السلام کا دل سخت بے قرار اور مضطرب تھا اور ایک ہی خیال دامن گیر تھا آنکھ کی تکلیف کے سبب خیبر کی مہم میں رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کے شرف سے محروم رہ گئے۔ پس ربِ اعلیٰ کے حضور دُعا گو ہوئے، ”اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لَنَا اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطٰی لَنَا مَنَعْتَ“ (الہی! جب تُو عطا کرنا چاہے تو کوئی روکنے والا نہیں اور جب تُو روکنے والا ہے تو کوئی دینے والا نہیں) چنانچہ جاں نثار رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ رہا گیا اور علالت میں ہی مدینہ طیبہ سے نکل پڑے اور خیبر کی طرف چل دیے۔ اُدھر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی آپ کی روانگی کی خبر ہو گئی۔

خیبر کے اُفق پر اگلے دن کا وہ آفتاب طلوع ہو چکا تھا جس سے کئی لوگوں کی اُمیدیں وابستہ تھیں۔ لوگ پیکر آس بنے رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھ رہے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ”علی

① شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۲۹۶

② علامہ طبرسی (متوفی ۵۳۲ھ)، اعلام الوری

ابن ابی طالب (علیہ السلام) کہاں ہیں؟“

شاید فرمانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں کو اپنی اُمیدوں کے چراغ گل ہوتے ہوئے نظر آئے جو انہوں نے ہر طرف سے عرض کیا وہ یہیں ہیں لیکن اُن کی آنکھیں اتنا درد کرتی ہیں کہ وہ اپنے پاؤں تک کو نہیں دیکھ سکتے۔ فرمایا، ”اُن کو میرے پاس لاؤ۔“^①

حضرت مسلمہؓ بن الاکوع گئے اور علی علیہ السلام کو ہاتھ سے تھام کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے سر کو اپنی مبارک ران پر رکھا، اپنا لعابِ دہن مبارک اُن کی چشمِ مبارک میں لگایا اور دعا مانگی۔ اُسی وقت اُن کی آنکھ سے درد جاتا رہا اور انہیں شفاءِ کلی حاصل ہو گئی۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا بھی مانگی، ”اللَّهُمَّ اَذْهَبْ عَنْهُ الْحَرَّ وَالْقَرَا“، یعنی اے خدا! اُن سے گرمی اور سردی دونوں کو دور رکھ۔ ابنِ لیلیٰ کہتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام سخت گرمی میں روئی کا لباس اور سخت سردی میں باریک کپڑے کا لباس زیب تن فرما لیتے تو بھی اُنہیں کوئی ضرر نہ پہنچتا تھا۔ پس جب علی علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا سے آشوبِ چشم سے نجات پائی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنی خاص زرہ پہنائی، اُن کے میان سے تلوار باندھی اور فرمایا، ”جاؤ التفات نہ کرنا جب تک کہ حق تعالیٰ تمہارے ہاتھ پر قلعہ فتح نہ فرمادے۔ اس کے بعد حضرت علی المرتضیٰ (علیہ السلام) علم لے کر روانہ ہوئے۔“^②

مورخ دیارِ بکری نے لکھا ہے، ”علی علیہ السلام شفا یاب ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی فولادی زرہ اُن کو زیب جسم فرمائی اور ذوالفقار اُن کی کمر میں لگائی اور پھر علم عطا فرمایا۔“^③

① شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۲۹۶۔ علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام،

ص ۵۷۳ بحوالہ علامہ طبرسی (متوفی ۵۳۲ھ)، اعلام الوریٰ۔ حسین بن محمد دیاربکری، تاریخ خمیس ج ۲ ص ۴۸۔

② شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۲۹۷

③ حسین بن محمد دیاربکری (متوفی ۸۹۲ھ/۱۵۷۷ء)، تاریخ خمیس ج ۲ ص ۴۹

علامہ طبری نے لکھا ہے، ”علی علیہ السلام کو ہاتھ سے پکڑ کر لایا گیا تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کا سراپے زانو پر رکھ کر آنکھوں میں اپنا لعاب دہن ڈالا تو فوراً آنکھیں صحیح و سالم ہو گئیں۔ اس کے بعد اُن کو اپنا علم دے دیا۔“^(۱) طبری نے بھی کچھ ایسا ہی لکھا ہے، ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علی علیہ السلام کو بلایا، اُن کو آشوبِ چشم تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی آنکھوں پر اپنا لعاب دہن لگایا اور اپنا جھنڈا اُن کو دیا۔“^(۲) سیرت ابن ہشام میں ہے، ”حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو بلایا اس عالم میں کہ وہ آشوبِ چشم میں مبتلا تھے تو اُن کی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن ڈالا پھر فرمایا اب یہ علم لے جاؤ کہ اللہ تمہارے ہاتھوں فتح کی صورت نصیب کرے۔“^(۳)

قدیم ترین مؤرخ و اقدی لکھتے ہیں، ”لوگ آکر حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے۔ جب تمام لوگ اپنے اپنے جھنڈوں سمیت آگئے تو حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے علم کو ہاتھ میں لے کر جنبش دی اور اپنے پروردگار سے دُعا مانگی پھر اُسے علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے حوالے کر دیا۔“^(۴)

جناب امیر علیہ السلام کا اندازِ ورود

وہ علم جسے پانے کی آرزو ہر مسلمان کے دل کی حسرت بن کے رہ گئی تھی، جناب امیر المومنین علیہ السلام کو عطا ہوا تو آپ کی چال میں عجب وقار اور رفتار میں بلا کی تیزی عود کر آئی اور آپ برق رفتاری کے ساتھ میدان کی طرف بڑھے۔ مؤرخین لکھتے ہیں، ”علم پانے کے بعد حضرت علی علیہ السلام دوڑتے ہوئے میدان کی طرف روانہ ہوئے۔“^(۵)

(۱) علامہ طبری (متوفی ۵۳۲ء)، اعلام الوری

(۲) ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری ج ۲ حصہ اول ص ۲۵

(۳) سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۱۸۴۔ ابوالفداء (متوفی ۱۳۳۱ء)، تاریخ ابوالفداء ج ۱ ص ۱۴

(۴) ابو عبد اللہ محمد بن عمرو اقدی (متوفی ۸۲۲ء)، کتاب المغازی للواقعی مطبوعہ مکتبۃ ۱۸۵۵ء ج ۱ ص ۳۹۱

(۵) علامہ طبری (متوفی ۵۳۲ء)، اعلام الوری۔ ابن ہشام (متوفی ۸۳۳ء) سیرت ابن ہشام،

ج ۲ ص ۱۸۷۔ حسین بن محمد دیارکبری (متوفی ۸۹۲ ہجری ۱۵۷۷ء)، تاریخ خمیس ج ۲ ص ۴۹

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے، ”آپ اتنی جلدی روانہ ہوئے کہ ہمیں ہتھیار لگانا مشکل ہو گئے اور سعد بن وقاص نے پکار کر کہا، ”اے ابوالحسن علیہ السلام! ٹھہریے کہ اور لوگ پہنچ جائیں۔“ ایک جگہ جابر کا بیان یوں ہے کہ لوگ کہہ رہے تھے، ”یا علی علیہ السلام! رحم کیجئے، یعنی اتنی جلدی نہ کیجئے۔“^(۱)

شجاعتِ علی ابن ابی طالب علیہ السلام پر تورات کی گواہی

حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام جنہیں اَسَدُ اللہ (اللہ کا شیر) اور یُدُ اللہ (اللہ کا ہاتھ) بھی کہا جاتا ہے، علم ہاتھ میں لئے قلعہ قوص کی جانب بڑھے۔ آپ قلعہ کے نیچے پہنچے تو ایک چٹان پر علم گاڑ دیا۔ ایک یہودی عالم نے جو قلعہ کے اوپر کھڑا تھا پوچھا، ”اے صاحبِ علم! تو کون ہے؟“ فرمایا، ”میں علی ابن ابی طالب (علیہ السلام) ہوں۔“ اس پر وہ یہودی عالم اپنی قوم سے کہنے لگا، ”قسم ہے تورات کی! تم اس شخص سے مغلوب ہو گئے۔ یہ فتح حاصل کئے بغیر نہ لوٹے گا۔“

وہ یہودی عالم حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام کی شجاعت کو توریت کے حوالے سے جانتا تھا کیونکہ توریت میں وہ آپ کے اوصاف پڑھ چکا تھا۔^(۲)

شیرِ خدا علی المرتضیٰ علیہ السلام کی جنگ

اپنے عالمِ دین کی تنبیہ پر یہودیوں نے شاید توجہ نہیں دی تھی یا انہیں اپنی طاقت کا زعم تھا کہ شیرِ خدا علی علیہ السلام قلعہ کے نیچے پہنچے تو قلعہ کے سردار مرحب کا بھائی حارث جو اُس کا دستِ راست اور نائب تھا، علی علیہ السلام کے مقابل آگیا۔ بروایت اُس کا نیزہ تین من کا تھا اور وہ اس معرکہ میں کئی مسلمانوں کو شہید کر چکا تھا۔ وہ علی علیہ السلام کے مقابل آیا تو آپ نے ایک ہی وار سے اُسے جہنم واصل کر دیا۔ اُس کے بعد ”عنتر“ اور پھر کچھ اور بہادروں نے یکے بعد دیگرے علی علیہ السلام سے مقابلہ کیا لیکن سبھی ذوالفقار علی علیہ السلام کا شکار ہو گئے۔^(۳)

^(۱) علامہ علی نقوی، تاریخ اسلام ص ۳۸۱ بحوالہ سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۱۸۴ و تاریخ خمیس ج ۲ ص ۴۹

^(۲) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۲۹۸

^(۳) علامہ علی نقوی، تاریخ اسلام ص ۳۸۱

اپنے بھائی کے مارے جانے کے مرحب بہادروں کی ایک جماعت کے ساتھ انتقام لینے باہر نکلا۔ وہ بہت بلند قامت اور جنگجو شخص تھا، خیر کے بہادروں میں اُس کا کوئی ثانی نہیں تھا اور اُس کی بہادری کا ڈنکا تمام خیر میں بجتا تھا۔ اُس روز وہ دو دوزر ہیں پہن کر اور دو دوتلواریں حائل کر کے میدان میں نکلا تھا۔ اُس نے دو عمامے باندھ رکھے تھے جن کے اوپر خود بھی پہن رکھا تھا وہ یہ رجز پڑھتا ہوا میدان میں نکلا:

قَدْ عَلِمْتُ خَيْرُ آتِي مَرْحَبُ شَاكِي السَّلَاحِ بَطْلُ مُحَرَّبُ
(سارا خیر جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں، مسلح، دلاور جنگ آزمودہ)

علی ابن ابی طالب علیہ السلام یہ رجز پڑھتے ہوئے آگے بڑھے:

أَنَا الَّذِي سَمَّيْنِي أُحْمِي حَيْدَرَةً صَرْغَامُ آجَامٍ وَلَيْثُ قَسْوَرَةٍ

(میری ماں نے میرا نام حیدر رکھا ہے، میں صرغام ہوں آجام ہوں اور حملہ آور لیث ہوں)

صرغام، آجام اور لیث، یہ تینوں شیر کے مترادف المعنی الفاظ ہیں۔^(۱)

مرحب نے حضرت علی علیہ السلام کے سراقندس پر تلوار کا وار کرنا چاہا لیکن اس سے پہلے ذوالفقار حیدری بجلی کی طرح کوندی۔ مرحب نے ذوالفقار کو اپنی ڈھال پر روکا تو وہ اُسے کاٹتی ہوئی اُس کے خود پر گری اور پھر خود کو اور دو عماموں کو اور اُس کے سر کو کاٹتی ہوئی اُس کے دانتوں تک پہنچ گئی۔^(۲)

بروایت علی علیہ السلام کی تلوار اُس غدار کا خود کاٹتی ہوئی، سر کو چیرتی ہوئی حلق تک جا پہنچی اور بقولے حلق سے بھی نیچے اُس کی رانوں تک چلی گئی۔ ایک روایت ہے کہ ذوالفقار حیدری اُس کی زین تک جا پہنچی۔^(۳)

پس مرحب کے دو ٹکڑے ہو گئے۔

^(۱) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۲۹۸

^(۲) حسین بن محمد یار بکری (متوفی ۱۵۷۴ء)، تاریخ خمیس ج ۲ ص ۵۰۔ تاریخ طبری ج ۲ حصہ اول ص ۶۷

^(۳) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۲۹۸

تاریخ طبری میں ہے کہ ضربِ حیدری کی گونج اتنی تھی کہ اہل لشکر نے بھی سنی۔^①

مدارج النبوت میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں، ”اس کے بعد اہل اسلام، حضرت امیر علیہ السلام کی مدد کے ساتھ میدان میں اترے اور یہودیوں کو قتل کرنا شروع کیا۔ یہود کے شجاعوں میں سے سات کو آپ نے جہنم رسید کر دیا، باقی ہزیمت اٹھا کر قلعہ میں داخل ہو گئے۔ حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام بھی قلعہ کی طرف بڑھتے چلے گئے ایسے میں ایک یہودی راہ میں حائل ہوا اور آپ کے دستِ اقدس پر وار کیا، آپ کی ڈھال زمین پر گر پڑی۔ دوسرا یہودی اس ڈھال کو اٹھا کر بھاگ کھڑا ہوا۔ جناب امیر علیہ السلام کو جوش آیا، قُوّتِ ربّانی کی طرف سے ایسی روحانی قُوّت وارد ہوئی کہ آپ خندق کو پھاند کر قلعہ کے دروازہ پر جانچنے اور قلعہ کے آہنی دروازہ کا ایک پٹ اکھاڑا اور اُسے ڈھال بنا کر جنگ میں مشغول ہو گئے۔“ شیخ عبدالحق محدث دہلوی صاحب آگے لکھتے ہیں، ”سیدنا امام باقر سلام اللہ علیہ وعلیٰ آباء العظام واولادہ الکرّام سے منقول ہے کہ جب علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ علیہ السلام نے درخیز کو اکھاڑنے کے لیے جھنجھوڑا تو سارا قلعہ کانپنے لگا۔ حضرت صفیہ بنت حمی بن اخطب تخت سے گر پڑیں اور اُن کا چہرہ زخمی ہو گیا۔ غالباً حضرت صفیہؓ میں یہ جنبش سرایت کرنے میں حکمت و علامت اور خاص مناسبت ہو جس کی بنا پر وہ اسیر ہوئیں اور آخر میں سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آئیں تاکہ وہ متنبہ ہو جائیں اور اُن میں اس دولت و سعادت کے قبول کرنے کی صلاحیت و استعداد پیدا ہو جائے۔ اربابِ سیر بیان کرتے ہیں کہ جنگ سے فارغ ہونے کے بعد جناب امیر علیہ السلام نے اُس دروازہ کو پس پشت پھینک دیا۔ بقولے بعد میں سات قوی و تنومند آدمیوں نے مل کر اس در کو ایک پہلو سے دوسرے پہلو پر پلٹنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہے پھر چالیس آدمیوں نے مل کر چاہا کہ اُسے اٹھالیں مگر عاجز رہ گئے۔ رَوْضَةُ الاحباب، معارج النبوة اور سیر کی دیگر کتابوں میں ایسا ہی منقول ہے۔

① علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۸۲ بحوالہ تاریخ طبری، مطبع حسینیہ، مصر ج ۳ ص ۹۳

معارج النبوة میں منقول ہے کہ اُس کا وزن آٹھ سو من تھا۔ المواہب الدنیة میں مروی ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام نے جس بابِ خیبر کو اکھاڑا تھا اُسے ستر آدمی انتہائی مشقت اور کوشش کے باوجود ہلا تک نہ سکے۔ ابنِ اسحاق کی روایت میں سات آدمی مذکور ہیں اور حاکم، بیہقی نے لیث بن ابی سلیم سے وہ حضرت ابو جعفر محمد علیہ السلام بن علی علیہ السلام بن حسین علیہ السلام سے اور وہ جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام نے جس درِ خیبر کو اکھاڑ کر اٹھالیا تھا اُسے بعد میں چالیس آدمی بھی نہ اٹھا سکے۔ جب قموص اور خیبر کے تمام قلعے والوں نے حضرت امیر علیہ السلام کی اس قوت و قدرت کا مشاہدہ کیا تو وہ سب فریاد کرنے لگے، ”الامان الامان“۔ اس کے بعد حضرت علی علیہ السلام نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ سے اُن کو اس شرط پر امان دے دی کہ ہر آدمی اُونٹ پر خوراک لا کر ان شہروں سے نکل جائے اور نقد اور تمام ساز و سامان اور اسلحہ مسلمانوں کے لئے چھوڑ دے۔ حضرت علی علیہ السلام اس مہم کو سر کرنے کے بعد بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیمہ مبارک سے باہر تشریف لا کر آپ کا استقبال فرمایا، پھر آغوشِ اقدس میں لیا اور دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دے کر فرمایا، ”بَلَّغْنِي ثَنَاءَكَ الْمَشْكُورُ وَ صَنِيعَكَ الْمَذْكُورُ قَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَ رَضِيَتْ أَمَّا عَنْكَ“ (تمہاری مشکورانہ تعریفیں مجھ تک پہنچیں اور تمہاری بہادری کے واقعات بیان ہوئے، بے شک اللہ ان سے راضی ہوا اور میں بھی تم سے راضی ہوا) اس پر جناب امیر علیہ السلام آبدیدہ ہو گئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ”علی! یہ رونا خوشی کا ہے یا غم کا؟“ عرض کیا، ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ آنسو خوشی کے ہیں اور میں اس پر کیوں نہ خوش ہوؤں کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھ سے راضی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ”علی! میں اکیلا ہی تم سے راضی نہیں بلکہ اللہ اور جبرائیل اور

میکائیل اور تمام فرشتے بھی تم سے راضی ہیں۔“^(۱)

بروایت اس کے بعد دوسری جانب کے باقی تین قلعوں الکتیبہ، الوطیع اور السلالہ کا محاصرہ کیا گیا۔ چودہ دن کے بعد یہودیوں نے ہتھیار ڈال دیے اور خیبر کا سارا علاقہ فتح ہو گیا۔^(۲)

نبی کریم ﷺ کا خیبر کے یہودیوں پر کرم

قلعہ قنوص سے سو (۱۰۰) زرہیں، چار سو (۴۰۰) تلواریں، ہزار (۱۰۰۰) نیزے، پانچ سو (۵۰۰) کمائیں اور بے شمار ساز و سامان اور دولت مالی غنیمت میں حاصل ہوا جس میں سے پانچواں حصہ (خمس) نکال کر باقی رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں میں تقسیم فرمایا۔ منقول ہے کہ یہودی کندی کے باوجود نبی کریم ﷺ نے اُن کی جاں بخشی کر کے اُن پر احسان فرمایا اور خیبر سے نکل جانے کا حکم دیا۔ اس پر اُنہوں نے عرض کیا کہ ہمیں ان کھیتوں اور باغوں میں اجرت پر رکھ لیا جائے۔ آنحضرت ﷺ نے مہربانی کرتے ہوئے اُن کی گزارش کو قبول فرمایا اور پیداوار کا نصف حصہ اُن کی اجرت مقرر فرما کر اُنہیں رکھ لیا۔ اس معاملہ کو مؤرخین نے ”مخابرہ“، یعنی خیبر والوں کا معاملہ لکھا ہے۔^(۳)

حضرت صفیہؓ

صفیہ بنت حبیبی بن اخطب، خیبر کے سردار کنانہ بن ابی الحقیق کی زوجیت میں تھیں جو اس معرکہ میں مارا گیا تھا۔^(۴) جنگ کے اختتام پر حضرت علیؓ نے حضرت بلالؓ سے فرمایا کہ انہیں رسول

^(۱) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۲۹۸ تا ۳۰۰ بحوالہ روضۃ

الاحباب، المواعظ الدینیہ، معارج النبوة وغیرہ

^(۲) بخاری، کتاب الفضائل، باب غزوہ خیبر

^(۳) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۳۰۱

^(۴) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۳۰۴

اللہ ﷺ کی خدمت میں لے جاؤ، آنحضرت ﷺ ان کے ساتھ جو مناسب سمجھیں گے وہ سلوک کریں گے۔ اس سے حضرت علی علیہ السلام کی روادری اور اعلیٰ ظرفی کا علم ہوتا ہے جو آپ نے اس پہلو کو بھی پیش نظر رکھا کہ کسی قوم کے سردار کی خواتین کے ساتھ عام قیدیوں کا سا برتاؤ نہیں کیا جاتا بلکہ اُن کے ساتھ اُن کے شایانِ شان سلوک کیا جاتا ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضرت صفیہ کو اُس طرف سے لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے جس طرف مقتولین کے لاشے پڑے ہوئے تھے۔ لاشے دیکھ کر اُن کی حالت غیر ہو گئی۔ شاید حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اس پر غور نہیں کیا ہوگا کہ ایک صنفِ نازک کے لئے اپنے عزیز مقتولین کی لاشوں کو دیکھنا کتنا کرب ناک ہو سکتا ہے مگر پیغمبرِ خدا ﷺ کو جب یہ معلوم ہوا تو آپ ﷺ حضرت بلال رضی اللہ عنہ پر سخت ناراض ہوئے اور فرمایا، ”بلال! کیا تمہارے دل سے رحم بالکل جاتا رہا تھا؟“

آنحضرت ﷺ نے حضرت صفیہؓ کو آزار دہا دیا اور پھر (اُن کو سہارا دینے کے لئے) اُن سے نکاح کیا۔^① اس سے بالکل واضح ہے کہ نبی گرامی ﷺ نے اُن کے ساتھ شاہزادیوں کا سا برتاؤ کیا یعنی یہ نہیں ہوا کہ کنیز کی صورت سے بحق ملکیت اُن میں تصرف کیا گیا ہو بلکہ ایک آزاد عورت کی طرح اُن کا عقد ہوا جس پر طرفین کا ایجاب و قبول یعنی رضامندی ایک لازمی جزو ہے۔

مرحوب کا قتل حضرت علی علیہ السلام کی بجائے محمد بن مسلمہ کے کھاتے میں کتاب ہذا کی تالیف کے دوران، میں نے یہ بات خصوصی طور پر پیش نظر رکھی ہے کہ اس میں متنازع معاملات (متنازعہ سے میری مراد یہ ہے کہ جن پر اسلام کے مختلف مکاتب فکر میں ایسا اختلافِ رائے پایا جاتا ہو کہ جس کو بیان کرنے سے کسی مسلک کے افراد کی دل آزاری ہو) کو زیرِ بحث نہ لایا جائے۔ لیکن اب ایسی مشہور و معروف اور غیر متنازعہ روایات کا کیا کیا جائے جنہیں محض بغضِ علی علیہ السلام کی بنا پر مسخ کر دیا گیا ہو؟ ایسی ہی ایک جعلی روایت جسے عصرِ حاضر کے بعض

① علامہ طبرسی (متوفی ۵۳۲ھ)، اعلام الوری

”مؤلفین و مصنفین و مؤرخین“ بڑھ چڑھ کر بیان کر رہے ہیں یہ ہے کہ جنگِ خیبر میں مرحب کو حضرت علی علیہ السلام نے نہیں بلکہ محمد بن مسلمہ نے قتل کیا تھا۔ بعض لوگوں نے اس روایت میں اور طرح سے ڈنڈی ماردی ہے۔ اُن کے مطابق مرحب کے قتل کا سارا سامان تو محمد بن مسلمہ نے کر دیا تھا، علی علیہ السلام نے تو آخر میں آکر مرے ہوئے کو مارا۔ اسلامیہ یونیورسٹی کے سابق وائس چانسلر ڈاکٹر نصیر احمد ناصر نے بھی نہایت اختصار کے ساتھ حقیقت بیان کرنے کے بعد ایسے ہی کسی ڈنڈی مار مؤرخ یا مصنف کی روایت نقل کر دی ہے۔ وہ لکھتے ہیں، ”اب قلعہ قیوس کی باری تھی، لیکن اُسے سر کرنا دشوار ہو گیا اور محاصرہ طول پکڑ گیا۔ آخر کار آپ ﷺ نے حضرت علی کو علم عطا فرمایا۔ وہ میدانِ جنگ میں نکلے تو اُن کے مقابلے کے لئے مرحب آیا جو قوت و دلیری میں سارے عرب میں مشہور تھا، لیکن حضرت علی نے اُسے قتل کر دیا۔ ایک روایت میں ہے کہ مرحب نے چونکہ محمد بن مسلمہؓ کے بھائی کو پتھر گرا کر شہید کر دیا تھا لہذا اُنہوں نے بدلہ لینے کی خاطر آنحضرت ﷺ سے لڑنے کی اجازت لی اور اس کی پندلیاں کاٹ ڈالیں اور اُسے تڑپتا چھوڑ دیا۔ بعد ازاں حضرت علی نے اُسے قتل کر دیا۔“^①

ڈاکٹر نصیر احمد ناصر صاحب اس سے اوپر والے پیرائے میں قلعہ التاعم کی فتح کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں، ”اس قلعے کے محاصرے کے دوران میں حضرت محمود بن مسلمہؓ شہید ہوئے تھے۔ کنانہ ابن ابی الحقیق یا مرحب نے انہیں قلعے کے نیچے سوتے دیکھ کر اوپر سے پتھر گرا کر شہید کر دیا۔“^② ایک ”سوئے ہوئے“ شخص کو اوپر سے پتھر گرا کر مار دینا ایک بزدلانہ اور گھٹیا سی حرکت ہے ایسی حرکت کسی بہادر کو زیب نہیں دیتی۔ مرحب اگرچہ یہودی تھا اور مقابلے میں مارا گیا لیکن وہ بزدل ہرگز نہ تھا۔ وہ بزدل ہوتا تو علی علیہ السلام جیسے ناقابلِ تسخیر مجاہد کے مقابلے پر نہ آتا اور آکر اپنی زبان

① ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر (ﷺ)، ص ۶۰۲

② ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر (ﷺ)، ص ۶۰۲

سے یہ نہ کہتا، ”قَدْ عَلِمْتُ خَيْبَرَ اِنِّي مَرْحَبٌ شَاكِي السَّلَاحِ بَطْلٌ مُحَرَّبٌ“ (سارا خیر جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں، جنگوں کا مسلح ہیرو) مرحب واقعی پورے خیر میں بہادر مشہور تھا پس مرحب کو اگر وار کرنا ہوتا تو قلعے سے باہر نکل کر محمود بن مسلمہ کو لاکارتا اور تلوار سے شہید کرتا نہ کہ قلعے کے اوپر سے پتھر گرا کر۔ پس محمود بن مسلمہ کو اُس نے نہیں بلکہ کنانہ ابن ابی الحقیق نے شہید کیا جیسا کہ مندرجہ بالا سطور میں ڈاکٹر نصیر احمد ناصر صاحب خود لکھ چکے ہیں۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر واقعی مرحب نے محمد بن مسلمہ کے بھائی محمود بن مسلمہ کو شہید کیا تھا اور محمد بن مسلمہ بھائی کا انتقام لینے مرحب کے مقابل گئے تھے اور اُس سے لڑ کر اُس کی پنڈلیاں کاٹ ڈالیں تھیں تو پھر اُسے قتل کیوں نہ کیا؟ جبکہ مرحب ہی قلعہ قوص کا طاقتور ترین پہلوان تھا اور اس معرکہ کی تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ خیر کی شکست اور فتح کا انحصار ہی اُس پر تھا، پس اگر یہ جنگ محمد بن مسلمہ ہی نے جیتنا تھی تو پھر رسول اللہ ﷺ نے علی علیہ السلام جیسے کرار اور غیر فرار کا انتظار اور اہتمام محض ایک ادھ موئے اور لاچار آدمی کو مارنے کے لئے کیا؟

تیسری دلیل یہ ہے کہ تاریخ شاہد ہے کہ علی علیہ السلام کسی بھاگتے ہوئے یا گرے ہوئے لاچار آدمی کو قتل نہیں کرتے تھے۔ یہ تو ہے ہی شانِ علی علیہ السلام کے منافی۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ تڑپتے ہوئے مرحب کو جس کی پنڈلیاں کٹی ہوئی ہوں علی علیہ السلام نے قتل کیا ہو؟

اور چوتھی دلیل یہ ہے کہ کیا علی علیہ السلام کی ”اس“ دلیری پر اللہ، رسول اللہ اور ملائکہ راضی ہو رہے تھے؟ اور کثیر مؤرخین ومؤلفین علی علیہ السلام کے قصیدے لکھ رہے تھے؟ کیا کسی ادھ موئے شخص کو مارنا کوئی فضیلت کی بات ہے؟

اہل سنت کے مشہور سیرت نگار جناب شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنی مستند کتاب مدارج النبوت میں خیر فتح ہو جانے کے بعد کے حالات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں، ”حضور ﷺ نے کنانہ بن ابی حقیق کو جو خیر کے رئیسوں میں سے تھا محمد بن مسلمہ کے سپرد کر دیا تاکہ وہ اُسے اپنے بھائی محمود کے عوض قتل کر دیں۔ حضور ﷺ نے امیر المومنین علی المرتضیٰ علیہ السلام کو جنگ قوص کی

جانب بھیجتے وقت محمد بن مسلمہ سے فرمایا تھا کہ تمہیں بشارت ہو کہ کل تم اپنے بھائی کے قاتل کو قتل کرو گے۔^① پس دہلوی صاحب نے بات ہی واضح کر دی۔ محمد بن مسلمہ کا مرحب سے انتقام اور پنڈ لیاں کا ٹٹا اور علی علیہ السلام کا بعد میں مرے ہوئے کو مارنا سب من گھڑت ہے اور اس من گھڑت کہانی کے خالق وہی ہو سکتے ہیں جنہیں امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام کی ہر فضیلت کھٹکتی ہے۔

یہود کی سازش

غزوہ خیبر کے واقعات میں یہودیوں کی ایک ناپاک سازش کا ذکر بھی کیا جاتا ہے۔ روایت ہے کہ کہ مرحب کی بھتیجی اور سلام بن مشکم کی بیوی زینب بنت حارث نے، بکری کے گوشت میں سریرج الاثر زہر ملایا اور وہ زہریلا کھانا تیار کر کے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا اور تناول فرمانے کی درخواست کی۔ اُس وقت صحابہؓ کی ایک جماعت بھی بارگاہ رسالت میں موجود تھی جن میں حضرت بشیر بن براء بھی تھے۔ اُس کھانے میں سے ران کا ایک ٹکڑا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لے کر دانتوں سے کاٹا، بشیر بن براء نے بھی کچھ حصہ لے لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانا چکھتے ہی حضرت بشیر بن براءؓ سے فرمایا۔ ”اسے تھوک دویہ ران کہتی ہے کہ اس میں زہر ملایا گیا ہے۔“

بشیر بن براءؓ اپنی جگہ سے اٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ اُن کا رنگ سبز و سیاہ ہو گیا اور وہ اُسی وقت انتقال کر گئے۔ ایک روایت ہے کہ وہ ایک سال بیمار رہنے کے بعد فوت ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر یہود کے تمام سرداروں اور زینب بنت حارث یہودیہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو پیش کیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے کچھ بات چیت کرنے کے بعد دریافت فرمایا کہ کیا تم کھانے میں زہر ملا کر لائے تھے؟ اُنہوں نے اقرار کر لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ کہنے لگے ہمارا مقصد تھا کہ اگر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) جھوٹے نبی (معاذ اللہ) ہوئے تو ہم

① شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۳۰۰

آپ (ﷺ) سے نجات پالیں گے اور اگر سچے نبی (ﷺ) ہوئے تو پھر آپ (ﷺ) کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ بقولے آپ (ﷺ) نے یہ سوالات اُس یہودیہ سے کیے تھے۔ مؤرخین کا اس میں اختلاف ہے کہ آپ (ﷺ) نے اُس عورت کو سزا دی یا چھوڑ دیا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ (ﷺ) نے اُسے چھوڑ دیا لیکن بعض روایتوں میں آیا ہے کہ اُسے قتل کر دیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب اُس عورت پر ظاہر ہو گیا ہے کہ آپ (ﷺ) نبی برحق ہیں تو وہ اسلام لے آئی تھی۔ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں اس گوشت کی اذیت کو ہمیشہ اپنے اندر محسوس کرتا ہوں جسے خیبر میں کھایا تھا۔^①

آفتابِ امامت کے لئے آفتابِ فلک کی واپسی

غزوہ خیبر تاریخ میں جناب امیر المومنین علیہ السلام کے حوالے سے ہی جانا جاتا ہے۔ جناب علی ابن ابی طالب علیہ السلام کا آشوبِ چشم میں مبتلا ہو کر مدینہ میں ہی رُک جانا، پھر رسول اللہ ﷺ کے پیچھے پیچھے اس حال میں خیبر پہنچنا کہ آپ کو اپنے پاؤں رکھنے کی جگہ بھی آشوبِ چشم کی وجہ سے دکھائی نہیں دیتی تھی، پھر بارگاہِ رسالت میں پہنچنا اور آغوشِ نبی ﷺ میں لیٹ کر آنکھوں میں لعابِ دہن رسول اللہ ﷺ ڈالوا کر شفا یاب ہو جانا، اور دستِ نبی اللہ ﷺ سے علم کا عطا ہونا اور نبی کریم ﷺ کے ہی مبارک ہاتھوں سے جنگ کے لئے آراستہ ہونا اور مرحب جیسے دلاور کو دو لخت کر دینا اور بابِ خیبر کو اکھاڑ کر سپر بنالینا اور ناقابلِ تسخیر سمجھے جانے والے قلعہ خیبر کی اینٹ سے اینٹ بجا دینا اور ملائکہ سے داد و تحسین وصول کرنا وغیرہ وغیرہ۔

اُسی خیبر کی سرزمین پر ایک اور واقعہ بھی رونما ہوا جسے مختصاتِ جناب علی علیہ السلام کی نسبت سے ہمیشہ یاد رکھا جائے گا اور وہ ہے علی علیہ السلام کے لئے سورج کا واپس پلٹ کر آنا۔

① شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۳۰۷

روایت ہے، حضور اکرم ﷺ خیبر سے واپسی پر منزل صہبا پر پہنچے تو نماز عصر ادا فرمائی اور نماز پڑھنے کے بعد سر مبارک امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے زانو پر رکھ کر سو گئے یہاں تک کہ وحی کے آثار نمودار ہوئے۔ علی علیہ السلام نے نماز عصر ابھی ادا نہیں کی تھی اور نزول وحی کی مدت اتنی طویل ہو گئی کہ آفتاب غروب ہو گیا۔ جب وحی کی کیفیت ختم ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے حضرت علی علیہ السلام سے پوچھا، ”کیا عصر کی نماز پڑھ لی؟“ عرض کیا، نہیں! یا رسول اللہ ﷺ، میں نے نہیں پڑھ سکا۔“ رسول اللہ ﷺ نے بارگاہ الہی میں دُعا فرمائی، ”یارب! اگر علی (علیہ السلام) تیری اور تیرے رسول (ﷺ) کی اطاعت میں تھے تو آفتاب کو حکم دے کہ لوٹ آئے تاکہ وہ نماز عصر ادا کر لیں۔“ خداوند تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کی دُعا قبول فرمائی اور سورج جو کہ غروب ہو چکا تھا پلٹ آیا یہاں تک کہ اُس کی شعاعیں پہاڑوں اور ٹیلوں پر پڑنے لگیں اور مخلوق خدا نے آنکھوں سے دیکھا۔ پس حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام نے وضو کیا اور نماز عصر ادا فرمائی۔^①

فدک

فدک حجاز کی ایک بستی ہے جو اُس دور میں مدینہ منورہ سے دو یا تین دن کی مسافت پر واقع تھی۔ خیبر کی فتح کے بعد ارد گرد کے یہودیوں پر اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی شان و شوکت کا بہت گہرا اثر ہوا تھا یہی وجہ تھی کہ فدک کے یہودیوں نے بنا کسی لڑائی کے اپنی املاک حضور اکرم ﷺ کے سپرد کر کے مصالحت کر لی۔^②

ابن شہاب زہری کی روایت کے مطابق یہ املاک ان سات قطعوں پر مشتمل تھیں:

(۱) اعوف (۲) برقہ (۳) صافیہ (۴) مسیب (۵) حسنی (۶) مشریہ اُم ابراہیم اور (۷) دلال۔^③

① شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۳۰۸

② علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۳۸۹۔ معجم البلدان، مصر ج ۲ ص ۳۴۲

③ فروع کافی، مطبوعہ ایران ۱۳۱۵ھ ص ۲۷، کتاب الوصایا باب صدقات النبی ﷺ

ان قطعات میں بہت سارے نخلستان تھے۔ ۷ ہجری تک یہ املاک کفارِ خیبر اور دیگر یہودی ملکیت میں تھیں لیکن جنگِ خیبر کے بعد یہ تمام حضور اکرم ﷺ کو چند مصالحتی شرائط پر تفویض ہو گئیں۔ اُن پر کوئی جنگ نہیں ہوئی تھی اس لئے یہ پیغمبر اسلام ﷺ کی خاص ملکیت تھیں جن کی پیداوار آپ ﷺ اپنی ضروریات پر صرف کرتے اور اُس میں سے محتاجوں کی اعانت بھی فرماتے۔ زہری سے روایت ہے کہ خیبر کے بچے ہوئے لوگوں نے جو کہ قلعہ بند ہو گئے تھے، پیغمبر اسلام ﷺ سے جان کی امان چاہی اور شہر چھوڑنے کا وعدہ کیا تو آپ ﷺ نے اُن کی درخواست منظور کر لی۔ فدک والوں کو معلوم ہوا تو اُنہوں نے بھی یہی درخواست پیش کی جسے حضور ﷺ نے قبول کر لیا اس لئے فدک سرکارِ دو عالم ﷺ کی خاص ملکیت قرار پایا کیونکہ اُس پر کوئی فوج کشی نہیں ہوئی تھی۔^(۱)

اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور کے سابق وائس چانسلر ڈاکٹر نصیر احمد ناصر صاحب اپنی تالیف پیغمبرِ اعظم و آخر ﷺ میں لکھتے ہیں کہ اہل فدک نے جب خیبر کے یہود کا حال سنا تو اُنہوں نے بھی ویسی ہی شرائط پر صلح کر لی۔ چونکہ آپ ﷺ مملکتِ اسلامیہ کے سربراہ بھی تھے اور اس حیثیت سے آپ ﷺ کو مصارف بھی برداشت کرنا پڑتے تھے، اس لئے فدک کی آمدن آپ ﷺ کے لئے مخصوص کر دی گئی۔^(۲)

علامہ طوسی فرماتے ہیں، ”جب حضرت پیغمبر خدا ﷺ خیبر کی مہم سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے ایک علم مرتب فرمایا اور کہا کہ کون اسے اپنے استحقاق کی بناء پر ہاتھ میں لے گا؟ آپ ﷺ کا مقصد یہ تھا کہ اُس (شخص) کو فدک کی طرف روانہ فرمائیں، تو بعض لوگ علم لینے کے لئے کھڑے ہو گئے مگر آپ ﷺ نے فرمایا تم ہٹ جاؤ۔ پھر سعد کھڑے ہوئے، آپ

^(۱) علامہ غنی نقوی، تاریخ اسلام ص ۳۹۰ بحوالہ شرح ابن ابی الحدید طبع مصر ج ۳ ص ۸۷

^(۲) ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبرِ اعظم و آخر (ﷺ) ص ۶۰۳

ﷺ نے انہیں بھی ہٹا دیا اور خود علی علیہ السلام سے فرمایا کہ علی! تم کھڑے ہو جاؤ اور اس علم کو لو چنانچہ انہوں نے علم لیا۔ آپ ﷺ نے علی علیہ السلام کو فدک کی طرف روانہ فرمادیا تو انہوں نے اُن سب سے اس شرط پر صلح کی کہ (اُن کی املاک کے بدلے) انہیں جان کی امان دی جائے گی۔ اس طرح فدک کے علاقوں کی جائداد خاص رسول اللہ ﷺ کی ہوئی۔ اُس وقت جبرائیل (علیہ السلام) نازل ہوئے اور کہا کہ خداوندِ عالم کا یہ حکم ہے کہ آپ (ﷺ) ذی القربیٰ کو اُس کا حق دے دیجئے۔ آپ ﷺ نے کہا اے جبرائیل! یہ ذی القربیٰ کون ہیں؟ اور اُن کا حق کیا ہے؟ جبرائیل علیہ السلام نے کہا، ”ذی القربیٰ فاطمہ (علیہا السلام) ہیں، آپ (ﷺ) انہیں اُن کے حق میں یہ فدک کے احاطے اور جو کچھ ان میں ہے سب دے دیں، (کیونکہ ان پر) اللہ اور اُس کے رسول (ﷺ) کا حق ہے، تو اس پر رسول خدا ﷺ نے جناب فاطمہ علیہا السلام کو بلایا اور ایک تحریر لکھ دی۔“^① ہمارا ایمان ہے کہ رسول اللہ ﷺ جانتے تھے کہ یہاں ذی القربیٰ سے کیا مراد ہے، آپ ﷺ نے جبرائیل علیہ السلام سے صرف اس لئے سوال کیا کہ دوسروں پر بھی حضرت فاطمہ علیہا السلام کا حق واضح ہو جائے۔

تاریخ طبری میں ہے، ”خیبر تمام مسلمانوں کی ملکیت عامہ ہو اور فدک محض رسول اللہ ﷺ کا خالصہ ہو کیونکہ اُس پر مسلمانوں نے فوج کشی ہی نہیں کی تھی۔“^② سیرت ابن ہشام میں ہے، ”خیبر مسلمانوں کے درمیان مشترک مال غنیمت کی حیثیت رکھتا تھا اور فدک خاص رسول خدا ﷺ کا تھا اس لئے کہ مسلمانوں نے سواروں اور پیادوں کی صورت میں اس پر فوج کشی نہیں کی تھی۔“^③

① علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام، ص ۳۹۲، ۳۹۳ بحوالہ اعلام الوری، مطبوعہ طہران، طبع جدید، ص ۱۰۸ تا ۱۰۹

② ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری ج ۲ حصہ اول ص ۲۷۷

③ علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام، ص ۳۹۱ بحوالہ السیرۃ النبویۃ، لابن ہشام القسم الثانی، لاجز

سنن ابوداؤد میں حسین بن علی، یحییٰ ابن آدم، ابن ابی زائدہ، محمد بن اسحاق، زہری، عبداللہ بن ابی بکر، محمد بن مسلمہ کے بیڑوں سے روایت ہے کہ (جب خیبر کی جنگ ہوئی اور وہ فتح ہو گیا تو) خیبر کے کچھ قلعے فتح ہونے سے باقی رہ گئے تھے پس وہاں کے رہنے والے اپنے اپنے قلعوں میں بند ہو گئے اور رسول اللہ (ﷺ) سے درخواست کی کہ وہ اُن کی جان بخش دیں تو وہ یہاں سے نکل جائیں گے اور رسول اللہ (ﷺ) نے اُن کی اُس پیشکش کو قبول فرمایا۔ فدک والوں نے جب یہ سنا تو وہ بھی اُس شرط پر نکل کھڑے ہوئے۔ پس یہ فدک رسول اللہ (ﷺ) کے لئے خاص ہو گیا کیونکہ اس پر گھوڑے اور اونٹ نہیں دوڑائے گئے تھے۔ (یعنی فدک بغیر جنگ کے حاصل ہوا تھا اس لئے اُس کو مسلمانوں میں تقسیم نہ کیا بلکہ وہ صرف رسول اللہ (ﷺ) کے لئے خاص رہا۔^① یہ حکم قرآن کریم کی اس نص پر مبنی ہے:^②

”وَمَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْهُمْ فَمَا أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ وَلَكِنَّ اللَّهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهُ عَلَى مَنْ يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ“^③

(اور اللہ نے اُن لوگوں سے جو مال بطور فئی اپنے رسول (ﷺ) کو دلویا تو تم لوگوں نے اُس پر نہ گھوڑے دوڑائے اور نہ ہی اونٹ پس اُس میں تمہارا کوئی حق نہیں ہے لیکن اللہ اپنے رسولوں (ﷺ) کو جس پر چاہتا ہے تسلط دے دیتا ہے اور اللہ ہر چیز پر بڑی قدرت رکھتا ہے۔) تفسیر کبیر میں اس آیت مبارکہ کی تشریح یوں کی گئی ہے، ”خداوند عالم نے ”مال غنیمت“ اور ”فئی“ میں فرق بیان کیا ہے کہ ”مال غنیمت“ وہ ہے جس کے حاصل کرنے میں تم نے زحمت و مشقت برداشت کی ہے اور سواروں اور پیادوں کے ساتھ فوج کشی کی ہے برخلاف ”فئی“ کے، جس کے لئے تم نے کوئی زحمت نہیں اٹھائی تو اُس میں اختیارِ کلیۃً رسول اللہ (ﷺ) کو ہے کہ جس طرح چاہیں اُسے صرف کریں۔“^④

① سنن ابوداؤد، ج ۲، حدیث نمبر ۱۲۴۹

② سورۃ الحشر، آیت ۶

③ تفسیر کبیر، ج ۸ ص ۱۲۵

چنانچہ جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی: ^①

”وَإِذَا الْقُرْآنُ فَحَقُّهُ وَالْمُسْكِينُ وَابْنُ السَّبِيلِ وَلَا تُبْدِرُوا تَبْدِيرًا“ ^②

(اور (دیکھو) قریبی رشتہ دار کو اُس کا حق دے دو اور مسکین و مسافر کو بھی اور (خبردار) فضول خرچی نہ کرو۔) تو نبی اکرم ﷺ نے حضرت سیدۃ العالمین فاطمہ زہرا علیہا السلام کو بلایا اور اسی فدک کی ملکیت کی تحریر اُن کے لئے لکھ کر انہیں دی۔ اس کا ذکر اہل سنت کی مشہور و مستند کتب میں بھی پایا جاتا ہے۔ ^③

وادی القریٰ

مدینہ منورہ اور اُس کے اطراف میں جہاں جہاں یہود تھے تقریباً سبھی مغلوب ہو چکے تھے سوائے وادی القریٰ کے یہودیوں کے۔ یہ وادی خیبر اور تیما کے درمیان واقع تھی۔ نبی اللہ ﷺ انہیں جلا وطنی کا حکم دے سکتے تھے یا جنگ کر کے تہ تیغ کر سکتے تھے مگر آپ ﷺ نے ہمیشہ کی طرح بقائے باہمی کے اُصول پر چلتے ہوئے معاہدہ کو ترجیح دی۔ پس جناب رحمۃ اللعالمین ﷺ نے ایک جماعت کے ساتھ قریٰ کا رخ کیا۔ یہود اچانک آپ ﷺ کو دیکھ کر گھبرا گئے۔ اُن میں سے بعض نے مسلمانوں پر تیر چلائے جن سے ایک مسلمان شہید بھی ہو گیا لیکن مہربان رسول خدا ﷺ نے عفو و درگزر فرماتے ہوئے اُن سے امن کے معاہدے کی بات چیت کی تو وہ فوراً آمادہ ہو گئے اور آپ ﷺ کی رعایا بن کے رہنے پر رضامند ہو گئے۔ ^④

مہاجرین حبشہ کی واپسی

مہاجرین حبشہ کا تفصیلی ذکر ہم ہجرت حبشہ کے باب میں کر چکے ہیں۔ اُن میں سے کچھ لوگ تو وقتاً

① سورۃ الاسراء، آیت ۲۶

② جلال الدین سیوطی (متوفی ۹۱۱ ہجری)، الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور ج ۳ ص ۷۹

③ بخاری: کتاب الفضائل، باب غزوۃ خیبر ج ۷ ص ۱۶۹

فوتاً واپس آتے رہے تھے مگر حضرت جعفر طیار بن ابی طالب ؓ اور اُن کے کچھ ساتھی ابھی تک حبشہ ہی میں تھے۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی واپسی کے لئے شاہ حبشہ نجاشی کو عمر بن اُمیہ ضمری کے ہاتھ ایک خط روانہ فرمایا، چنانچہ باقی ماندہ سولہ مہاجرین جن میں خواتین اور بچے تھے، حضرت جعفر بن ابی طالب ؓ کے ساتھ واپس آئے۔^(۱)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر بن ابوطالب ؓ کو سینے سے لگایا، پیشانی پر بوسہ دیا اور فرمایا، میرے لئے فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ مجھے فتح خیبر کی زیادہ خوشی ہے یا جعفر کے آملنے کی۔^(۲)

پہلا وُودِ مکہ، عُمرة القضاء

(ذی القعدہ ۷، ہجری / مارچ ۶۲۹ء)

صلح حدیبیہ کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس عمرہ کو معاہدہ کے تحت مؤخر فرمایا تھا اُسے ماہ ذی القعدہ ۷ ہجری میں ادا فرمایا۔^(۳) اس عمرے کو عمرۃ الصلح، عمرۃ القضاء اور عمرۃ القضية بھی کہا جاتا ہے۔ قریش نے معاہدے کے مطابق تین دن کے لئے مکہ خالی کر دیا اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن تمام مسلمانوں کے ساتھ جو گزشتہ سال حدیبیہ کے سفر میں بھی ساتھ تھے، خانہ کعبہ کا طواف کیا اور اعمالِ عمرہ انجام دیے۔ اُس موقع پر چشمِ فلک نے عجیب منظر دیکھا، ایک شہر کے تمام قدیم باسی اپنا شہر خالی چھوڑ کر اُسکی حدوں سے باہر جا رہے تھے اور عرصہ دراز تک جلاوطنی کی زندگی گزارنے والے کچھ لوگ اُس شہر میں داخل ہو کر اپنے آبائی گھروں کی طرف بڑھ رہے تھے۔ نو وارد لوگوں نے تین دن تک وہاں قیام کیا جبکہ شہر چھوڑ کر جانے والے ارد گرد کے ٹیلوں اور پہاڑیوں پر چڑھ کر آنے والوں کو ایسی نظروں سے دیکھ رہے تھے جن میں مختلف قسم کے

^(۱) شیخ محمد الحضری، محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ طبع مصر، ج ۱ ص ۱۹۲

^(۲) ابوالفداء (متوفی ۱۳۳۱ء)، تاریخ ابوالفداء ج ۱ ص ۱۲۸۔ مقاتل الطالبین، مطبوعہ عراق ۵۱۳ھ، ج ۲ ص ۶

^(۳) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۳۱۷

احساسات و جذبات یکجا تھے۔

تین دن کے بعد قریش کے لوگ حضرت علی علیہ السلام کے پاس آئے اور کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کہہ دیں کہ شرط کے مطابق تین دن گزر گئے ہیں اس لئے اب وہ مکہ سے واپس چلے جائیں۔ حضرت علی علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا پیغام دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُسی وقت واپس روانہ ہو گئے۔^①

مکہ پر قبضہ کرنے کا یہ ایک سنہری موقع تھا لیکن معاہدے کی خلاف ورزی یا دغا بازی جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا شیوہ نہیں تھا چنانچہ ایسا کوئی خیال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھو کر بھی نہیں گزرا، حالانکہ مکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے ولادت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا شہر تھا جہاں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ظلم و ستم کے ذریعے ہجرت کرنے پر مجبور کیا گیا تھا۔

سنہ ۸ ہجری

منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم

سنہ ۸ ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ منبر بنوایا جس پر بیٹھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو خطبہ دیتے تھے، اس کے دوزینے اور پھر نشت گاہ تھی۔^② جبکہ بعض مؤرخین کے نزدیک سنہ ۷ ہجری میں منبر بنوایا تھا۔ روایت ہے کہ وہ منبر ”اثل غابہ“ کی لکڑی سے بنایا گیا تھا۔ ”اثل غابہ“ ایک درخت کا نام ہے جو چوب گز کے مشابہ مگر اس سے بڑا ہوتا ہے، غابہ ایک جنگل ہے جو مدینہ طیبہ سے نو میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ منبر کا طول بقول صحیح دو گز اور چوڑائی ایک گز تھی اور ہر سیزھی کی چوڑائی ایک بالشت تھی۔^③

① مولانا شبلی نعمانی (متوفی ۱۹۱۳ء)، سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم حصہ اول، ص ۵۰۴

② ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری، ج ۲ حصہ اول ص ۲۸۱

③ شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۳۸۶

آنحضرت ﷺ کے بعد بھی ایسا ہی منبر ہوا کرتا تھا لیکن شاہانِ بنو امیہ کے دور میں اس میں اضافہ کر کے عرشہ کے نیچے چھڑینے کر دیے گئے۔^①

اس سے پہلے آپ ﷺ مسجد نبوی میں درخت کے تنے سے بنے ہوئے ایک ستون سے ٹیک لگا کر خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ روایت ہے کہ منبر بن جانے کے بعد جب رسولِ خدا ﷺ اُس پر تشریف لے گئے اور خطبہ ارشاد فرمانے لگے تو وہ ستون آپ ﷺ کے فراق میں رونے لگا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں، ”یہ حدیث مشہور اور حدِ تو اتر تک پہنچی ہوئی ہے اور اس کی خصوصیات بھی متعدد احادیث صحیحہ سے ثابت شدہ ہیں۔ محدثین روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ منبر شریف بننے سے پہلے کھڑے ہو کر صحابہ کرامؓ کو خطبہءِ عالی رتبہ سے مشرف فرمایا کرتے تھے اور بسبب طولِ قیام، تھکنِ عارض ہو جاتی تو پشتِ مبارک کو مسجد شریف کے ستون سے ٹیک لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے۔ جب منبر شریف بنا تو روزِ جمعہ ستون کے آگے سے گزر کر آپ ﷺ منبر پر تشریف لائے۔ جب اُس ستون نے حضور اکرم ﷺ کی آواز سنی اور آپ ﷺ کو اپنے آگے نہ پایا تو رونے اور فریاد کرنے لگا۔ بروایتِ وہ ایسے روتا تھا جیسے کسی اُونٹ کا بچہ گم ہو جائے اور وہ اُونٹ روئے۔ اور بقولِ وہ ایسے روتا تھا جیسے بچہ ماں کو بلانے کے لئے روتا ہے۔ ایک روایت ہے کہ وہ اُس شخص کی طرح روتا تھا جس کا محبوب و معشوق اُس سے جدا ہو جائے اور وہ اُس کی محبت میں روئے۔ چنانچہ اُس ستون کے رونے سے حاضرینِ مسجد کے دل بھر آئے اور وہ بھی رونے لگے۔ ایک روایت میں ہے کہ اُس نے اس طرح آہ و زاری کی کہ وہ پھٹ گیا چنانچہ حاضرین کو گمان ہوا کہ گر پڑے گا اور وہ خوفزدہ ہو کر اپنی جگہ سے اُچھل پڑے۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ منبر شریف سے اُترے اور اُس کے پاس تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ نے اُس پر دستِ اقدس رکھ کر اُسے اپنی آغوشِ مبارک میں لے لیا اور فرمایا اگر تُو چاہتے تو

① امیر حیدر احمد شہابی، تاریخِ امیر حیدر احمد شہابی، طبع مصر، ج ۱ ص ۱۳

تجھے باغ میں لوٹا کر تیری پرانی جگہ لگا دیں تاکہ تو دوبارہ سرسبز و شاداب ہو کر پھل دے اور اگر تُو چاہے تو تجھے جنت کی زمین میں لگا دیں تاکہ تُو جنت کی کیاریوں اور اُس کے چشموں کے پانی سے سیراب ہو اور انبیاء و اولیاء اور صلحاء تیرے پھل تناول فرمائیں۔ جتنی دیر تک حضور اکرم ﷺ نے اُسے اپنے جسم اقدس سے لپٹائے رکھا آپ ﷺ فرماتے رہے، ”نَعَمْ قَدْ فَعَلْتُ نَعَمْ قَدْ فَعَلْتُ“ (ہاں! میں نے کیا، ہاں! میں نے کیا)۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! یہ کیا کہتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا، ”جب میں نے اس سے دریافت کیا کہ کیا تُو دُنیا میں رہنا چاہتا ہے یا جنت میں تو اس نے جنت میں رہنا پسند کیا، اس پر میں نے کہا، ”قَدْ فَعَلْتُ“ روایت ہے کہ آپ ﷺ نے اُس ستون کو اُسی جگہ دفن کروادیا۔“^(۱)

ریاض الجنۃ

منبر رسول اللہ ﷺ اور روضہ رسول اللہ ﷺ کی ضریح مبارک کے درمیان جو جگہ ہے اُسے ریاض الجنۃ کہا جاتا ہے جیسا کہ حدیث صحیح میں مروی ہے، ”مَا بَيْنَ قَبْرِي وَمَنْبَرِي رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ“ (میری قبر اور میرے منبر کے درمیان جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے)۔^(۲)

سریہ موتہ

(جمادی الاول ۸ ہجری / اگست ستمبر ۶۲۹ء)

موتہ ایک موضع کا نام ہے جو بقاء کے قریب بیٹ المقدس سے سومنزل کے فاصلہ پر ہے۔ یہ سریہ اُسی موضع میں واقع ہوا، اس لئے اسے سریہ موتہ کہا جاتا ہے۔ طبری نے اسے غزوہ لکھا ہے۔^(۳)

^(۱) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۹۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۸۶

^(۲) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۹۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۸۷

^(۳) ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری، ج ۲ حصہ اول ص ۲۹۲

لیکن ہمارے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ غزوہ اُس مہم کو کہا جاتا ہے جس میں رسول گرامی ﷺ نے بنفسِ نفیس شرکت فرمائی ہو۔ اس مہم میں چونکہ آپ ﷺ نے شمولیت نہیں فرمائی بلکہ دوسروں کو مامور فرمایا، اس لئے اسے غزوہ کی بجائے سر یہ کہنا مناسب ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے حاکم بصرہ کے نام ایک خط حضرت حارث بن عمیر ازدیؓ کے ہاتھ روانہ کیا۔ حضرت حارث جب موتہ پہنچے تو شرجیل یا شرجیل (یہ نام دونوں طرح سے کتابوں میں آیا ہے) بن عمر غسانی جو قیصر کے امراء میں سے تھا اُن کی راہ میں حائل ہوا اور پوچھا کہ تم کون ہو اور کہاں جا رہے ہو؟ حارثؓ نے اُسے بتایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کا قاصد ہوں اور شام جا رہا ہوں۔ یہ سُن کر شرجیل طیش میں آ گیا اور حضرت حارث کو وہیں شہید کر دیا۔ بادشاہوں کے ہاں قاصدوں کو قتل کرنے کا رواج اُس وقت بھی نہیں تھا اور اُن کی امان امرِ مسلم تھی۔ حضرت حارثؓ پہلے قاصد تھے جن کو رسول اللہ ﷺ کا نامہ مبارک لے جانے کے جرم میں قتل کیا گیا تھا۔ چنانچہ جب آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ ﷺ کو بہت صدمہ پہنچا اور صحابہؓ سے فرمایا کہ دشمنوں کی سرکوبی کے لئے چلو۔^①

علامہ علی نقوی صاحب نے لکھا ہے کہ وہ خط حاکم بصرہ شرجیل غسانی کے نام تھا جو ایک ایسا قہرمان تھا جس نے عرب کے بین الاقوامی اور تقریباً ہر دور کے بین الانسانی تقاضے کے خلاف آپ ﷺ کے قاصد کو قتل کرایا تھا۔^②

حسن ابراہیم حسن نے اس حاکم کے نام کی صراحت نہیں کی بلکہ لکھا ہے کہ جب حضرت ﷺ نے غسانیوں کے پاس قاصد بھیجا انہیں اسلام کی دعوت دیتے ہوئے، تو انہوں نے پیغمبر (ﷺ) کے قاصد کو قتل کر دیا۔^③

① شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۳۷

② علامہ علی نقوی، تاریخ اسلام ص ۴۱۰

③ حسن ابراہیم حسن (متوفی ۱۳۴۷ء)، تاریخ الاسلام السیاسی، ج ۱ ص ۱۶۷

جمہور مؤرخین کے برخلاف محمد انحضری نے جو اپنے زمانہ میں جامعہ مصر میں تاریخ کے پروفیسر تھے، لکھا ہے کہ یہ قاصد حارث بن عمیر ازدی، شرجیل کے پاس نہیں بھیجے گئے تھے بلکہ یہ ہرقل کے نام خط لے جا رہے تھے اور راستہ میں شرجیل بن عمرو غسانی نے اُن کو پکڑ کر قتل کر دیا۔^(۱)

اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور کے سابق وائس چانسلر ڈاکٹر نصیر احمد ناصر صاحب لکھتے ہیں، ”مؤتہ شام کے علاقے میں واقع ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے قیصر روم کی طرح اُس کے باہگزار شام یا بصری کے حکمران کو بھی دعوتِ اسلام دی اور اُسے نامہ مبارک لکھا جسے لے کر حضرت حارث بن عمیر ازدی شام روانہ ہوئے۔ سرحد پر بلقاء کا علاقہ تھا جس کا حاکم شرجیل بن عمرو تھا اور وہ بھی قیصر روم کا باہگزار تھا۔ شرجیل عرب نژاد عیسائی تھا۔ حضرت حارث اُس کی وساطت سے شام کے حکمران کو حضور اکرم ﷺ کا نامہ مبارک پہنچانا چاہتے تھے۔ شرجیل سرکش و مغرور تھا اُس نے سفارتی آداب و روایات کی پرواہ نہ کرتے ہوئے حضرت حارث بن عمیر ازدی کو شہید کر دیا۔“^(۲)

شرجیل بن عمرو نے حضرت حارث کو شہید کر کے گویا مملکت اسلامی کو لاکار اٹھا اور وہ جانتا تھا کہ اس لاکار پر مسلمان خاموش نہیں رہیں گے بلکہ بدلہ لینے چڑھ آئیں گے لہذا اُس نے قیصر روم کو اُس کا باہگزار ہونے کی حیثیت سے مدد کی درخواست کی جو منظور کر لی گئی اور ایک لاکھ کی فوج اُسکی مدد کے لئے روانہ کر دی گئی۔ اس طرح شرجیل ایک لشکرِ عظیم جمع کر کے جنگ کے لئے تیار ہو گیا۔

ادھر جمادی الاول ۸ ہجری میں، رسول اللہ ﷺ نے صرف تین ہزار مسلمانوں کو جمع کیا اور فرمایا، ”دشمنوں کی سرکوبی کے لئے چلو، میں زید بن حارثہ کو تمہارا امیر مقرر کرتا ہوں، اگر وہ شہید ہو جائیں تو جعفر طیار بن ابی طالب تمہارے امیر ہوں گے اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبد اللہ بن رواحہ امیر ہوں گے اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو مسلمان جس کو چاہیں اپنا امیر بنالیں۔“^(۳)

^(۱) محمد انحضری (متوفی ۷۶ھ) محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ مطبوعہ استقانتہ مصر ۱۹۷۶ء ص ۲۸۔

^(۲) ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبرِ اعظم و آخر (ﷺ)، ص ۶۰۶۔

^(۳) ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری، ج ۲ حصہ اول ص ۲۹۲۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۳۳۶۔

حضرت ابان بن عثمان حضرت امام جعفر الصادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلا سردار جناب جعفرؓ کو قمر دیا اور اُن کی شہادت کے بعد حضرت زیدؓ کو اور اُن کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو سردار مقرر کیا،^(۱)

معمولی اسلحہ سے لیس، تین ہزار سپاہیوں کا مقابلہ روم کی بہترین اسلحہ بردار فوج سے تھا جس کی تعداد ایک لاکھ یا بروایتے دولاکھ تھی اور تاریخ لکھتی ہے کہ اس کا کوئی جوڑ نہیں تھا۔ شاید اسی وجہ سے ایک مغربی مستشرق نے خیال ظاہر کیا ہے کہ مسلمانوں کے پاس دشمنوں کی نقل و حمل پر نگاہ رکھنے کے لئے کوئی جاسوسی نظام نہیں تھا جو انہیں ”منان“ پہنچنے تک اپنے دشمن کی عظیم فوجی تیاری کی خبر نہ ہوئی۔^(۲)

چنانچہ اکثر مؤرخین کا خیال ہے کہ مسلمانوں کو صرف شرجیل غسانی کی عسکری طاقت کا گمان تھا اور وہ نہیں جانتے تھے کہ شہنشاہ روم ہرقل کی فوج سے واسطہ پڑنے والا ہے۔ روایت ہے کہ ہرقل خود بھی فوج کے ساتھ موجود تھا جس میں ایک لاکھ رومی تھے اور ایک لاکھ اُس کی عرب رعایا کے آدمی جو متعدد قبائل سے تعلق رکھتے تھے اور عیسائی ہو چکے تھے، اس طرح مسلمانوں کا مقابلہ دولاکھ کی فوج کے ساتھ تھا۔^(۳)

جنگ یا پسپائی؟

علاقہ شام کی سرزمین ”معان“ پہنچ کر مسلمانوں کو رومی فوج کی قوت کا اندازہ ہوا تو انہوں نے پیش قدمی روک دی اور آپس میں صلاح مشورہ کرنے لگے کہ پیش قدمی جاری رکھی جائے مقابلہ

^(۱) علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۴۱۲، بحوالہ علامہ طبری (متوفی ۵۳۲ھ)، اعلام الوری

^(۲) علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۴۱۳

^(۳) ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری، ج ۲ حصہ اول ص ۲۹۳۔ علامہ علی نقی نقوی، تاریخ

اسلام ص ۴۱۲۔ الحافظ یوسف بن البر (متوفی ۶۶۳ ہجری)، الدرر فی اختصار المغازی والسیر لابن

عبدالبر مطبوعہ سنہ ۱۳۸۶ ہجری ۱۹۶۶ء ص ۲۲۲

سے گریز کیا جائے۔ بقولے حضرت زید بن حارثہؓ نے تجویز پیش کی کہ سر دست پیش قدمی روک دی جائے اور رسول خدا ﷺ کو حالات کی خبر کی جائے اور پھر آپ ﷺ جو حکم دیں اُس پر عمل کیا جائے۔ عبداللہ بن رواحہؓ نے اس سے اختلاف کیا اور پر جوش طریقے سے کہا کہ ہم نے کبھی بھی دشمن کی قوت (تعداد) کو پیش نظر رکھ کر مقابلہ نہیں کیا بلکہ ہمیشہ اپنے دین کی قوت پر بھروسہ کیا ہے اور ہمارا عقیدہ ہے کہ ہم دشمن پر غالب نہ بھی آسکے تو شہادت کے مرتبہ پر تو فائز ہوں گے ہی۔ سارے مجمع نے عبداللہ بن رواحہؓ کی تائید کی اور ہم آواز ہو کر کہا کہ ہم مقابلہ کریں گے۔^①

چنانچہ سب مسلمان میدانِ موت میں جسے مؤمنین نے ”موت کی وادی“ بھی لکھا ہے، وارد ہو گئے اور اپنے قلیل لشکر کو مرتب کرنے لگے۔

جنگ

سب سے پہلے حضرت زید بن حارثہؓ علم لے کر میدان میں اترے اور بڑی جوانمردی کے ساتھ کفار کا مقابلہ کرنے کے بعد راہِ حق میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کر دیا۔ پھر عم رسول ﷺ حضرت ابوطالب علیہ السلام کے فرزند جناب جعفر طیارؓ میدان میں آئے اور کفار کے لشکر پر ٹوٹ پڑے۔ اُس وقت حضرت جعفر طیارؓ کی عمر ۳۳ یا ۳۴ سال تھی۔ مورخین لکھتے ہیں کہ جوشِ جہاد میں وہ اپنے گھوڑے سے کود پڑے اور اُس کے پاؤں قلم کر دیئے یا اُسے ذبح کر دیا۔ روایت ہے کہ حضرت جعفر طیارؓ مسلمانوں میں پہلے شخص تھے جنہوں نے گھوڑے کو پے کیا۔^②

میدانِ جنگ میں کسی سپاہی کا گھوڑے کو پے کرنے یعنی اُس کے پاؤں کاٹنے یا ذبح کرنے کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ وہ آخری دم تک لڑے گا اور میدان سے فرار نہیں گا۔ حضرت جعفر طیارؓ پیادہ لڑتے لڑتے دشمن کی صفوں کے اندر تک چلے گئے یہاں تک کہ اُن کا دایاں ہاتھ قلم

① ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری، ج ۲ حصہ اول ص ۲۹۳

② ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری، ج ۲ حصہ اول ص ۲۹۳

ہو گیا۔ انہوں نے علم بائیں ہاتھ میں لے لیا، وہ ہاتھ بھی قطع ہو گیا تو علم کو سینے سے لگا لیا اور اسی عالم میں شہید ہو گئے۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ حضرت جعفر طیار ؑ کے جسم پر پچاس (۵۰) زخم آئے جن میں سے تیس (۳۰) صرف چہرے پر تھے۔^①

کتب اہل سنت میں عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے، ”حضرت جعفر طیار ؑ کے جسم پر تیروں اور تلواروں کے نوے (۹۰) سے زیادہ زخم تھے جن میں سے کوئی بھی پشت پر نہیں تھا۔“^②

ابن سعد نے لکھا ہے کہ ایک رومی کے وار سے حضرت جعفر طیار ؑ کا جسم دلخت ہو گیا تھا۔ جسم کے ایک حصے پر تیس (۳۰) سے زیادہ زخم تھے اور مجموعی طور پر نیروں اور تلواروں کے بہتر (۷۲) زخم تھے۔^③

حضرت جعفر طیار ؑ کے بعد حضرت عبد اللہ بن رواحہ ؑ میدان جنگ میں اترے اور لڑتے ہوئے جام شہادت نوش کیا۔ اُن کے بعد بھی کچھ مجاہد درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔ ذہبی کا بیان ہے کہ شہید ہونے والوں کی تعداد آٹھ (۸) تھی۔^④

رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر اسلام میں سے تین افراد کو بطور سالار منتخب فرمایا تھا اور اُن کی ترتیب بھی مقرر فرمادی گویا کہ نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ایک اعجازِ نبوت تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لشکر ترتیب دیتے وقت ہی علم ہو گیا تھا کہ پہلے زیدؓ شہید ہوں گے پھر جعفر طیارؓ اور پھر عبد اللہ بن رواحہؓ بھی۔ تاریخ شاہد ہے کہ نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارے کے عین مطابق تینوں سالار باری باری درجہ شہادت پر پہنچے، ان کے بعد آگے اور کوئی نہیں تھا جس کے بارے میں حکم نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوتا

① علامہ علی نقوی، تاریخ اسلام ص ۲۱۵، بحوالہ العبر، ج ۱ ص ۹۔ ذقیۃ السلاف، ص ۱۳۰۔ تاریخ طبری۔

تاریخ ابن خلدون، ج ۲، مطبوعہ بیروت، ص ۸۰۰۔ الدار لابن عبد البر، ص ۲۳۳۔ اعلام الوری

② علامہ علی نقوی، تاریخ اسلام ص ۲۱۵، بحوالہ ذقیۃ السلاف، ص ۱۳۹

③ علامہ علی نقوی، تاریخ اسلام ص ۲۱۵، بحوالہ طبقات کبریٰ، ج ۲ ص ۱۲۹

④ علامہ علی نقوی، تاریخ اسلام ص ۲۱۵، بحوالہ العبر، ج ۱ ص ۹۔ الدار، ص ۲۲۲

کیونکہ روایت کے مطابق آپ ﷺ نے تین سردار مقرر کر کے فرما دیا تھا کہ عبداللہ بن رواحہؓ بھی شہید ہو جائیں تو مسلمان جس کو چاہیں اپنا امیر بنالیں۔^(۱)

چنانچہ اُس وقت ایک شخص مسلمانوں سے کہنے لگا کہ اب تم کس کو منتخب کر کے یہ ذمہ داری سونپو گے۔ اُس وقت از خود یا دوسروں کے کہنے پر خالد بن ولید نے لشکر اسلام کی کمان سنبھال لی۔ (صلح حدیبیہ کے بعد خالد بن ولید نے اسلام قبول کر لیا تھا، اس کا ذکر معرکہ حدیبیہ کے باب میں کیا جا چکا ہے)۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ خالد بن ولید نے باقی ماندہ اسلامی لشکر کو زندہ بچالے جانے کا منصوبہ ذہن میں رکھتے ہوئے اس طرح جنگ شروع کی کہ تھوڑا تھوڑا پیچھے ہٹتے ہوئے دشمنوں سے دُور ہونا شروع کر دیا اور آخر کار موقع پاتے ہی پوری جماعت کو واپس کر لیا۔^(۲)

ابن خلدون اور ابن عبدالبر نے مختصر الفاظ میں یوں لکھا ہے، ”وہ مسلمانوں کو لے کر الگ ہو گئے۔“^(۳) میدان جنگ سے پسپائی کے بعد لشکر اسلام مدینہ کی طرف روانہ ہوا۔ بروایت رومی لشکر نے اُن کا تعاقب نہیں کیا اور مسلمان جان بچا کر مدینہ پہنچ گئے۔

شکست خوردہ اسلامی فوج کا مدینہ کے باہر استقبال

عروہ بن زبیر سے روایت ہے کہ جب وہ (شکست خوردہ) فوج مدینہ کے قریب پہنچی تو رسول اللہ ﷺ اور دوسرے مسلمان آئے۔ رسول اللہ ﷺ گھوڑے پر سوار تھے، آپ ﷺ نے فرمایا جعفر طیار (رضی اللہ عنہ) کا لڑکا مجھے دے دو۔ عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے پاس لائے گئے، آپ ﷺ نے اُن کو اٹھا کر اپنے ساتھ (گھوڑے پر) بٹھالیا۔ دوسرے لوگوں نے

^(۱) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۳۳۶

^(۲) علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۴۱۶ بحوالہ تاریخ الامم والاملوک ص ۱۶۱۲

^(۳) علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۴۱۷ بحوالہ تاریخ ابن خلدون ج ۲ ص ۲۳۳۔

الحافظ یوسف بن البر (متوفی ۴۶۳ ہجری)، الدرر فی اختصار المغازی والسید ص ۲۳۳

فوج پر خاک ڈالنا شروع کر دی اور کہا کہ تم اللہ کی راہ میں بھگوڑے ہو۔^(۱)

اہل مدینہ کی طرف سے ایسے ”استقبال“ کے بعد موتے سے لوٹنے والے مسلمانوں نے گھروں سے نکلنا چھوڑ دیا کیونکہ جب وہ باہر آتے تو لوگ انہیں طعنہ دیتے تھے۔

ابو جعفر محمد بن جریر طبری لکھتے ہیں: ”حارث بن ہشام کی اولاد میں سے ایک صاحب سے جو اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہؓ کے نکھیلی رشتہ دار تھے مروی ہے کہ اُم المؤمنین حضرت اُم سلمیٰ رضی اللہ عنہا نے کسی عورت سے پوچھا کہ سلمہ بن ہشام بن مغیرہ نماز میں رسول اللہ ﷺ اور صحابہؓ کے ساتھ شامل کیوں نہیں ہوتے؟ عورت نے جواب دیا کہ وہ گھر سے نہیں نکلتے کیونکہ لوگ انہیں طعنہ دیتے ہیں کہ تم اللہ کی راہ سے بھاگ نکلے ہو۔“^(۲)

عصر حاضر کے بعض مؤلفین نے موتہ کی مہم کو کامیاب ترین قرار دیتے ہوئے مسلمانوں کو فتح سے ہمکنار کر ڈالا ہے جو کہ سراسر غلط ہے۔ اس خیال کی تردید میں مشہور مؤرخ ابو جعفر محمد بن جریر طبری کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں: ”مروی ہے کہ آپ ﷺ نے خیبر سے واپس آ کر ماہ ربیع الاول اور ربیع الثانی مدینہ میں قیام فرمایا اور جمادی الاول میں وہ مہم شام کی طرف روانہ کی جو موتہ میں ”تباہ“ ہو گئی۔“^(۳)

یعنی طبری نے مسلمانوں کی اس مہم کے لئے لکھا ہے کہ وہ ”تباہ“ ہو گئی، نہ کہ کامیاب ہو گئی۔

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ ۝



^(۱) الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۱۲۹۔ ابو جعفر محمد بن جریر (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری، ج ۲ حصہ اول ص ۲۹۵

^(۲) ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری، ج ۲ حصہ اول ص ۲۹۵۔

علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۴۱۶ بحوالہ کامل ابن اثیر بیروت ج ۲ ص ۲۳۹

^(۳) ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری، ج ۲ حصہ اول ص ۲۹۲۔